UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226454

UNIVERSAL
LIBRARY

BROWN BOOK

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. م - ث/۱ ۹۲۷/۸ Accession No. ۱۷۰۸۰

Author ثنا ل، ڈاکٹر

Title مائدۃ القرآن ۱۹۲۵ء

This book should be returned on or before the date last marked below.

ڈاکٹر ٹسڈل کی تصنیف

ماخذ القرآن

معہ استدراک و تبصرہ

از

نیاز فتحپوری

اس پرچہ کو بہت حفاظت سے رکھئے، کیونکہ آیندہ اشاعت میں اس کا مفصل جواب مختلف علماء کرام کی طرف سے شایع کیا جائے گا

چندہ سالانہ پانچ رو — ششماہی جاری نہیں ہوسکتا

۱۷۰۸۰

نگار

Checked 1975

مدیر اعلیٰ: نیاز فتحپوری

ادارۂ معاون: اخوند فیض محمد فاروقی
مجدد نیازی
شوکت جہاں

جنوری۔ فروری ۱۹۵۱ء کا مشترک نمبر

جلد ۴۷	فہرست مضامین	شمارہ ۱-۲

تمہید ۳

اسلام پر قدیم عربی عقاید و رسوم کا اثر ۱۲

اسلام اور صابی و یہودی خیالات ۱۹

اسلام پر نصرانیت اور عیسائیوں کی مشکوک کتب کا اثر ۵۹

قرآن و احادیث میں زردشتی عنصر ۹۳

فرقۂ حنیف اور اس کا اثر ابتدائی اسلام پر ۱۱۴

ملاحظات ۱۲۰

نوٹ: جو فٹ نوٹ میرے ہیں ان کے آخیر میں میرا نام درج ہے۔ باقی فٹ نوٹ ڈاکٹر ٹسڈل کے ہیں

انتقادیات

حضرت نیاز فتحپوری کے انتقادی مقالات دو جلدوں میں، جو اخیر جنوری تک شایع ہو جائیں گی

قیمت جلد اول للعہ — قیمت جلد دوم للعہ

منیجر نگار لکھنؤ

ماخذ القرآن

پہلا باب

تمہید

قدیم یونانی حکیم دیموقریطس کے اس قول میں بہت کچھ صداقت ہے کہ: "کوئی چیز عدم سے وجود میں نہیں آتی"[1] چنانچہ اس کلیہ سے یقیناً مذہب اسلام بھی مستثنیٰ نہیں۔ چونکہ اس مذہب نے تاریخ بنی نوع انسان میں نہایت اہم نتائج پیدا کئے ہیں اور اب بھی بہت سے مشرقی ممالک میں اس کا بڑا اثر پایا جاتا ہے اس لئے ہر اس شخص کے لئے جو مذہبی، تاریخی یا خالص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے تاریخ نوع بشر کی تفتیش و تحقیق کرنا چاہتا ہے، مذہب اسلام کے ماخذ کی تفتیش کرنا ضرور باعث دلچسپی ہوگا۔ جرمنی میں اسپرنگر و ویل اور انگلستان میں سر ولیم میور نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ہم کو "سیرۃ محمدی" اور تاریخ دنیائے اسلام کے متعلق خاطر خواہ معلومات[2] بہم پہونچتی ہیں اس لئے ہم کو یہاں سیرۃ محمدی اور تاریخ اسلام سے بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مسلمانوں کا دعوےٰ ہے کہ ان کو دین اسلام براہ راست محمدؐ سے پہونچا ہے۔ وہ محمدؐ کو "خاتم النبیین" اور "سید المرسلین" کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے مذہب کا مدار قرآن ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان ان احادیث کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں جو بسلسلۂ رُواۃ خاص محمدؐ تک پہونچتی ہیں اور جنھیں عرصۂ دراز بعد قلمبند کیا گیا تھا۔ الغرض مسلمانوں کے نزدیک قرآن و حدیث یہی دو چیزیں ہیں جن پر اسلام کی بنیاد قایم ہے۔ مسلمان پُرانے مفسرین قرآن کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں اور علماء و فقہاء متقدمین نے فقہ میں جو کچھ استخراج و استنتاج ان قدیم تفاسیر سے کیا ہے اسے بھی بہت اہم سمجھتے ہیں۔ مگر ہم کو "ماخذ قرآن" کی تحقیقات میں موخر الذکر باتوں سے زیادہ تعلق نہیں۔ اگر ہے تو صرف اسی قدر کہ ان سے مسلمانوں کے اصلی معتقدات پر کیا روشنی

---

[1] حیرت ہے کہ ڈاکٹر ٹسڈل، خود "ماخذ قرآن" کے سلسلہ میں یونانی حکیم کا یہ قول پیش کرتے ہیں، لیکن اگر کوئی دوسرا شخص "ماخذ انجیل" کی بحث میں اس قول کو پیش کرے تو شاید اسے تسلیم نہ کریں گے۔ علاوہ اس کے یہ قول یوں بھی غلط ہے کیونکہ وہ چیز جو دُنیا میں سب سے پہلے ظاہر ہوئی یقیناً عدم سے وجود میں آئی ہوگی علاوہ اس کے اگر قرآن خدا کا کلام ہے تو وہ واجب الوجود سے وجود میں آیا ہے نہ کہ عدم سے۔ (نیاز)

[2] ان معلومات کے متعلق کافی بحث ہو چکی ہے اور تاریخی حیثیت سے میور وغیرہ کے بیانات غلط ثابت کئے جا چکے ہیں۔ (نیاز)

پڑتی ہے۔ ہماری تحقیقات میں احادیث کو بھی ثانوی درجہ دیا جائے گا۔ کیونکہ یوروپین نقطۂ نظر سے[1] ان کی صحت بہت مشتبہ ہے علاوہ ازیں مسلمانوں کے مختلف فرقے مختلف کتب احادیث[2] کو مستند یا صحیح سمجھتے ہیں۔ بلکہ خود جامعین احادیث بھی یہ کہتے ہیں کہ ان کی کتاب میں بہت سی حدیثیں ایسی ہیں جن کی صحت مشتبہ ہے۔

چونکہ احادیث کا تعلق زیادہ تر محمدؐ کے اقوال و افعال سے ہے اس لئے ایسی حالتوں میں جہاں ان احادیث سے بعض مواقع پر تعلیم قرآن کی تشریح و توضیح ہوتی ہے، ہم وقتاً فوقتاً ان احادیث کا بھی حوالہ دیں گے۔ کیونکہ قرآن میں بعض مقامات ایسے مبہم ہیں جن کی وضاحت و تشریح کے لئے احادیث سے کام لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً قرآن کی پچاسویں سورۃ کا نام "سورۂ ق" ہے اور اُسے اسی نام کے عربی حرف یعنی "ق" کے ذریعہ سے لکھا جاتا ہے۔ اس لئے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس "ق" کے کیا معنی ہیں تاوقتیکہ احادیث سے کام نہ لیا جائے، کیونکہ انھیں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کوہ قاف کی نسبت جس کا سورۂ مذکور میں ذکر ہے انکا کیا خیال تھا۔ علاوہ بریں قرآن کی سورہ ۱۷ کا نام "بنی اسرائیل" ہے۔ جس کی ابتدائی آیتوں کا مفہوم یہ ہے: "حمد و ثنا اس کی جس نے سیر کرائی اپنے بندہ کو ایک رات میں مسجد الحرام سے مسجد الاقصا تک وغیرہ"[3]۔ ان آیات کے معنی سمجھنے کے لئے ہم کو احادیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جو "معراج محمدی" کے متعلق پائی جاتی ہیں۔

مسلمانوں کے عقائد اور مذہبی رسوم سے بحث کرتے ہوئے ہمارا دستور العمل یہ رہے گا کہ ہم کسی ایسی تعلیم یا رسم سے بحث نہ کریں گے جس کی بابت ظاہراً یا معناً قرآن کا کوئی حکم موجود نہ ہو یا جس کا ذکر مستند احادیث میں نہ پایا جاتا ہو۔

یہاں یہ امر ظاہر کردینا نامناسب نہ ہوگا کہ اگرچہ صحیح و مستند احادیث کو ایک حد تک وحی کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔ بایں ہمہ ان کا مرتبہ نصوص قرآنی کے برابر نہیں سمجھا جاتا بلکہ ثانوی درجہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح وحی کی دو قسمیں کردی گئی ہیں یعنی (۱) وحی متلو اور (۲) وحی غیر متلو۔ قرآن کو وحی متلو کہا جاتا ہے کیونکہ مسلمان اسی کو خدا کا کلام سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ قاعدہ مقرر ہے کہ اگر کوئی حدیث خواہ کتنی ہی مستند ہو، قرآن کی کسی ایک آیت کے بھی خلاف ہو، رد کردی جائے گی۔ مسلمانوں کے عقاید پر بحث

---

[1] ہمارے یہاں بھی تمام احادیث کو معتبر نہیں سمجھا جاتا اور اُصول درایت کے لحاظ سے صرف وہی احادیث قابل اعتنا سمجھی جاتی ہیں جنھیں عقل انسانی قبول کر سکتی ہے۔ (نیاز) ——— [2] احادیث کی جو کتابیں سنّیوں کے نزدیک مستند ہیں وہ حسب ذیل ہیں: (۱) موطّا امام مالک ابن انس۔ (۲) جامع الصحیح امام بخاری۔ (۳) صحیح مسلم۔ (۴) سنن ابو داؤد سلیمان۔ (۵) جامع ترمذی۔ (۶) کتاب السنن محمد ابن یزید ابن ماجہ القزوینی۔ دوسری طرف شیعہ لوگ کسی حدیث کو مستند نہیں مانتے تاوقتیکہ وہ حسب ذیل کتب میں موجود نہ ہو: (۱) کافی ابو جعفر محمد ۳۲۹ھ۔ (۲) من لایحضرہ الفقیہ شیخ علی ۳۸۱ھ۔ (۳) تہذیب شیخ ابو جعفر محمد ۴۶۶ھ۔ (۴) استبصار۔ شیخ ابو جعفر محمد ۴۶۶ھ۔ (۵) نہج البلاغہ۔ سید رضی ۴۰۶ھ۔

[3] سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الذی بٰرکنا حولہ لنریہ من آیاتنا ط انہ ہو السمیع العلیم۔

کرتے ہوئے اس قاعدہ کی پابندی اس لئے مناسب ہے کہ اس طرح ہم احادیث کے صحیح یا موضوع ہونے کی بحث سے بچ جائیں گی۔

تاریخ قرآن کی بابت ہم کو پوری طرح قابل اطمینان معلومات حاصل ہیں۔ جہاں کوئی سورۃ نازل ہوئی اور رسول کی زبان سے ادا ہوئی، اسی وقت مسلمان کاتبوں نے، جن کی تعداد بہت زیادہ تھی، فوراً اس چیز پر جو ان کے ہاتھ آئی لکھ لیا محمدؐ کے زمانہ میں مکّہ والے لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اور بیان کیا جاتا ہے کہ جب کچھ مکّہ والے اسیر ہوئے تو ان کو اس شرط پر رہائی دیدی گئی کہ وہ مدینہ کے کچھ آدمیوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ الغرض خواہ قرآن کی آیتیں اسی وقت لکھ لیگئی ہوں یا نہ لکھ لیگئی ہوں، مگر ان کو فوراً حفظ کر لیا جاتا تھا اور پھر نماز کے وقت یا دیگر مواقع پر دوسرے مسلمانوں کو پڑھ کر سُنا دیجاتی تھیں اگر کسی آیت کی صحت کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ واقع ہوتا تو صحابہ، محمدؐ سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔ احادیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی زندگی میں ازواج مطہرات کے گھروں میں بعض سورتیں یا آیتیں لکھی ہوئی محفوظ تھیں۔ جن میں سے بعض کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ضایع ہوگئی تھیں اور پھر دستیاب نہ ہوئیں[1]۔ وقتاً فوقتاً نبی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ جدید نازل شدہ آیات کو فلاں فلاں سورۃ میں داخل کر دیا جائے۔ اور ان سورتوں کے نام بھی رکھدئے گئے تھے جو آج تک اسی طرح چلی آتی ہیں۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں کوئی قاعدہ مقرر نہ تھا کہ ان سورتوں کی ترتیب کس طریقے سے کیجائے ہر سورۃ دوسری سورۃ سے کم وبیش بے تعلق اور بذات خود مکمل تھی۔ قرآن کی سورتیں حفظ کر لینے سے صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا کہ حفاظ اپنے نبی کی محبت کے باعث اس قدر محنت شاقہ کرتے تھے، بلکہ ان کا یہ عمل سرمایۂ عزت و دولت بھی تھا کیونکہ قرون اولیٰ میں جن لوگوں کو قرآن کی زیادہ آیتیں یاد ہوتی تھیں وہ نماز میں امامت کرنے کے زیادہ مستحق سمجھے جاتے تھے۔ علاوہ ازیں اُن کو بمقابلہ دیگر مسلمانوں کے مال غنیمت بھی زیادہ ملتا تھا۔

صحیح بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی وفات سے ایک سال بعد قرآن کو سب سے پہلی مرتبہ ایک جگہ جمع کیا گیا یہ خدمت ابوبکر کے حکم سے محمدؐ کے صحابی اور کاتب وحی زید بن ثابت نے انجام دی تھی۔ اس جمع القرآن کی وجہ یہ ہوئی[2] کہ جب جنگ یمامہ (۱۲ھ) میں بہت سے حفاظ شہید ہوگئے تو عمر بن الخطاب کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو وحی ربانی جزواً یا کلاً ضایع ہو جائے۔ لہٰذا انھوں نے خلیفۃ الرسول (ابوبکر صدیق) پر زور دیا کہ وہ منتشر سورتوں کے جمع کرنے کا حکم دیں تاکہ انھیں ایک مستند تحریری صورت میں محفوظ کر لیا جائے۔ زید بن ثابت نے اس حکم کی تعمیل کرنے میں اول اول تو کسی قدر پس وپیش کیا کیونکہ نبی نے اپنی حیات میں ایسا کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا تھا مگر بالآخر مان گئے۔ خود زید بن ثابت کے الفاظ یہ ہیں:- "ابوبکر نے مجھ سے فرمایا کہ تم ایک عالم و فاضل جوان آدمی ہو، ہم تم پر اعتبار کرتے ہیں اور تم نبی اللہ کے لئے ان کی وحی قلمبند کیا کرتے تھے

---

[1] جمہور کے نزدیک قابل تسلیم نہیں۔ (نیاز) —— [2] مشکوٰۃ المصابیح۔ صفحہ ۱۸۵ —

لہذا قرآن کی تلاش کرو اور جمع کرو۔ اگر انھوں نے مجھ کو کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کا حکم دیا ہوتا تو وہ مجھ پر اس حکم سے زیادہ شاق نہ گزرتا کہ قرآن کو جمع کرو۔۔۔۔۔۔ لہذا میں نے کھجور کی بے برگ و بار شاخوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے لیکر تمام قرآن جمع کیا اور سورۂ توبہ کی آخری آیتہ (۱۲۹) ابوخزیمہ انصاری کے پاس ملی۔ سوائے ان کے یہ آیتہ مجھے اور کسی کے پاس نہیں ملی"۔

"جمع القرآن" کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے قرآن ایک مکمل مجموعی صورت میں نہ تھا اور اس لئے وہ جذبۂ عزت و احترام جو اپنے آقا کے ساتھ زید بن ثابت کے دل میں پایا جاتا تھا، ان کو ہرگز اس بات کی اجازت نہ دے سکتا تھا کہ قرآن کی جو سورتیں انھوں نے حفاظ سے سنیں یا مختلف اشیا پر لکھی ہوئی پائیں، ان میں کسی قسم کی بھی کمی یا بیشی، کریں۔ یہ واقعہ کہ بہت سی باتیں قرآن میں ایسی بھی موجود ہیں جو محمدؐ کے ادعائے مامور من اللہ ہونے کے خلاف ہیں[1]، اس امر کا فیصلہ کن ثبوت ہے کہ زید ثابت نے اس کام کو جو ان کے سپرد کیا گیا تھا انتہائی دیانتداری سے انجام دیا۔ الغرض زید بن ثابت نے سال دو سال کے عرصہ میں قرآن کی تمام سورتیں جمع کرلیں اور ہر سورۃ کو علٰحدہ علٰحدہ لکھ لیا۔ اس امر کے باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ قرآن کی سورتوں کی موجودہ ترتیب اسی زمانہ سے چلی آتی ہے۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ترتیب کس اصول یا طریقہ پر قایم کی گئی تھی سورۂ فاتحہ کو بیشک بطور مقدمۃ القرآن سب سے پہلے رکھا گیا جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سورۃ تمام دنیائے اسلام میں نماز کا جزو تھی اور اس لئے ہر شخص کو اچھی طرح یاد تھی۔ دیگر سورتوں کو اس طرح ترتیب دیا گیا کہ سب سے بڑی سورۃ سب سے پہلے رکھی گئی اور سب سے چھوٹی سورۃ بالکل اخیر میں مگر یہ ترتیب تاریخی ترتیب کے قطعی خلاف ہے۔ احادیث سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر سورتوں کی شان نزول کیا ہے اور کن حالات کے تحت ان سورتوں کی بعض آیات "بذریعہ وحی" نازل ہوئی تھیں مگر ہم کو اپنی موجودہ تحقیقات میں اس معاملہ پر بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

زید بن ثابت نے اپنا کام ختم کرکے قرآن کا وہ مخطوطہ، جو یقیناً خط کوفی میں تحریر ہوگا، حضرت ابوبکر کے حوالہ کردیا جنھوں نے اس کو اپنی وفات تک محفوظ رکھا۔ اس کے بعد وہ قرآن حضرت عمر کی حفاظت میں رہا۔ عمر کی شہادت کے بعد انکی صاحبزادی حفصہ کے قبضہ میں آیا جو ازواج مطہرات میں سے ایک تھیں۔ اس کے بعد علٰحدہ علٰحدہ سورتوں کی نقلیں، اس قرآن سے یا ان تحریروں سے کی گئیں جن سے زید نے نقل کی تھی، اور اس طرح حفاظ جو قرآن پڑھتے تھے اس میں رفتہ رفتہ غلطیاں، یا اختلاف قرأت پیدا ہوگیا، اور ممکن ہے کہ جو سورتیں الگ الگ نقل کی گئی تھیں ان میں یہ بات پیدا ہوگئی ہو۔

اس زمانہ میں عربی زبان کی بہت سی قرأتیں رائج تھیں۔ اس لئے اول تو بعض الفاظ کی تشریح و توضیح کرنے کی ضرورت پڑی ہوگی بعد ازاں یہ بھی اجازت دیدی گئی ہوگی کہ ہر شخص اپنی قرأۃ کے مطابق الفاظ اصلی عبارت میں داخل کرلے

[1] ٹسڈل نے ان باتوں کی صراحت نہیں کی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انکا اشارہ ان آیات کی طرف ہے جن میں رسول اللہ کو کبھی کبھی تنبیہ کی گئی ہے لیکن یہ اور زیادہ ثبوت اس امر کا ہے کہ رسول اللہ نے خود اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی۔ (نیاز)

الغرض بعض محتاط مسلمانوں کو اس سے بہت کچھ پریشانی پیدا ہوئی۔ بالآخر عثمان کو جبکہ وہ فتوحات آرمینیا و آذربائیجان میں مصروف تھے، حذیفہ ابن الیمان نے اس خطرہ سے آگاہ کیا اور کہا کہیں ایسا نہ ہو، اس طرح اصلی قرآن میں خرابیاں پڑ جائیں بخاری میں لکھا ہے کہ حذیفہ نے عثمان سے اس طرح کہا:۔ "یا امیر المومنین! لوگوں کو روکئے قبل اس کے کہ وہ قرآن کی نسبت آپس میں اسی طرح اختلاف کرنے لگیں جیسے کہ یہودی اور نصاریٰ کرتے ہیں"۔ خلیفہ نے حفصہ کے پاس پیغام بھیج کر اصلی نسخۂ قرآن طلب فرمایا اور وعدہ کیا کہ نقل کرنے کے بعد واپس کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد خلیفہ نے زید کو حکم دیا کہ وہ تین دوسرے اہل قریش کے ساتھ جو محمدؐ کے ہم قبیلہ تھے، قرآن کی نقل کریں اور ان تینوں قریشیوں سے فرمایا کہ:۔ جس مقام پر تم میں اور زید بن ثابت میں قرأت قرآن کے بارہ میں اختلاف پیدا ہو، وہاں قرأۃ قریش استعمال کرو کیونکہ قرآن قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے" بیان کیا جاتا ہے کہ قرآن کا یہ جدید نسخہ اُسی پُرانے نسخہ سے نقل کیا گیا۔ لیکن حدیث الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف قرأۃ کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل ضرور ہوا اس تغیر و تبدل کا ثبوت زید کے اس بیان سے بھی ملتا ہے جس میں انھوں نے ظاہر کیا ہے کہ انھیں ایک ایسی آیت یاد آئی جو خود انھوں نے محمدؐ کی زبان سے سُنی تھی اور پہلے نسخہ میں موجود نہ تھی۔ مگر وہ اس آیت کو محض اپنی سند پر درج کرنے کی جسارت نہ کر سکتے تھے۔ اسلئے انھوں نے تجسس کیا حتیٰ کہ ایک آدمی ایسا مل گیا جو جسے یہ آیت یاد تھی۔ جب اس شخص نے وہ آیت پڑھ کر سنا دی تو اس آیۃ کو سورۂ احزاب میں داخل کر دیا گیا۔ اس کے بعد" عثمان نے قرآن کا اصلی نسخہ حفصہ کو واپس کر دیا اور جو نسخہ نقل کیا گیا تھا اس کی نقلیں بطور نمونہ ہر جگہ ارسال کر دیں، اور اس کے سوائے تمام اوراق و مجلدات قرآن کے جلا دینے کا حکم صادر فرما دیا"[1]

ممکن ہے کہ خلیفۂ عثمان کی یہ کارروائی ہم کو قابل اعتراض معلوم ہو مگر سچ پوچھئے تو اس کارروائی کی وجہ سے آج تک تمام اسلامی ممالک میں قرآن اپنی اصلی صورت میں موجود ہے اور اب اگر معدودے چند اختلافاتِ قرأۃ، مختلف رائج الوقت قرآنوں میں نظر آتے بھی ہیں تو وہ صرف حروف ت، ی اور ن کے نقطوں کے مقامات سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ خط کوفی کے اندر ان حروف کے لئے کوئی تفریقی نشان امتیاز مقرر نہ تھا۔

لہذا اب ہم اس نتیجہ تک پہونچتے ہیں کہ اس وقت بھی وہی قرآن موجود ہے جو محمدؐ نے چھوڑا تھا، لہذا ہم قرآن کے متن کی صحت پر کامل یقین رکھتے ہوئے اس کتاب کا مطالعہ اس نظر سے کر سکتے ہیں کہ یہ معلوم کریں کہ محمدؐ نے کیا تعلیم دی تھی اور اسکا ماخذ کیا تھا "ماخذ القرآن" پر بحث کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ مناسب ہوگا کہ اس باب میں ممتاز و سربرآوردہ علماء و فقہاء اسلام نے جو کچھ کہا ہے اس پر غور کیا جائے اور تحقیقات کی جائے کہ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں اس کی تائید نصوص قرآنی سے بھی ہوتی ہے

---

[1] ردّ عثمان الصحف الیٰ حفصۃ وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا و امر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ و مصحف ان یحرق۔

یا نہیں - اس کے بعد ہم غور کریں گے کہ ان علماء کے بیانات صحیح ہیں یا نہیں اور وہ ہمارے لئے قابل قبول ہو سکتے ہیں یا نہیں -

دنیائے اسلام کے اس قول سے اچھی طرح واقف ہے کہ "قرآن خود خدا کا کلام ہے جو آفرینش عالم سے بھی بہت عرصہ پیشتر پروردگار عالم نے "لوح محفوظ" پر درج فرما دیا تھا - اگرچہ خلیفہ المامون کے زمانہ میں اور اس کے بعد اس مسئلہ پر سخت جھگڑے ہوئے، یعنی ایک جماعت تو یہ کہتی تھی کہ قرآن "ازلی" ہے اور دوسری یہ کہتی تھی کہ قرآن "مخلوق" ہے لیکن ہم اسوقت اس بحث میں نہیں پڑتے - بہرحال مسلمان ہمیشہ سے یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ قرآن محمدؐ یا کسی دیگر انسان کی تصنیف کردہ کتاب نہیں ہے - بلکہ جزواً وکلاً خدا کا کلام ہے اور اس کلام کے پیامبر محمدؐ تھے - احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو جبرئیلِ امین، لیلۃ القدر میں اعلیٰ طبقات آسمانی سے زیریں طبقات تک لائے بعد ازاں تمام سورتیں اور تمام آیتیں بتدریج محمدؐ کے دل میں ڈالکر ان کی زبان سے ادا کرائیں - لہذا قرآن میں کوئی چیز ایسی نہیں جو انسان کی بنائی ہوئی ہو - وہ بالکل اور قطعی خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے [1] -

اس خیال سے کہ لوگوں پر یہ بات پوری طرح روشن ہو جائے کہ واقعی راسخ العقیدہ اور پرانے خیال کے مسلمانوں کا اس معاملہ میں یہی عقیدہ ہے، ہم ذیل میں دو اقتباسات مشہور و معروف مصنف علامہ ابن خلدون کی کتاب سے درج کرتے ہیں - وہ لکھتے ہیں کہ: "پس جان تو کہ قرآن عربوں کی زبان میں نازل ہوا، اس کے جملہ اسالیب بلاغت عربوں ہی کے ہیں، وہ سب اس کو سمجھتے تھے، وہ اس کے تمام مختلف مفرد الفاظ و تراکیب کے معنے سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ ایک کا تعلق دوسرے سے کیا ہے - قرآن نجماً نجماً نازل ہوتا رہا تاکہ لوگوں کو حسب ضرورت فرائض دینی اور توحید باری تعالیٰ سکھائے - بعض آیات میں عقاید ایمانی ہیں اور بعض میں دستور العمل کے احکام ہیں [2]" - ایک دوسرے مقام پر یہی مصنف لکھتا ہے کہ: "یہ سب کچھ تمھارے لئے اس بات کا ثبوت ہے کہ جملہ کتب سماویہ میں صرف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو بذریعہ وحی ہمارے نبی پر، انہی کلمات اور انہی تراکیب کے ساتھ نازل ہوئی جن میں وہ پڑھا جاتا ہے، برخلاف توریت و انجیل و دیگر کتب سماویہ

---

[1] اس سلسلہ میں ہم کو غور کرنا ہے کہ لوح محفوظ، جبرئیل، وحی وغیرہ کا صحیح مفہوم کیا ہے اور اس باب میں جو احادیث پائی جاتی ہیں وہ خود بیان قرآنی کے مطابق ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو قرآن میں ان الفاظ کا استعمال کن معنی میں ہوا ہے - خود میری رائے اس باب میں جو کچھ ہے اسے میں علماء کے بیانات پڑھنے کے بعد ظاہر کروں گا - (نیاز)

[2] فاعلم ان القرآن نزل بلغۃ العرب وعلیٰ اسالیب بلاغتہم وکانوا کلہم یفہمونہ ویعلمون معانیہ فی مفرداتہ وتراکیبہ وکان ینزل جملاً جملاً وآیاتاً آیاتاً لبیان التوحید والفروض الدینیۃ بحسب الوقائع ومنہا ما ہو فی العقائد الایمانیۃ ومنہا ما ہو فی احکام الجوارح - (ابن خلدون جلد دوم صفحہ ۳۹۱)

کے جن کے معانی و مطالب انبیا کو القاء کئے گئے تھے جبکہ وہ حالت وحی میں ہوتے تھے اور جب وہ انبیا حالت بشری میں آتے تھے تو وہ اپنی وحی کے معنی و مطلب لوگوں کو سمجھا دیتے تھے اپنے الفاظ میں۔ پس ان دیگر کتابوں میں کوئی اعجاز نہیں"[1]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ علماء اسلام اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ دیگر انبیا جو قبل از محمدؐ مبعوث ہوئے تھے وہ انسانوں کے لئے پیغام ربانی ضرور لائے تھے، مگر بایں ہمہ ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن کی وحی اپنے مرتبہ اور قسم میں اس الہام سے مختلف ہے جس کے ذریعہ سے دیگر کتب سماوی مثلاً توریت و انجیل نازل ہوئی تھیں۔ ان کتب کے مصنفین کے دلوں میں کسی طریقہ سے خیالات القاء کئے گئے تھے، لیکن جس زبان میں ان انبیا نے ان خیالات کو لوگوں پر ظاہر کیا وہ ان کی ذاتی زبان تھی، پس وہ کتب تصانیف بشری کہے جانے سے زیادہ کسی اور درجہ کی مستحق نہیں ہوسکتیں۔ اس کے خلاف محمدؐ نے جبرئیل کو باآواز بلند یا ایسی آواز میں جو بخوبی سمجھ میں آسکتی تھی، قرآن کا ہر لفظ اسی ترتیب کے ساتھ پڑھتے سنا جیسا کہ وہ آسمان پر "لوح محفوظ" پر لکھا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ عربی اہل بہشت اور ملائکہ کی زبان ہے۔ پس قرآن میں بجنسہ وہی الفاظ ہیں جو خود خدا نے فرمائے تھے۔ قرآن کے تمام الفاظ، تمام استعارات، تمام خیالات، تمام بیانات اور تمام اسالیب، کلاًّ و کاملاً خدا کی طرف سے ہیں[2]۔

اس میں شک نہیں کہ علمائے اسلام کا یہ دعویٰ بالکل، بیانات قرآن کے مطابق ہے۔ اصلی آسمانی قرآن کو "ام الکتاب"[3] کہا گیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کے مختلف نام اور اس کے مختلف اوصاف دیگر مختلف مقامات پر بیان کئے گئے ہیں مثلاً "یہ ایک برگزیدہ قرآن ہے جو لوح محفوظ پر ہے"[4]۔ (سورۂ بروج)۔ خود لفظ "قرآن" کے معنی اس چیز کے ہیں جو پڑھی جائے۔ ایک دوسری جگہ یہ لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے محمدؐ کو حکم دیا کہ کہو: "تمہارے اور میرے درمیان خدا شاہد ہے اور یہ قرآن مجھ پر بذریعہ وحی نازل ہوا تاکہ میں تم کو آگاہ کروں"[5]۔ (سورۂ انعام آیۃ ۱۹)۔ اسی طرح سورۃ القدر میں خدا کو اس طرح کہتا دکھایا گیا ہے کہ:

---

[1] ویدلک ہذا کلہ علی ان القرآن من بین الکتب الالٰہیۃ انما تلقاہ نبینا صلوات اللہ وسلامہ علیہ متلواً کما ہو بکلماتہ وتراکیبہ بخلاف التوراۃ والانجیل وغیرہما من الکتب السماویۃ فان الانبیاء یتلقونھا فی حال الوحی معانی ویعبرون عنہا بعد رجوعہم الی الحالۃ البشریۃ بکلامہم المعتاد لھم ولذلک لم یکن فیہا اعجاز۔ (ابن خلدون جلد ۱ صفحات ۱۷۱ تا ۱۷۲)

[2] جواب دیتے وقت علماء کو کافی وضاحت کے ساتھ بتانا چاہئے کہ انجیل وغیرہ کی زبان کو کیوں انسانی زبان کہا جاتا ہے اور قرآن کی زبان کو غیر انسانی یا خداوندی زبان کہنے کے کیا وجوہ ہوسکتے ہیں۔ میں اپنی رائے بھی بہ سلسلۂ جوابات ظاہر کروں گا۔ (نیاز)

[3] یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت، وعندہٗ ام الکتاب۔ (سورۂ رعد آیہ ۳۹)

[4] بل ھو قرآن مجید۔ فی لوح محفوظ۔ (سورۂ بروج آیہ ۲۱-۲۲)

[5] قل ای شیئٍ اکبر شہادۃً قل اللہ شہیدٌ بینی و بینکم قف واوحی الیّ ہذا القرآن لانذرکم بہٖ ومن بلغ ط

"بتحقیق ہم نے نازل کیا اس کو شب قدر میں"[ا۵] ۔ اسی قسم کی بہت سی آیتیں نقل کی جا سکتی ہیں۔

لہٰذا علمائے اسلام کا عقیدہ ہے کہ اسلام کا ماخذ اور سرچشمہ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اسلام کا کوئی حصہ بالواسطہ یا بلاواسطہ سابق الہامات یا دیگر مذاہب سے نہیں لیا گیا۔ اگرچہ قرآن اس لئے نازل ہوا تھا کہ وہ توریت و انجیل کی تصدیق کرے اور اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ اصلی اور بلا تحریف الہامی کتابوں کے موافق ہے[۵۲]۔

اسلام کا یہ دعویٰ جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اہل فہم حضرات کے نزدیک قابل قبول نہیں، کیونکہ قرآن کے اخلاقیات، اس کا نظریہ درباره فطرة اللہ، اس کے وقایع تاریخی اور بہت سی دوسری باتیں ایسی ہیں جن کی بنا پر ہم اس بات میں ہرگز شبہ نہیں کر سکتے کہ وہ خود محمدؐ کی تصنیف کردہ کتاب ہے۔

اسی کے ساتھ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ وہ خیالات، وہ بیانات اور وہ اقوال جو محمدؐ نے اپنے مذہب میں داخل کئے وہ کہاں سے لئے گئے؟ کون سی باتیں خود ان کی ایجاد ہیں اور کون سی باتیں دوسرے مقامات سے لی گئی ہیں؟ جو لوگ دیگر مذاہب کے پیرو تھے ان کی تعلیمات سیکھنے کے محمدؐ کو کیا ذرایع حاصل تھے؟ اگر محمدؐ نے کچھ باتیں دیگر مذاہب سے لی ہیں تو وہ کیا ہیں اور کس کس مذہب سے کون کون سی بات لی گئی؟ اور جو نتائج دین اسلام نے پیدا کئے ان میں کس قدر اسوۂ محمدی کے اور کسقدر حالات زمانہ کے رہین منت ہیں؟ یہ ہیں وہ چند مسایل جو ہم حتی الامکان نہایت وضاحت کے ساتھ اور مدلل طور پر ظاہر کرینگے

(نگار) ڈاکٹر ٹسڈل نے پہلا باب صرف "تمہید" کے طور پر لکھا ہے جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ وہ "ماخذ القرآن" کی بحث میں اصولاً کن کن باتوں کا لحاظ رکھیں گے۔

پہلا اصول انھوں نے یہ بتایا ہے کہ جہاں تک ممکن ہوگا وہ صرف قرآن کی تصریحات کو سامنے رکھ کر گفتگو کریں گے اور دوسرا یہ کہ اگر مزید وضاحت کے لئے احادیث سے استناد کی ضرورت ہوئی تو انکا بھی حوالہ دینگے

جس حد تک قرآن کا تعلق ہے، ہم کو ڈاکٹر ٹسڈل کے متعینہ اصول سے بالکل اتفاق ہے بشرطیکہ قرآنی مفہوم کے سمجھنے یا سمجھانے میں اُن سے غلطی نہ ہو، لیکن احادیث کے باب میں یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ جن احادیث کا حوالہ دیا گیا ہے وہ روایتاً اور درایتاً دونوں طرح قابل قبول ہیں یا نہیں۔

ڈاکٹر ٹسڈل زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں کہ وہ مشہور کتب احادیث کا حوالہ دیدیں، لیکن چونکہ ہمارے "صحاح ستہ" کی بھی تمام احادیث آنکھ بند کر کے صحیح نہیں مانی جا سکتیں، اس لئے ضرورت ہے کہ جسوقت

---

[۵۱] انّا انزلنٰہُ فی لیلۃ القدر۔

[۵۲] ملاحظہ ہو سورۂ حدید آیۃ ۲۶ و مابعد

علماء ان روایاتی حوالہ جات پر گفتگو کریں تو درایتی نقطۂ نظر سے بھی ان کی صحت و عدم صحت کو متعین کر لیں۔

جمع قرآن کے متعلق ڈاکٹر ٹسڈل نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل درست ہے اور ہمیں اس سے اختلاف نہیں، لیکن قرآن کے الہامی اور خداوندی کلام ہونے کے متعلق یقیناً ہم کو ایسی گفتگو کرنا ہے جو اسلام کے صحیح اعتقاد کو معقولات کی روشنی میں پیش کر سکے اور جس کی بنا پر ہم دوسری الہامی کتابوں (انجیل وغیرہ) کو محرف ثابت کر سکیں۔

میں نے درمیان میں جابجا فٹ نوٹ کے ذریعہ سے بھی صراحت کر دی ہے کہ جواب دیتے وقت کن باتوں کا لحاظ ضروری ہے اور جن حصّوں سے سرسری گزر جانا ہے، ان کی بھی وضاحت کر دی ہے۔

دوسرا باب

اسلام پر قدیم عربی عقائد و رسوم کا اثر

محمدؐ کے دل میں اسلام کی تدریجی نشوونما کا خیال کیونکر پیدا ہوا اور اپنی تعلیمات انھوں نے کہاں سے حاصل کیں، یہ معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان لوگوں کے مذہبی عقاید و رسوم پر غور کیا جائے جن میں وہ پیدا ہوئے تھے۔

عرب کے تمام باشندے ایک ہی نسل سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ عرب مصنفین اہل عرب کو دو قسموں میں منقسم کرتے ہیں، ایک خالص عرب۔ دوسرے مستعرب (یعنی وہ لوگ جو دوسرے ملکوں سے آکر عرب میں آباد ہوئے اور عرب بن گئے) حمیری اور بعض دیگر قبائل کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بہت کچھ تعلق حبشیوں سے تھا۔ بابلستان کے سمیری بادشاہوں نے قدیم زمانہ میں عرب کے بعض علاقے فتح کئے تھے ان کے حالات الواحِ خطوطِ میخی میں درج ہیں، ان کا مطالعہ کرنے، نیز اس واقعہ کو پیش نظر رکھنے کے بعد کہ جزیرہ نمائے سینا اور غالباً بعض شمالی اور مغربی حصص عرب پر قدیم شاہان مصر کی کچھ عرصہ تک حکومت رہی تھی، اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا کہ قدیم زمانہ میں عرب کی آبادی میں حامی اور دیگر غیر ملکی عناصر بھی شامل تھے۔ حکمراں جماعت کے خیالات وعقاید سے محکوم جماعت کا متاثر ہونا ضروری ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں بابلستان پر عظیم الشان خاندان کُش حکمراں تھا، اس زمانہ میں اہلِ عرب، بابل کے تمدن اور اُس کے مذہبی خیالات سے ضرور متاثر ہوئے ہوں گے۔ اس کا ثبوت قدیم زمانہ کے عربی کتبوں سے بھی ملتا ہے، کیونکہ ان میں ایسے دیوتاؤں کے نام بھی پائے جاتے ہیں جن کی پرستش سمیری یا بابلی قوم میں رائج تھی مثلاً "سین" (Sin) یعنی چاند کا دیوتا، اور اثار (Aththar) یعنی استارتہ یا اشتار وغیرہ - یہ وہ دیوتا تھے جن کی پرستش پہلے سُمیری قوم کیا کرتی تھی اور پھر بابلستان، آشوریہ۔ شام اور بعض ممالک عرب کی سامتیقی قومیں بھی کرنے لگی تھیں۔ بایں ہمہ اگرچہ عرب آبادی میں یقیناً حامی عنصر موجود تھا، مگر آبادی کا بڑا حصّہ کیا بلحاظ نسل و زبان اور کیا بلحاظ معاشرت و مذہب ہمیشہ سے سامتیقی چلا آتا تھا۔

ابن ہشام، طبری اور دیگر عرب مورخین نے بعض قبائل عرب کے متعلق جو قدیم روایات قلمبند کی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ اس بارہ میں ان لوگوں نے لکھا ہے وہ تقریباً وہی ہے جو ناموس موسیٰ (Pentateuch) میں درج ہے اور ان بیانات کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ ان قبایل میں سے اکثر قحطان، یا اسمٰعیل یا قطورہ زوجۂ ابراہیم کی اولاد کی نسل سے تھے بلکہ جن قبایل کے انساب حقیقتاً ان بزرگوں سے نہیں ملتے تھے وہ بھی محمدؐ کے زمانہ میں اپنا نسب یہی بتاتے تھے قبیلۂ قریش بھی اپنے آپ کو بذریعہ اسمٰعیل حضرت ابراہیم کی نسل سے بتاتا تھا (اگرچہ اس کا ثابت کرنا ناممکن خیال کیا جاتا ہے)

مگر اس واقعہ سے کہ قبیلۂ قریش کا خیال یہی تھا، قدرتاً محمدؐ کی طرف سے لوگوں کو ہمدردی پیدا ہونا چاہئے تھی کیونکہ انھوں نے دین ابراہیم ہی کی طرف لوگوں کو دعوت دینے کا دعویٰ کیا تھا اور یہ ابراہیم وہی تھے جنھیں اہل قریش فخر و ناز کے ساتھ اپنا مورث اعلیٰ کہا کرتے تھے۔

یہ باور کرنے کے بھی کافی وجوہ ہیں کہ سام کی اولاد کا مذہب ایک خدا کی پرستش کرنا تھا۔ اگرچہ قدیم زمانہ ہی سے عرب میں "شرک" (Poly Theism) نے راہ پالی تھی مگر ایک سچے خدا کا عقیدہ لوگوں کے دلوں سے بالکل محو نہ ہوا تھا جس کی وجہ یقیناً وہی غیر ملکی اثر تھا جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں اور مختلف قبایل کے درمیان وہی معاہدہ پختہ سمجھا جاتا تھا، جو اللہ کی قسم کھا کر کیا جاتا تھا اور "دشمن خدا" کا لفظ بہت بُرا لفظ سمجھا جاتا تھا۔

صحیفۂ ایوب کے دیکھنے سے اس بات کا ثبوت مل سکتا ہے کہ اس قدیم زمانہ میں بھی "میزبان بہشت" (Host of Heaven) کی پرستش ملک عرب میں رائج تھی۔ ہیرودوتوس (جلد سوم باب ۸) کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ میں عرب کے لوگ ایک دیوتا اور ایک دیوی کی پرستش کیا کرتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ دیوتا اور دیوی وہی تھے جو یونان میں "دیونی سوس" (Dionysos) اور "اورانیا" (Ourania) کے نام سے موسوم تھے۔ ہیرودوتوس لکھتا ہے کہ ان دیوتا اور دیوی کے نام عبرانی زبان میں " OPOTAλ " اور " AλλaT " تھے۔ موخر الذکر نام ممکن ہے کہ بالستان کا "الات" (Al lalu) ہو مگر قرآن کا " اللّات " ضرور ہے۔ یہ لفظ "اللہ" کی تانیث ہے۔ خود لفظ "اللہ" لفظ "الالہ" (Al - Ilah) کا مخفف ہے۔ اور یہی لفظ خفیف تغیرات کے ساتھ تمام سامی زبانوں میں "خدا" کے لئے استعمال ہوتا تھا، جس میں حرف تخصیص "ال" شامل کر دیا جاتا ہے۔ پس لفظ "اللہ" یونانی لفظ " Oθεos " کے برابر ہوا اور لفظ " AλλaT " جو ہیرودوتوس نے بتایا ہے وہ اسی لفظ کی صحیح اور غیر مخفف تانیث ہے۔ ممکن ہے کہ جن عربوں کا ذکر ہیرودوتوس نے کیا ہے انھوں نے اپنے خدائے واحد کے لئے اسی طرح ایک بیوی بھی بنالی ہو جیسے کہ بالستان کی دیگر سامی اقوام نے کیا تھا۔ ان لوگوں کا یہ خیال کرنا بھی درست نہیں کہ تمام عربوں کا عقیدہ یہی تھا اور محمدؐ کے زمانہ میں تو یقیناً ایسا نہیں تھا کیونکہ اس عقیدہ کا پتہ نہ تو قرآن سے چلتا ہے نہ عربوں کی قدیم شاعری سے۔ اللہ کی نسبت ان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ بالکل الگ تھلگ ہے اور اس تک کوئی پہونچ نہیں سکتا اور مختلف قبایل جو اپنے ادنیٰ درجہ کے بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے وہ اس خیال سے کرتے تھے کہ یہ بُت اللہ کی درگاہ میں شفیع ہوں گے۔ یہ ادنیٰ درجہ کے معبود یا بُت بیشمار تھے۔ ان میں خاص خاص وُدّ۔ یعوق۔ ھبل۔ اللات۔ عزّیٰ اور مناۃ تھے۔ ان میں موخر الذکر تین دیویاں تھیں۔ قرآن میں عربوں کو اس بات پر ملامت کی گئی ہے کہ وہ ان دیویوں کو "اللہ کی بیٹیاں" کہتے ہیں۔

اگر ہم اس زمانہ کی شاعری سے اندازہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس زمانے کے عرب چنداں پابند مذہب یا دیندار نہیں تھے

اور زیادہ تر انھیں کم درجہ کے معبودوں کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے، ہر چند ان کا یہ خیال بھی تھا کہ وہ ان کے ذریعہ سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ بڑے خدا کو یہ لوگ "اللہ تعالیٰ" کہا کرتے تھے۔ اور خدا کا یہ خطاب یقیناً بہت قدیم ہے۔

یہ فرض کرنا درست نہیں کہ عربوں کو توحید باری تعالیٰ سے اول اول محمدؐ نے آشنا کیا۔ کیونکہ خود لفظ "اللہ" کے حروف تخصیص سے ظاہر کرتے ہیں کہ جو لوگ یہ لفظ استعمال کرتے تھے ان کو کسی حد تک توحید باری کا شعور حاصل تھا۔ الغرض لفظ اللہ خود محمدؐ نے ایجاد نہیں کیا۔ بلکہ جس وقت انھوں نے اپنی قوم کے سامنے اپنے مامور من اللہ اور نبی ہونے کا دعویٰ کیا، اسوقت یہ لفظ پہلے سے استعمال ہوتا تھا۔ اس کا ثبوت حاصل کرنا چنداں دشوار نہیں۔ خود محمدؐ کے والد جو اپنے بیٹے کی ولادت سے قبل وفات پا گئے تھے "عبداللہ" یعنی "اللہ کا بندہ" نام رکھتے تھے۔ کعبہ یعنی مکہ کا بڑا معبد عرصۂ دراز سے "بیت اللہ" (خانۂ خدا) کہلاتا تھا۔ عرب کی قدیم روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عین اسی جگہ جہاں اسوقت خانۂ کعبہ ہے، اللہ کی عبادت کے لئے ابراہیم اور ان کے بیٹے اسمٰعیل نے ایک معبد بنایا تھا۔ اگرچہ اس بیان کو ہم تاریخی حیثیت نہیں دے سکتے تاہم اس روایت سے کم از کم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر زمانۂ قدیم سے عبادت ہوتی چلی آتی تھی اور غالباً وہ مقام کعبہ ہی تھا جس کی بابت دیودورس سیقولوس (Diodorus Siculus ۶۰ ق م) نے لکھا ہے کہ اس مقام پر ایک عبادتخانہ یا معبد ہے جس کا تمام عرب لوگ خاص طور پر احترام کرتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت کی ان نظموں میں جنھیں "المعلقات" کہتے ہیں، لفظ "اللہ" کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ سب سے پہلی سیرت نبوی کا مصنف ابن اسحٰق تھا، جس کی تصنیف کے اوراق منتشر ہم تک پہونچے ہیں۔ ابن ہشام نے انکی کتاب سے نقل کیا ہے کہ قبائل کنانہ و قریش جب رسم "اِہلال" (Ihlal) ادا کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ کو ان الفاظ سے خطاب کیا کرتے تھے: "لبیک اللھم! یا اللہ ہم تیری خدمت میں حاضر ہیں۔ ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں سوا اس کے جو تیرے خوت کا شریک ہو۔ تو مالک ہے اس کا اور اس تمام کا جس کا وہ مالک ہے"۔

ابن اسحٰق نے بالکل صحیح کہا ہے کہ "خدا کو اس طرح خطاب کرنے سے وہ اللہ کی توحید کا عقیدہ ظاہر کرتے تھے"۔ ابن اسحٰق نے یہ نہیں لکھا کہ "تیرے خوت کا شریک" سے کیا مطلب تھا۔ مگر قیاس یہ کہتا ہے کہ اس میں کسی قبائلی بت کی طرف اشارہ ہے۔ بہرحال جس دیوتا یا دیوی یا شخص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا درجہ اللہ کے برابر نہیں رکھا جاتا تھا۔ الغرض قدیم عربوں کا مذہب اسی قسم کا تھا جیسا کہ یونانی و رومی کلیساؤں کی اولیا پرستی۔ یہی حال محمدؐ کے زمانہ میں تھا اور یہی حال باوجود قرآن کی ممانعت کے مسلمانوں کا اس وقت بھی ہے۔ مگر اس اولیا پرستی سے یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا کی وحدانیت سے انکار کیا جاتا ہو، بلکہ ان اولیا یا کم درجہ کے معبودوں کی عبادت یا حرمت شفیع کی حیثیت سے کی جاتی ہے۔ جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کی تصدیق شہرستانی کی تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ جس نے عہد جاہلیت کے عربوں کے مذہبی خیالات اور رسموں کا حال لکھا ہے۔ اس مصنف نے عربوں کو مختلف فرقوں میں تقسیم کیا ہے جو اپنے مذہبی

خیالات میں ایک دوسرے سے بہت اختلاف رکھتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ بعض نہ وجود باری کے قابل تھے ۔ نہ بعثت انبیا اور قیامت کے معتقد تھے۔ بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ قدرت پیدا کرتی ہے اور زمانہ ہلاک کر ڈالتا ہے۔ بعض قبائل ایسے تھے جو خدا کے وجود کے تو قایل تھے مگر اس بات سے انکار کرتے تھے کہ وہ اپنا ارادہ ظاہر کرنے کے لئے رسولوں کو مامور کرتا ہے۔ دیگر قبائل اپنے اپنے دیوتاؤں اور ذاتی بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ مثلاً قبیلۂ کلب کے لوگ وَدّ اور سواع کی پرستش کرتے تھے اور قبیلۂ مذحج والے یغوث کی پرستش کیا کرتے تھے۔ یہی حال بعض قبائل یمن کا تھا۔ حمیریوں کا قبیلہ ذوالکلاع نسر کی، قبیلۂ ہمذان یعوق کی، طائف کا قبیلہ ثقیف اللات کی اور قبائل بنو کنانہ و قریش اپنی قبائلی دیوی عزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے۔ قبائل اوس و خزرج اگرچہ مناۃ کو بھی پوجتے تھے مگر ہُبل کو تمام دیوتاؤں کا سردار سمجھتے تھے۔ اس دیوتا کا بت بامِ کعبہ پر نہایت نمایاں مقام پر رکھا ہوا تھا۔ دیگر دیوتا اساف ونائلہ تھے۔ بعض عرب قبائل ان یہودیوں کے زیر اثر آگئے تھے جو ان کے قریب بس گئے تھے اور انھوں نے کم وبیش یہود کی مذہبی تعلیمات اختیار کرلی تھیں۔ بعض قبائل عیسائی ہوگئے تھے اور ان کے ہمسایہ عرب قبایل ان کے معتقدات کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ بعض قبائل صابئین کے زیر اثر تھے۔ ان کا مذہب انجم پرستی تھا۔ یہ لوگ اپنے تمام امور میں ستاروں کی گردش سے حکم لیا کرتے تھے۔ بعض قبائل ملائک پرست تھے اور بعض جنوں یا بھوتوں کی پوجا کیا کرتے تھے چنانچہ خود حضرت ابوبکر تعبیر خواب کے فن میں بہت مشہور رہتے تھے۔[۱]

بہت سے عرب مصنفین نے جن میں بعض مشہور مفسرین قرآن بھی ہیں ایک قصّہ بیان کیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محمدؐ کے زمانہ میں عرب قبائل (ان میں وہ بھی تھے جو مکہ میں محمدؐ کے سخت مخالف تھے اور جنھوں نے پہلے مسلمانوں کو بغرض حفظ جان حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا) محمدؐ کے ساتھ "اللہ تعالیٰ" کی پرستش کرنے پر بہت جلد آمادہ ہوگئے تھے، واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز محمدؐ کعبہ میں نماز پڑھنے کے لئے گئے اور وہاں انھوں نے سورۂ النجم پڑھنا شروع کی۔ جب وہ انیسویں اور بیسویں آیتیں پڑھ چکے یعنی " افرایتم اللات والعزیٰ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ "۔ تو کہتے ہیں کہ اس وقت شیطان نے محمدؐ کو ورغلا کر ان سے یہ الفاظ کہلا دئے: ۔ " تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی "[۲] یہ الفاظ سنتے ہی تمام عرب جو اس وقت وہاں موجود تھے محمدؐ کے ساتھ نماز میں مشغول ہوگئے۔ اس واقعہ کے بعد ہر طرف افواہ اڑ گئی کہ ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ بہر حال یہ واقعہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ مخالفین محمدؐ کو وجود باری تعالیٰ اور اس کی سب پر فوقیت کی تعلیم قبول کرنے میں کوئی مشکل معلوم نہ ہوتی تھی اور وہ چھوٹے

---

[۱] مواہب اللدنیہ ——— [۲] یہ روایت صرف واقدی اور طبری میں پائی جاتی ہے اور دوسری معتبر تاریخوں اور حدیثوں میں نظر نہیں آتی۔ علاوہ اس کے خود واقدی نے اپنے ایک بیان میں اس روایت کو زندیقوں کا اضافہ بتایا ہے۔ تاہم اس مسئلہ پر بحث کرنا ضروری ہے۔ (نیاز)

دیوتاؤں یا بتوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا شفیع ہونے کی حیثیت سے پوجتے تھے - یہاں یہ کہنا بھی مناسب ہوگا کہ محمدؐ نے بہت جلد وہ الفاظ واپس لے لئے جن میں ان دیویوں کے وجود اور ان کے اثر کو تسلیم کیا گیا تھا اور ان الفاظ کے بجائے وہ الفاظ رکھدئے جو اسوقت سورۂ النجم میں موجود ہیں یعنی: " الکم الذکر ولہ الانثیٰ ۝ تلک اذاً قسمۃٌ ضیزیٰ ۝ ان ھی الّا اسماءٌ سمیتموہا انتم وآباؤکم "۔

ابن اسحٰق، ابن ہشام اور تمام عرب مصنفین بیان کرتے ہیں کہ عرب لوگ اور خصوصاً وہ جو حضرت اسمٰعیل کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، صرف وہی ابتداءً خدائے واحد کی پرستش کیا کرتے تھے - اور اگرچہ وہ کچھ عرصہ بعد شرک اور بت پرستی میں پڑ گئے تھے، مگر وہ یہ بات ہمیشہ یاد رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کے جملہ بتوں سے فائق اور ان کا سردار و حاکم ہے۔

جب ہم اس موقعہ پر پہونچیں گے جہاں ہم نے اس امر پر غور کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے عقاید کا محمدؐ کی طبیعت پر کس قدر اثر پڑا تھا تو ہم بتائیں گے کہ واقعی محمدؐ کے عقیدۂ توحید کو ان مذاہب سے کتنی تقویت پہونچی - مگر یہ عقیدہ عربوں میں کوئی نیا عقیدہ نہ تھا اور وہ کم از کم فطری طور پر ضرور اس عقیدہ کے قائل تھے - باہمہ جن چھوٹے چھوٹے معبودوں کی وہ پرستش کیا کرتے تھے وہ بیشمار تھے - کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ صرف تین سو ساٹھ بت تو خانۂ کعبہ ہی میں رکھے ہوئے تھے جو عربوں کے قومی اصنام کا ہیکل بن گیا تھا - اس میں بھی شک نہیں کہ ان مقامی اور قبائلی بتوں کی پوجا نے جمہور عرب میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ پُرانے عرب مورخین صحیح یا غلط طور پر، یہ بیان کرتے ہیں کہ جب اسلام شروع ہوا تو عرب کے ان حصوں میں "خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے کا عقیدہ" نسبتاً نیا تھا - حدیث سے[1] معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں بت پرستی ملک شام سے داخل ہوئی تھی اور اس حدیث میں ان لوگوں کے نام بھی بتائے گئے ہیں جو عرب میں بت پرستی لائے تھے - بیان کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ محمدؐ سے پندرہ پشت پیشتر واقع ہوا تھا - مقدس و متبرک پتھروں کا جو احترام کیا جاتا تھا وہ اس سے مستثنیٰ سمجھنا چاہیئے - کیونکہ فلسطین میں عہد شیوخی (Patriarchal) کے اندر یہ عام بات تھی اور ممالک عرب میں تو یقیناً زمانۂ غیر معلوم سے چلی آتی تھی - ابن اسحاق نے اس فعل کی توجیہہ کرنے کی کوشش اس طرح کی ہے کہ جب اہلِ مکہ سفر کرتے تھے تو وہ اپنے ساتھ خانۂ کعبہ سے پتھروں کے ٹکڑے لیجایا کرتے تھے اور ان کی پوجا اس خیال سے کیا کرتے تھے کہ وہ "حرم" سے لائے گئے ہیں اس وقت بھی "حجر الاسود" کا بڑا احترام کیا جاتا ہے اور یہ رسم بھی منجملہ دوسری رسموں کے ہے جو عہد نبوی کے قبل کے مذہبی رسوم سے لی گئی ہے - زمانۂ قبل از محمدؐ میں اس پتھر کے متعلق بہت سے قصے بیان کئے جایا کرتے تھے اور ان قصوں کو ابتک پوری طرح صحیح مانا جاتا ہے - ایک روایت یہ ہے کہ

[1] سیرۃ الرسول صفحہ ۲۷ ۔

پتھر بہشت سے نازل ہوا تھا، پہلے یہ پتھر بالکل سفید تھا مگر اب لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہوگیا ہے[1]۔ بعض کہتے ہیں کہ ناپاک لوگوں کے بوسہ دینے سے سیاہ ہوگیا ہے۔

اسلام نے نہ صرف اللہ تعالیٰ کا عقیدہ، اور کعبہ و حجرالاسود کے احترام کی رسم، بلکہ بہت سی دوسری باتیں بھی قدیم زمانہ کے عربوں سے لی ہیں اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اکثر وہ مذہبی شعائر جو فی زماننا دنیائے اسلام میں رائج ہیں، بالکل وہی ہیں جو زمانۂ قبل از تاریخ سے ملک عرب میں رائج چلے آرہے تھے۔ مثلاً ہیرو دوتوس نے بیان کیا ہے کہ اس کے زمانہ میں عرب کنپٹی کے گرد کے بال منڈوا کر باقی کو بہت چھوٹا ترشوا دیا کرتے تھے۔ یہی بات بعض ملکوں کے مسلمان اب بھی کرتے ہیں۔

مورخ ابوالفدا نے بعض ایسی مذہبی رسموں کی طرف توجہ دلائی ہے جو عہد اسلام میں بھی رائج رہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ: "عہد جاہلیت کی بعض باتیں شرع اسلام نے بھی قبول کرلی ہیں۔ مثلاً عرب لوگ اپنی ماؤں اور بیٹیوں سے نکاح نہیں کیا کرتے تھے اور وہ دو بہنوں سے نکاح کرنا بھی نہایت مذموم سمجھتے تھے اور جو شخص اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیتا تھا وہ اسے "ضیزا" کہکر ذلیل کیا کرتے تھے۔ وہ کعبہ کا حج اور مقامات مقدسہ کی زیارت بھی کیا کرتے تھے۔ وہ احرام بھی باندھتے تھے، وہ طواف بھی کرتے تھے، صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی کرتے تھے، تمام مقامات پہ کھڑے ہوکر رمی جمار بھی کرتے تھے۔ وہ ہر تیسرے سال جنتری میں ایک مہینہ کا اضافہ بھی کیا کرتے تھے، (جو بعد کو منسوخ ہوگیا)"۔ اسی طرح اس مورخ نے بہت سی پرانی عربی رسمیں بیان کی ہیں جنھیں اسلام میں بھی مذہبی رسم قائم رکھا گیا ہے۔ مثلاً ہر قسم کی ناپاکی کے بعد رسمی طور پر دھونا اور غسل کرنا، مانگ نکالنا، مسواک کرنا، ناخن تراشنا وغیرہ وغیرہ۔ وہ لکھتا ہے کہ چوری کی سزا اب کی طرح پہلے زمانہ (عہد حمورابی) میں بھی قطع ید تھی۔ اور یہ بھی لکھتا ہے کہ اگرچہ ختنہ کرنے کا حکم قرآن میں کہیں نہیں ہے مگر مسلمان کرتے ہیں، یہی رسم مشرکین عرب میں بھی موجود تھی۔ اس آخری بیان کی تصدیق برنباس (Barnabas) کے خط سے بھی ہوتی ہے۔ جس نے لکھا ہے: — "تمام شامی اور عرب اور بتوں کے پجاری ختنہ کراتے ہیں"۔ یہ بات بھی بخوبی معلوم ہے کہ یہی رسم قدیم مصریوں میں بھی رائج تھی۔ ابن اسحٰق نے بھی قریب قریب وہی الفاظ لکھے ہیں جو ابوالفدا نے تحریر کئے ہیں۔ مگر اس نے اس قدر اضافہ کیا ہے کہ یہ رسمیں حضرت ابراہیم کے زمانہ سے چلی آرہی تھیں۔ اور یقیناً یہی واقعہ ختنہ کے متعلق بھی ہے۔ مگر یہ بات مشکل کہی جا سکتی ہے کہ باوجودیکہ ابراہیم کے متعلق یقین کیا جاتا ہے کہ وہ مکہ میں آئے اور جس جگہ کعبہ ہے وہاں انھوں نے عبادت کی، انھیں ان رسموں سے کوئی تعلق تھا۔

---

[1] حجراسود کے متعلق تمام وہ روایتیں جن کی طرف لسٹڈل نے اشارہ کیا ہے، صحیح نہیں ہیں، تاہم ان پر گفتگو ضروری ہے۔ (نیاز)

جو کچھ ہم نے ابتک تحریر کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کے مذہبی عقاید و رسوم بہت کچھ عہد نبوی کے عربوں کے عقاید سے لئے گئے ہیں جن میں کثرت ازدواج اور غلامی کی رسم بھی ہے۔

محمدؐ نے بعض قصے کہانیاں بھی مشرکین عرب سے مستعار لیں مثلاً عاد و ثمود وغیرہ کے قصّے جن کے متعلق الکندی کہتا ہے :—

"فاذا ذکرت قصۃ عاد و ثمود والناقۃ و اصحاب الفیل و نظایر ہذہ القصص قلنا لک ہذہ اخبار باردۃ و خرافات عجائز الحی اللواتی کن یداسہن لیلہن و نہارہن"

یعنی عاد و ثمود، ناقہ، اصحاب فیل وغیرہ کے تمام قصّے بالکل مہمل ہیں اور ان کہانیوں سے لئے گئے ہیں، جنھیں عرب کی بڑھیاں بیان کرتی تھیں[1]۔

(نگار) اس باب میں ڈاکٹر ٹسڈل نے ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ نے بعض عقاید اسلام قدیم عربوں کے عقاید سے لئے ہیں— چنانچہ اس سلسلہ میں انھوں نے لفظ اللہ سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ لفظ بعثت نبوی سے قبل وہاں کے لٹریچر میں پایا جاتا تھا۔ اسی طرح انھوں نے حج کی رسموں کو بھی قدیم ظاہر کرکے اس بات پر زور دیا ہے کہ رسول اللہ نے ان میں بھی کوئی جدت نہیں کی۔

ڈاکٹر ٹسڈل کے اس طریق استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی نبی یا الہامی کتاب کی صداقت کا معیار یہ قرار دیتے ہیں کہ وہ دنیا سے علٰحدہ کوئی نئی چیز پیش کرے۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں۔ دنیا میں نیکی صداقت اور حسن اخلاق کا معیار ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور رہے گا۔ نہ اس میں کوئی تبدیلی ممکن ہے اور نہ اس سے ہٹ کر کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ کوئی نئی چیز لیکر سامنے آئے ہیں بلکہ انھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ پچھلے انبیا جو کچھ کہہ گئے ہیں وہ انھیں کی تصدیق کرتے ہیں یقیناً اللہ کا لفظ اور اس کا تصور رسول اللہ سے قبل عربوں میں پایا جاتا تھا، لیکن ذہنی و عملی توحید مفقود ہو گئی تھی اور اسی کے احیا یا تجدید کے لئے آپ تشریف لائے۔ اس لئے اگر کلام مجید میں کوئی ایسی تعلیم پائی جاتی ہے جو پہلے کے مذاہب میں بھی پائی جاتی تھی تو یہ عین دعوائے اسلام ہے۔ اب رہا یہ امر کہ تعلیمات و شعائر بجائے خود کیسے ہیں، اس پر البتہ گفتگو ہو سکتی ہے لیکن اس سلسلہ میں بھی ہم کو وقت و ماحول کا خیال رکھنا پڑے گا۔

---

[1] ان قصوں کے متعلق یقیناً تاریخی گفتگو ہونا چاہئے اور اگر یہ واقعی "خرافات عجائز" ہیں تو بتانا چاہئے کہ قرآن مجید میں ان کا ذکر کس موقعہ پر کس مفہوم میں ہوا ہے۔　(نیاز)

تیسرا باب

اسلام پر صابی و یہودی خیالات و رسوم کا اثر

جب محمدؐ بحیثیت ایک نبی کے نمودار ہوئے تو ہر چند اسوقت بہت سی مذہبی رسمیں اور خیالات ایسے تھے جن پر تمام عرب متفق تھے مگر ان کے یہاں کوئی ایسی کتاب نہیں تھی جس پر وہ الہامی ہونے کا دعوٰی کر سکتے اور جس کی طرف محمدؐ انکو مائل کر سکتے۔ چونکہ وہاں بعض ایسی جماعتیں بھی تھیں جو الہامی کتابیں رکھنے کی مدعی تھیں، اس لئے یہ قدرتی امر تھا کہ محمدؐ اور ان کے پیرو، ان مختلف مذہبی فرقوں کے خیالات و رسوم سے دلچسپی لیتے اور ان کا احترام کرتے۔ "اہل کتاب" کا خطاب جو قرآن میں خاص طور پر یہود و نصاریٰ کو دیا گیا ہے، ہمارے اس قول کا ثبوت ہے۔ اسوقت ملک عرب میں چار جماعتیں ایسی تھیں جو کتابی مذہب رکھتی تھیں - یہود، نصاریٰ، مجوسی اور صابئین ان تمام فرقوں کا ذکر قرآن کی سورۂ الحج کی آیۃ ۱۷ میں پایا جاتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں، کہ ان میں سے ہر فرقہ نے اسلام کے نشو و نما پر بہت اثر ڈالا۔ سب سے پہلے فرقۂ صابئین کو لیجئے جس کا ذکر قرآن کی سورۃ البقر کی آیتہ ۵۹ میں بھی موجود ہے۔

اگرچہ صابئین کے متعلق ہم کو بہت کم معلومات حاصل ہیں مگر جتنی حاصل ہیں وہ ہمارے مقصد کے لئے کافی ہیں۔ ابوالفداء نے ایک پرانے عرب مصنف ابوعیسیٰ المغربی کی کتاب سے صابئین کا حال اس طرح نقل کیا ہے:- "اہل شام اقوام وملل عالم میں قدیم ترین ہیں۔ حضرت آدم اور ان کے بیٹے سُریانی زبان بولتے تھے اور ان کی مذہبی جماعت کو صابئین کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان کا مذہب حضرت شیثؑ اور حضرت ادریسؑ کا جاری کردہ ہے۔ ان کے پاس ایک کتاب ہے جسے وہ حضرت شیثؑ سے منسوب کرتے ہیں، اور اس کتاب کا نام انھوں نے "صحیفۂ شیثؑ" رکھا ہے۔ اس صحیفہ میں اچھے اچھے احکام شریعت درج ہیں۔ جن میں حقگوئی، جرأت و شہامت، اجنبیوں کی حفاظت وغیرہ کی تلقین کی گئی ہے اور بُری باتیں بیان کرکے اُنسے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ صابئین کے ہاں بعض مذہبی رسمیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ان کے یہاں دن میں سات اوقات نماز مقرر ہیں۔ ان میں سے پانچ وقت مسلمانوں کے پنج اوقات نماز کے مطابق ہیں۔ چھٹا وقت نماز کا ان کے یہاں بوقت طلوع آفتاب ہے اور ساتواں وقت رات کو غروب آفتاب سے چھ گھنٹہ بعد ہے۔ مسلمانوں کی طرح ان کے یہاں بھی نماز میں خضوع و خشوع کی ضرورت ہے۔ نماز پڑھتے وقت ادھر اُدھر خیال ہرگز منتشر نہ ہونا چاہئے۔ یہ لوگ نماز جنازہ بغیر رکوع و سجود پڑھتے تھے اور تیس دن روزہ رکھتے تھے۔ اور اگر چاند کا مہینہ چھوٹا ہوتا تھا تو وہ اُنتیس دن کے روزے رکھتے تھے، اپنے روزوں کے سلسلہ میں وہ عید الفطر اور عید ہلال مناتے تھے۔ اور عید الفطر اسوقت منائی جاتی

تھی جبکہ آفتاب برج حمل میں داخل ہوتا تھا۔ ان لوگوں کا روزہ رات کے چوتھے پہر سے شروع ہوتا تھا اور غروب آفتاب تک رہتا تھا اور جب پنج سیارگان محل شریف میں ہوتے تھے تو وہ تہوار مناتے تھے۔ یا پانچ سیارے زحل۔ مشتری۔ مریخ زہرہ اور عطارد تھے اور وہ لوگ "بیت مکہ" (یعنی کعبہ) کا بھی احترام کیا کرتے تھے۔[1]

بیان مندرجۂ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اس گمنام فرقہ سے بہت سی مذہبی رسمیں لی ہیں۔ کیونکہ مسلمان بھی رمضان کے روزے ایک ماہ تک رکھتے ہیں اور ہر روزہ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔ رمضان کے ختم ہونے پر مسلمانوں میں بھی عید الفطر منائی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں نماز کے پانچ اوقات مقرر ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ دن بھر میں دو وقت نماز کے اور بھی ہیں (اشراق و تہجد) جن میں نماز پڑھنا امر اختیاری ہے۔ اس طرح مسلمانوں میں بھی بالکل صابئین کی طرح ہفت اوقات نماز موجود ہیں۔ مسلمانوں کی نماز میں رکوع و سجود کا حکم ہے۔ مگر نماز جنازہ میں رکوع و سجود نہیں ہوتا اور آخری بات یہ ہے کہ مسلمان بھی اب تک کعبہ کا نہایت احترام کرتے ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ صابئین کی طرح یہ باتیں قبیلۂ قریش میں بھی موجود ہوں گی۔ اور بعض رسمیں تو یقیناً تقلیدی۔ لیکن اگر سب باتیں ہوتیں تو اس بات کی توجیہ کرنا مشکل ہوگا کہ جس عرب مصنف کی عبارت ہم نے نقل کی ہے اس نے ایسا لکھنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔ اس بات کی تصدیق کہ محمدؐ نے بہت سی مذہبی رسمیں صابئین سے لیں اور صابئین کے مذہب نے عام طور پر (غالباً اپنی بڑی قدامت کی وجہ سے) اسلام پر بہت کچھ اثر ڈالا، اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ طائف اور مکہ کے قبیلۂ بنو جذیمہ نے خالد کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا تو وہ باآواز بلند پکار اٹھے کہ "ہم صابئین ہو گئے ہیں"۔

صابئین کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ایک نیم عیسائی فرقہ تھا۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ "ماندئین" (Mandeeans) تھے جن کا مذہب لاادریت (Agnosticism) اور قدیم بابلی اصنام پرستی کا ایک طرفہ معجون مرکب تھا۔ علاوہ ازیں انھوں نے مجوسیت، یہودیت، اور مسیحیت سے بھی بعض عناصر لیکر اپنے مذہب میں داخل کر لئے تھے۔ اگرچہ بحیثیت فرقہ وہ نصاریٰ کے بہت خلاف تھے۔ "ماندئین" کا نام "ماندا" سے نکلا ہے۔ یہ ان کا بہت بڑا اوتار تھا ان کی مذہبی کتاب "سدرہ ربہ" (Sidra Rabba) میں لکھا ہے کہ "ماندا" نے بہت سے اوتار لئے جن میں پہلے تین اوتار ہابیل۔ شیث۔ اور ادریس تھے اور سب سے آخری اوتار یحییٰ تھے۔ جنھوں نے یسوع کو بپتسمہ دیا تھا۔ جو ایک ظاہری مصلوبیت کے بعد "سلطنت نور" کو واپس ہو گئے۔ یہی آخری خیال قرآن کی سورۂ نساء آیۃ ۱۵۶ میں بھی ظاہر کیا گیا ہے، جس پر ہم آگے چلکر بحث کریں گے۔

چونکہ صابئین کے متعلق ہماری معلومات محدود ہیں اور یہ بھی یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ "ماندئین" تھے

---

[1] ابو الفداء۔ التواریخ القدیمہ صفحہ ۱۴۸

اس لئے یہ کہنا دشوار ہے کہ ان کا اثر اسلام پر اس سے زیادہ اور کن صورتوں سے ہوا۔

راڈویل (Rodwell) اپنی کتاب کے دیباچہ میں قرآن پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ :۔
اسلام پر (Ebionites) کے عقاید کا بھی بڑا اثر پڑا ہے۔ جیسا کہ اپی فی نیس (Epiphanius) کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس نے Basanites اور Morabitien-Ebionites کے عقاید پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کے یہاں بھی آدم اور عیسیٰ کے متعلق تقریباً بالکل وہی روایت پائی جاتی تھی جو قرآن کی تیسری سورت میں درج ہے۔ علاوہ اس کے ان کے یہاں ختنہ کا بھی رواج تھا، وہ رہبانیت کے بھی مخالف تھے اور بیت المقدس ان کا بھی قبلہ تھا (جیسا کہ بارہ سال تک محمدؐ کا رہا) وضو و غسل کا بھی وہی طریقہ تھا جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اور وہ بھی بادل، تیل اور ہوا وغیرہ کی قسمیں کھاتے تھے (جیسی قرآن میں پائی جاتی ہیں)[1]

اب ہم یہود کی طرف رجوع کرتے ہیں جن سے محمدؐ نے اپنے مذہب میں اتنا کچھ استعارلیا کہ اگر ہم اسلام کو یہودیت ہی کی بگڑی ہوئی صورت کہیں تو غالباً غلط نہ ہوگا۔ محمدؐ کے زمانہ میں یہودی نہ صرف بلحاظ تعداد بہت زیادہ تھے بلکہ وہ عرب کے مختلف علاقوں میں بہت طاقتور بھی تھے۔ اس میں شک نہیں کہ جب وہ مختلف فاتحین، مثلاً بخت نصر، جانشینان سکندر اعظم، پومپئے، طائیطوس، ہیڈرین وغیرہ سے ڈر کر بھاگے (جنھوں نے تمام فلسطین کو پامال کر دیا تھا) تو وہ باوقات مختلف عرب میں آکر آباد ہو گئے تھے اور خصوصاً مدینہ کے قرب وجوار میں وہ تو بیشمار تھے جہاں ایک وقت وہ بزور شمشیر قابض بھی ہو گئے تھے۔ اس وقت مدینہ کے قرب وجوار میں یہودی قبیلے یعنی بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع اس قدر طاقتور تھے کہ جب محمدؐ ۶۲۲ء میں ہجرت کر کے مدینہ آئے تو کچھ ہی دن بعد ان لوگوں سے جارحانہ و مدافعانہ معاہدہ کر لیا۔ دوسری یہودی آبادیاں خیبر اور وادی القریٰ کے قرب وجوار میں اور خلیج عقبہ کے سواحل پر تھیں۔
چونکہ یہودی صاحب کتاب تھے، اور وہ یقیناً حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے، جن کو قریش اور عرب کے دیگر قبایل بھی اپنا مورث اعلیٰ بتاتے تھے، اس لئے بنی اسرائیل کا عربوں پر بڑا اثر تھا اور عرب کی روایات و قصص میں یہودیوں کی تاریخ اور روایات کا شامل ہو جانا تعجب کی بات نہیں۔ کعبہ اور اس کے جوار کی تکریم اسی وجہ سے کی جاتی تھی کہ وہ ہاجرہ کے آلام و مصائب کی یادگار تھا، اور متبرک چاہ زمزم ان کے رفع تکالیف کی جگہ، جس طرح صفا اور مروہ کے درمیان بتلاش آب وہ سرگرداں و پریشاں دوڑی دوڑی پھرتی تھیں، اسی طرح اس واقعہ کی یادگار میں حجاج بھی صفا و مروہ

---

[1] راڈویل نے جن قوموں کا ذکر کیا ہے، ان کے مذہب اور مذہبی روایات کے متعلق تاریخی جستجو ہونا چاہئے اور اگر آدم و عیسیٰ کے متعلق وہی روایات ان کے یہاں بھی پائی جاتی ہیں جو کلام مجید میں ہیں، تو معلوم کرنا چاہئے کہ کیا ان کا تعلق یہودی و عیسائی روایات سے ہے۔ (نیاز)

کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ ابراہیم و اسمٰعیل نے خانۂ کعبہ تعمیر کیا تھا اور اس کی دیوار میں حجرالاسود نصب کیا تھا۔ اور تمام ملک عرب کے لئے "عرفات" کا حج قائم کیا تھا۔ انھی کی تقلید میں حجاج رمی جمار کرتے ہیں گویا شیطان کو پتھر مارتے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم نے جو قربانی کی تھی اس کی یادگار میں حجاج بھی بمقام منا قربانی کرتے ہیں۔ اس طرح خالص عربی رسموں میں، یہودی روایات داخل کر لینے سے بہت کم تغیر واقع ہوا ہوگا۔ عربوں نے اسرائیلیات کو بالکل مختلف روشنی میں لیا اور چونکہ ان کا تعلق ابراہیم خلیل اللہ سے تھا اس لئے ان کو مقدس سمجھا گیا۔۔۔۔ الغرض اس مشترکہ بنیاد پر محمدؐ نے اپنا قدم جمایا۔ اور اپنی قوم کے سامنے ایک نیا اور روحانی نظام اس طریقہ سے پیش کیا کہ اس کی طرف تمام جزیرۃ العرب مائل ہو سکتا تھا۔ کعبہ کے متعلق جتنی باتیں تھیں وہ بحال رکھی گئیں، اور گو تمام اصنام پرستانہ شعائر سے پاک ہو کر وہ اب تک چلی آ رہی ہیں۔ تاہم اسلام کی زندہ خدا پرستی کے جسم پر ایک بے معنی نقاب کی کیفیت ضرور رکھتی ہیں۔

جب حضرت ابراہیم کی نسل کے مختلف قبایل میں میل جول زیادہ بڑھا تو بقاء روح اور حشر بعد الموت کا عقیدہ جاری ہو گیا۔ مگر اس میں بہت سے عربی نژاد مضحکہ انگیز خیالات بھی داخل ہو گئے۔ جذبۂ انتقام کی تصویر عربی لٹریچر میں اس طرح کھینچی جاتی تھی کہ مقتول کی روح پرندہ بنکر فریاد کر رہی ہے۔ اور بعض اوقات مرنے والے کی قبر پر اس کا چھوڑ دیا جاتا تھا تاکہ جب مالک حشر کے دن زندہ ہو تو اسے اپنی پشت پر سوار کر کے لے جائے۔ مختلف طور پر بائبل کی زبان بھی عام طور سے مستعمل تھی۔ یعنی کم از کم اس قدر کافی استعمال ہوتی تھی کہ عام طور پر سمجھی جاتی تھی۔ ایمان، توبہ، جنت، دوزخ، شیطان، اخوان الشیاطین، ملائکہ مقربین، جبرئیل الامین، یہ بعض اصطلاحات ایسی ہیں جو رائج تھیں اور یہودی ذرائع سے لی گئیں۔ اسی طرح ہبوط آدم، طوفان نوح، شہروں کی تباہی وغیرہ کے قصے بھی عام طور پر مشہور تھے الغرض روحانیت کی حد سے ملا ہوا عامیانہ خیالات کا ایک وسیع ذخیرہ محمدؐ کے سامنے موجود تھا۔

قدیم عرب مورخین لکھتے ہیں کہ جب محمدؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو اس وقت یہود ایک مسیح کی آمد کے منتظر تھے اور وہ عموماً اپنے دشمنوں کو ڈرایا کرتے تھے کہ ان کا مسیح بہت جلد آ کر ان سے انتقام لے گا۔ اس خیال کا یہ اثر ہوا کہ عربوں میں سے بعض لوگوں خصوصاً مدینہ کے بنو خزرج نے (بقول ابن اسحٰق) محمدؐ کو وہ نبی تسلیم کر لیا جس کے وہ منتظر تھے۔

محمدؐ نے یہ اعلان کیا کہ وہ گویا نیا مذہب لیکر نہیں آئے ہیں بلکہ لوگوں کو "دین ابراہیم" کی طرف بلانے کے لئے آئے ہیں، پس یہ قدرتی امر تھا کہ وہ یہودیوں کو اپنا طرفدار بنانے کی سعی کرتے۔ اور یہی کوشش انھوں نے مدینہ میں کی اور کچھ عرصہ تک تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ اپنی سعی میں بہت کچھ کامیاب ہو جائیں گے۔ ایک تدبیر جو انھوں نے اس مقصد کے لئے اس وقت کی یہ تھی کہ بیت المقدس یعنی یروشلم کو اپنے مذہب کا قبلہ بنا لیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد جب محمدؐ کی یہودیوں سے کشمکش ہو گئی تو انھوں نے عربوں کی تالیف قلوب زیادہ مفید سمجھی اور کعبہ کو اپنا قبلہ قرار دیا۔ مدینہ پہونچنے کے بعد جب محمدؐ نے یہودیوں کو "یوم عاشورہ" مناتے دیکھا تو انھوں نے مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیدیا اور اس دن کا

وہی نام بھی رہنے دیا جو یہودیوں میں تھا۔ اس موقعہ پر جو قربانیاں کی جاتی تھیں وہ یقیناً ان قربانیوں کی جگہ تھیں جو مشرکین عرب حج کے وقت وادی منا میں کیا کرتے تھے۔ الغرض جب تک اپریل ۶۲۴ء میں محمدؐ کا یہودیوں سے جھگڑا نہیں ہولیا اس وقت تک انھوں نے عید اضحی کی تقریب قائم نہیں کی۔ لیکن انھوں نے ظاہر کیا کہ یہ تقریب اسوقت کی یادگار ہے جب ابراہیم نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کی قربانی کی تھی۔ محمدؐ نے یہ رسم اپنے یہاں اس طرح جاری کی کہ عید کے روز دو بکرے قربانی کئے۔ ایک اپنی قوم کی طرف سے اور دوسرا اپنی طرف سے۔ یعنی انھوں نے اس کی ترتیب بدل دی۔ یہودی عاشورہ کے روز پہلی قربانی اپنی طرف سے اور دوسری قربانی اپنی تمام قوم کی طرف سے کیا کرتے تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جس وقت انھوں نے یہود کو اپنا طرفدار بنانا چاہا اس وقت ان کی رسمیں اختیار کرلیں اور جب یہودیوں سے کوئی امید نہ رہی تو ان رسموں کی ترتیب بدلدی۔ اور کم وبیش مشرکین عرب کی رسموں کی طرف رجوع کیا۔ اگر مسلمانوں کا یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے کہ قرآن بذریعہ وحی خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے، تو اس واقعہ کی کوئی توجیہ نہیں ہوسکتی۔

ہجرت سے کچھ دن قبل اور خصوصاً ہجرت کے فوراً بعد جو آیتیں قرآن کی نازل ہوئیں، ان میں بقول احادیث بیشتر ایسی ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن تعلیمات انبیاء بنی اسرائیل کے مطابق ہے۔ لہذا یہ فیصلہ کن اور محکم ثبوت اس بات کا ہے کہ قرآن منجانب اللہ ہے۔ اس زمانہ میں جو سورتیں محمدؐ نے پیش کیں، ان میں اسرائیلیات کا حصہ بہت زیادہ ہے جیسا کہ مکی اور شروع شروع کی مدنی سورتوں کا مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے، محمدؐ کو یہ بات بہت جلد معلوم ہوگئی تھی کہ یہود باوجود ان سے متاثر ہونے کے ان پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ کیونکہ کوئی سچا اسرائیلی یہ یقین نہیں کرسکتا تھا کہ مسیحا یا کوئی دوسرا نبی حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے پیدا ہوگا۔ وہ تلوار کی منطق لیکر یہودیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اگر ہم بعض مصنفین کی یہ بات تسلیم بھی نہ کریں کہ محمدؐ نے عقیدۂ توحید یہودیوں کی تعلیمات سے حاصل کیا تھا تو بھی اس میں کوئی شک نہیں کہ انھیں اس عقیدہ کے قایم رکھنے میں ان باتوں سے بہت مدد ملی جو انھوں نے بنی اسرائیل سے سیکھی تھیں۔

اب ہم آگے بڑھکر یہ بات دکھاتے ہیں کہ قرآن کا بہت بڑا حصہ روایات براہ راست یہود سے ماخوذ ہے، اگرچہ عرب کے یہودیوں کے پاس ان کی مقدس کتابیں موجود تھیں، مگر وہ علم وفضل میں چنداں ممتاز نہ تھے اور بمقابلہ کلام ربانی کے روایات ربیوں پر زیادہ توجہ دیتے تھے اور اسی لئے قرآن میں اسرائیلیات کا حصہ بہت زیادہ ہے۔

قصۂ قابیل وہابیل اگرچہ قرآن میں "آدم کے ان دو بیٹوں کے نام نہیں آئے ہیں، گر مفسرین قرآن نے ان کے نام قابیل وہابیل لکھے ہیں۔ سورۂ مائدہ کی آیات ۲۷ لغایۃ ۳۵ ان کے حالات اس طرح لکھے ہیں:

"ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کے حالات صحیح صحیح بیان کرو۔ جبکہ انھوں نے قربانی کی۔ تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قربانی قبول نہ ہوئی۔ (دوسرے نے) کہا کہ "میں یقیناً تجھ کو قتل کر ڈالوں گا۔"

تب پہلے نے کہا کہ " اللہ تعالیٰ متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ تحقیق اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ پھیلایا تو میں تجھے قتل کرنے کو اپنا ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔ درحقیقت میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ میں درحقیقت یہ پسند کرتا ہوں کہ تو اپنا اور میرا دونوں کا گناہ اپنے سر لے کیونکہ اسوقت تو اصحاب النار میں سے ہو جائے گا۔ اور یہی ظالموں کی جزا ہوتی ہے۔ تب اس (قابیل) کی روح نے اسے اپنے بھائی کے قتل کی اجازت دی۔ پس اس نے قتل کر ڈالا اور اس طرح وہ نقصان اُٹھانے والوں میں شامل ہوگیا۔ تب اللہ نے ایک کوا بھیجا۔ جو زمین کھود کر اسے یہ بتانے لگا کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیونکر دفن کرے۔ اس نے کہا: " افسوس ہے مجھ پر کیا میں اس کوے جیسا بھی نہیں کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دوں۔ تب وہ نادم ہوا۔ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے لکھا ہے کہ جو کوئی کسی نفس کو قتل کرے گا، بجز قصاص یا دنیا سے فساد رفع کرنے کے، تو ایسا سمجھا جائے گا گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر دیا اور جو کوئی کسی نفس کو زندہ رکھے گا تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو زندہ رکھا۔"

قابیل و ہابیل کے درمیان ایک مکالمہ یا بحث (Targum of Jonathan) اور (Targ. of Jerusalem) یہودی روایات میں بھی اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ قابیل نے کہا: ۔ "گناہ کے لئے کوئی سزا نہیں، نہ نیکوکاری کے لئے کوئی انعام ہے۔" اس کے جواب میں ہابیل نے کہا " خدا نیکی کا انعام اور بدی کی سزا دیتا ہے۔" اس بات پر خفا ہوکر قابیل نے ایک پتھر لیکر اپنے بھائی پر دے مارا اور اسے قتل کر ڈالا۔

اس بیان اور اُس بیان میں جو قرآن میں پایا جاتا ہے چنداں مطابقت نہیں ہے۔ لیکن قرآن کے بقیہ بیان کا ماخذ وہی یہودی روایت ہے جو (Pirqey Rabbi Eli'ezer) کے باب ۲۱ میں درج ہے۔ اسکا ترجمہ یہ ہے: ۔ " آدم اور اس کی مددگار دونوں بیٹھے ہوئے اس (ہابیل) پر نوحہ وزاری کر رہے تھے۔ اور نہیں جانتے تھے کہ وہ ہابیل کا کیا کریں کیونکہ وہ تکفین و تدفین سے واقف نہ تھے۔ ایک کوا جس کا ایک ساتھی مرگیا تھا آیا۔ اس نے اس کو لیا، زمین کھودی اور اسے ان کی (آدم و حوا) کی آنکھوں کے سامنے دفن کر دیا۔ آدم نے کہا: " جیسا اس کوے نے کیا ہے ویسا ہی میں کروں گا۔ چنانچہ انھوں نے فوراً ہابیل کی لاش لی، زمین کھودی اور اسے دفن کر دیا۔"

جب ہم اس بیان کا قرآن کے بیان سے مقابلہ کرتے ہیں تو صرف اس قدر فرق نکلتا ہے کہ یہودی روایت میں کوے نے آدم کو اور قرآن کی روایت میں قابیل کو دفن کرنا سکھایا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن میں جو کچھ درج ہے وہ کسی یہودی کتاب کا لفظی ترجمہ نہیں ہے بلکہ محمدؐ نے اپنے کسی یہودی دوست سے جس طرح سنا تھا اسی طرح بیان کر دیا۔ ہذا اگر یہ غلطی ہے تو رسول عربی کی نہیں ہے بلکہ ان یہودیوں کی ہے جنھوں نے یہ روایت بیان کی۔

سورۂ مائدہ کی پینتیسویں آیۃ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا سابقہ آیتوں کے مضمون سے بظاہر کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ کوئی درمیانی کڑی گم ہے۔ اگر اس باب میں ہم (Misna Sanhedrin)

کے باب ۴، فقرہ ۵ کو دیکھیں تو مذکورۂ بالا آیت کا تعلق قتل ہابیل کے واقعہ سے بالکل واضح ہو جائے گا۔ یہ یہودی مفسر "ناموس موسیٰ" کے ان الفاظ کی تفسیر کرتا ہوا جو خدا نے قابیل سے فرمائے تھے یعنی "یہ تو نے کیا کیا؟ تیرے بھائی کے خون کی آواز مجھے زمین سے پکارتی ہے" (اس عبارت میں لفظ خون عبرانی زبان میں جمع آیا ہے) یوں لکھتا ہے کہ "تیرے بھائی کا خون" نہیں بلکہ "تیرے بھائی کے خون" جس سے نہ صرف شخص مقتول بلکہ اس کی اولاد کا خون بھی مراد ہے۔ اسی وجہ سے آدم کو تنہا پیدا کیا گیا تھا تاکہ وہ تجھے سکھائے کہ ہر وہ شخص جو بنی اسرائیل میں کسی ایک نفس کو بھی قتل کرتا ہے، وہ کتاب مقدس کے نزدیک تمام دنیا کو قتل کرتا ہے اور جو شخص بنی اسرائیل میں سے ایک نفس کو بھی زندہ رکھتا ہے وہ تمام دنیا کو زندہ رکھتا ہے"۔

ہم کو اس تفسیر کی صحت یا غلطی سے کوئی تعلق نہیں، مگر دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ سورۂ مائدہ کی پینتیسویں آیت اس اقتباس کا تقریباً لفظی ترجمہ ہے۔ قرآن میں مشناۃ کے اول حصہ کو حذف کر دیا ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ محمدؐ یا اس کے بیان کرنے والے نے اسے پوری طرح نہیں سمجھا تھا۔ لیکن اگر یہ حصہ جوڑ دیا جائے تو ۳۵ ویں آیۃ کا آیات ماسبق سے تعلق پورا ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس یہودی روایت کا ہم نے ذکر کیا ہے اس میں ایک لفظ "میاد" آیا ہے جس کے لفظی معنے ہیں "ہاتھ سے" لیکن اس کا مفہوم "فوراً" ہوتا ہے۔

تقریباً یہی لفظ "عن ید" قرآن کے سورۂ توبہ، آیۃ ۲۹ میں بھی آیا ہے، جس کی تفسیر میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے[1]

ابراہیم اور آتش نمرود

قرآن میں یہ قصہ مسلسل طور پر ایک جگہ بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے مختلف مقامات پر دیا گیا ہے۔ اس لئے مسلمانوں نے یہ مختلف ٹکڑے ایک جگہ جمع کر کے مفصل قصہ طیار کر لیا ہے اور گم شدہ کڑیاں احادیث نبوی سے حاصل کر لی گئی ہیں۔ جب ہم اس قصہ کا جو اس طرح مسلسل کر کے مسلمانوں میں مسلمہ طور پر رائج و قبول ہے، اس بیان سے مقابلہ کرتے ہیں جو یہودیوں کی کتاب "مدراش ربہ" (Midrash Rabba) میں پایا جاتا ہے، تو ہم کو صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلامی قصہ کا ماخذ دراصل وہی یہودی قصہ ہے۔ ناظرین کرام کے ملاحظہ کے لئے پہلے ہم اس قصہ کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو مسلمان مصنفین نے لکھا ہے بعد ازاں یہودی راویوں کا بیان کردہ مختصر اور سادہ قصہ بیان کریں گے۔ پہلے ہم وہ قصہ لیتے ہیں جو ابوالفداء

---

[1] سورۂ توبہ کی آیت یہ ہے:۔ "قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون۔"
اس بحث میں ہم کو یہودی روایت کے لفظ "میاد" اور عربی الفاظ "عن ید" کی مماثلت پر گفتگو کرنا ہے اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہ "عن ید" کا استعمال اس آیت میں کس مفہوم کے ظاہر کرنے کے لئے آیا ہے اور مفسرین کا اختلاف محاورہ و لغت عربی کے لحاظ سے ہے یا کسی اور وجہ سے (نیاز)

نے بیان کیا ہے، اس میں جو حصّہ قرآن سے لیا گیا ہے وہ ہم عربی عبارت میں لکھ دیں گے۔ ابو الفدا لکھتا ہے کہ:

"ابراہیم کا باپ آذر بت بنایا کرتا تھا۔ اور بنا کر ابراہیم کو دیدیا کرتا تھا تاکہ جاکر فروخت کر لائے۔ مگر ابراہیم ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ "ایسی چیز کو کون خریدے گا جو خریدار کو نقصان دے گی اور اسے کوئی فایدہ نہ پہونچائے گی؟" بعد ازاں جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو توحید کی طرف بلائے تو سب سے پہلے انھوں نے اپنے باپ کو نصیحت کی مگر اس نے نہ مانا۔ پھر انھوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی۔ الغرض جب اس دعوت توحید کا معاملہ بڑھتے بڑھتے نمرود بن کنعان کے کانوں تک پہونچا جو اس ملک کا بادشاہ تھا ...... تو نمرود نے ابراہیم خلیل اللہ کو پکڑ کر ایک بہت بڑی آگ میں ڈال دیا۔ پس آگ سرد ہوگئی اور اس سے ابراہیم کو کوئی اذیت نہ پہونچی اور وہ کچھ دنوں بعد آگ سے صحیح وسلامت باہر نکل آئے۔ تب ان کی قوم کے کچھ آدمی ان پر ایمان لائے"۔

ابو الفداء کا مختصر بیان یہی ہے۔ اب ہم اس قصّہ کا اہم ترین حصّہ درج کرتے ہیں جو "عرایس المجالس" میں دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ ابراہیم کی پرورش ایک غار میں ہوئی تھی۔ اور انھیں سچّے خدا کا کوئی علم نہ تھا۔ ایک رات کو جو وہ باہر نکلے اور جگمگاتے ستاروں کی شان دیکھی تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے ستاروں کو اپنا خدا تسلیم کر لینے کا ارادہ کر لیا۔ اس کے بعد اس قصّہ کی تفصیل حسب ذیل دی گئی ہے۔ جس میں قرآن کی آیتوں کا سلسلہ حتی الامکان قایم کر لیا گیا ہے:

"فلمّا جنّ علیہ الّیل رآ کوکبًا۔ قال ہٰذا ربّی۔ فلمّا افل قال لا اُحبّ الآفلین۔ فلمّا رآ القمر بازغًا قال ہٰذا ربّی فلمّا افل قال لئن لّم یہدنی ربّی لاکوننّ من القوم الضّالّین۔ فلمّا رآ الشّمس بازغۃً قال ہٰذا ربّی ہٰذا اکبر فلمّا افلت قال یاقوم انّی بریءٌ ممّا تشرکون۔ انّی وجّہت وجہی للّذی فطر السّمٰوات والارض حنیفًا وّما انا من المشرکین"۔ (سورۂ انعام)

کہتے ہیں کہ اُن کے باپ بُت بنایا کرتے تھے اور ابراہیم کو بُت بنا کر دیتے تھے تاکہ فروخت کر لائیں۔ ابراہیم بت لیکر جاتے اور بآواز بلند پکارتے کہ: "کون خریدے گا ایسی چیز کو جو مضرت پہونچاتی ہے اور کوئی فایدہ نہیں دیتی؟" پس ان سے کوئی شخص بُت نہ خریدتا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ وہ بُت بکتے ہی نہیں تو وہ انھیں ایک دریا پر لے گئے۔ وہاں انھوں نے ان بتوں کو مار کر فرمایا کہ "پیو پانی اے میرے خراب سودے"۔ یہ گویا اپنی قوم، ان کے دین باطل اور جہالت پر طنز تھی آخرکار انھوں نے بتوں اور اپنی قوم کا اس قدر مضحکہ اُڑایا اور اس قدر طعن وتشنیع کی کہ وہ تمام شہر کے باشندوں اور اپنی قوم میں مشہور ہوگئے۔ اس لئے ان کی قوم نے ان سے مذہب کے بارہ میں جھگڑا کیا تب ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا

"قال اتحاجّونّی فی اللہ وقد ہدانی، ولا اُخاف ماتشرکون بہ الّا ان یشاء ربّی شیئًا ط وسع ربّی کلّ شیءٍ علمًا ط افلا تتذکّرون۔ ...... وتلک حجّتنا آتینٰہا ابراہیم علیٰ قومہ

ندفعُ درجٰتٍ من نشآءُ ط انّ ربّک حکیمٌ علیم"۔ اس طرح انھوں نے اپنی قوم کو قایل کرکے مغلوب کرلیا اور اپنے باپ آذر کو دعوت دی کہ وہ ان کا دین قبول کرلیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے باپ سے اس طرح کہا:

"یاابت لم تعبد مالایسمع ولا یُبصر ولا یغنی عنک شیئاً" وغیرہ (سورۂ مریم)

پس ان کے باپ نے اس بات کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر ابراہیم نے بآواز بلند اپنی قوم کے سامنے اعلان کردیا کہ میں تمھارے دین سے باز آیا۔ اور اپنے دین کا اظہار کردیا:

"قال افرئیتم ماکنتم تعبدون۔ انتم وآباؤکم الاقدمون۔ فانّھم عدوٌّ لّی الّا ربّ العٰلمین" (سورۂ شعرا)

قوم نے پوچھا کہ: "تم کس کی پرستش کرتے ہو؟"۔ ابراہیم نے جواب دیا کہ "ربّ العٰلمین کی"۔ قوم نے پوچھا:۔ "کیا تمھا مطلب نمرود سے ہے؟" ابراہیم نے کہا: "نہیں! بلکہ اس کی پرستش کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا وغیرہ"

جب یہ معاملہ ہر طرف پھیل گیا اور نمرود نے بھی سُنا تو اس نے ابراہیم کو طلب کرکے ان سے دریافت کیا کہ: "اے ابراہیم کیا تو نے اپنے خدا کو دیکھا ہے جس نے تجھے بھیجا ہے۔ اور جس کی عبادت کی تو لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ جس کی طاقت توبید بیان کرتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو سب سے بڑا بتاتا ہے؟ وہ تیرا خدا کیا ہے؟" ابراہیم نے جواب دیا کہ: "میرا خدا وہ ہے جو زندہ رکھتا ہے اور مار ڈالتا ہے" نمرود نے کہا کہ: "میں زندہ رکھتا ہوں اور مار ڈالتا ہوں"۔ ابراہیم نے دریافت کیا کہ: "تو کس طرح زندہ رکھتا ہے اور کس طرح مار ڈالتا ہے؟" نمرود نے جواب دیا کہ: "میں اپنی قلمرو سے دو آدمی ایسے لیتا ہوں جو واجب القتل ہیں۔ ان میں سے ایک کو قتل کرتا ہوں اور دوسرے کو میں معاف کرکے چھوڑ دیتا ہوں" یہ سنکر ابراہیم نے کہا کہ:۔ "تحقیق اللہ تعالیٰ آفتاب کو مشرق کی طرف سے طلوع فرماتا ہے پس تو اسے مغرب کی طرف سے طلوع کرکے دکھا" اس سوال پر نمرود سٹپٹایا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

اس کے بعد قصہ کا سلسلہ اس طرح جاری رکھا گیا ہے کہ ابراہیم کی قوم میں یہ دستور تھا کہ ہر سال ایک عظیم الشان تہوار منایا جاتا تھا جن میں ہر شخص کچھ عرصہ کے لئے شہر سے باہر ضرور جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شہر سے روانہ ہونے سے پیشتر شہر والے کھانے طیار کرتے تھے اور بتوں کے سامنے رکھ کر کہا کرتے تھے کہ "جب ہمارے واپس آنے کا وقت ہوگا تو ہم واپس آجائیں گے اور اسوقت تک دیوتا ہمارے کھانے کو برکت دیدیں گے اور ہم کھانا کھالیں گے"۔ لہذا جب ابراہیم نے بتوں کو دیکھا اور ان کے سامنے کھانے رکھے دیکھے تو انھوں نے ازراہ طنز بتوں سے کہا: "کیا تم نہیں کھاؤگے"۔ "الا تاکلون" اور جب ان بتوں نے کوئی جواب نہ دیا تو ابراہیم نے ان سے کہا: "مالکم لاتنطقون۔ (تمھیں کیا ہوگیا ہے (تم بولتے کیوں نہیں؟) فراغ علیھم ضرباً بالیمین"۔ (سورۂ الصافات) یعنی ابراہیم نے اپنے داہنے ہاتھ میں ایک کلھاڑی لیکر ان کو توڑنا شروع کردیا حتی کہ بڑے بُت کے سوائے کوئی بُت باقی نہ رہا۔ اور اس صنم اکبر کی گردن میں ابراہیم نے وہ کلھاڑی لٹکادی۔ بعد ازاں وہ باہر نکل گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ "فجعلھم جذاذاً الّا کبیراً لّھم

لعلّہم الیہ یرجعون " (پس اس نے صنم کبیر کے سوائے تمام بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ شاید وہ لوگ واپس آکر دیکھیں کہ یہ کام اسی بُت نے کیا ہے)۔ پس جب لوگ بیرون شہر سے واپس آکر بتخانہ میں گئے اور انھوں نے اپنے بتوں کو ایسی حالت میں دیکھا تو " قالوا من فعل ہٰذا بآلہتنا انّہ لمن الظالمین۔ قالوا سمعنا فتیً یذکرہم یقال لہ ابراہیم " (کہنے لگے کہ یہ حرکت ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کی ہے یقیناً وہ ظالموں میں سے ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے ایک جوان مسمی ابراہیم کو ان کا ذکر کرتے سُنا ہے ہمارے خیال میں یہ وہی شخص ہے جس نے یہ حرکت کی ہے) یہ خبر ظالم نمرود کو پہونچی اور اس قوم کے امراء و شرفا نے بھی سُنا۔ لہذا انھوں نے کہا کہ: " فاتوا بہ علیٰ اعین الناس لعلّہم یشہدون " (لاؤ اس کو ان لوگوں کی آنکھوں کے سامنے تاکہ وہ گواہی دیں کہ ہاں اسی شخص نے یہ فعل کیا ہے)۔۔۔۔۔ پس جب وہ ابراہیم کو سامنے لائے تو انھوں نے اس سے کہا: " ءانت فعلت ہٰذا بآلہتنا یا ابراہیم " (کیا اے ابراہیم ہمارے بتوں کے ساتھ یہ حرکت تو نے کی ہے؟) " قال بل فعلہ کبیرہم ہٰذا فسئلوہم ان کانوا ینطقون " ابراہیم نے کہا کہ یہ کام بڑے بُت نے کیا ہے۔ پس ان سے دریافت کرلو اگر وہ بول سکتے ہیں وہ تم لوگوں سے اس بات پر ناراض تھا کہ تم اسکے ان چھوٹے چھوٹے بتوں کی بھی پوجا کرتے تھے اور چونکہ وہ ان سب سے بڑا ہے اس لئے اس نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ " ابراہیم نے صرف تین مرتبہ جھوٹ بولا۔ اور تینوں مرتبہ اللہ تعالیٰ کی خاطر۔ ایک مرتبہ تو اسوقت جب انھوں نے یہ کہا کہ " انی سقیم " (میں بیمار ہوں) دوسری مرتبہ جب انھوں نے یہ کہا کہ " قال بل فعلہ کبیرہم ہٰذا فسئلوہم "۔ اور تیسری مرتبہ اس بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولا جو سارہ کو لے لینا چاہتا تھا اور کہا کہ " یہ میری بہن ہے "

" پس جب ابراہیم نے ان لوگوں سے یہ کہا تو وہ اپنی قوم کی طرف مخاطب ہوئے اور کہنے لگے کہ " یقیناً تم نا انصاف لوگ ہو۔ یہ موجود ہے وہ شخص جس کی نسبت تم تحقیقات کر رہے ہو اور یہ تمھارے بُت موجود ہیں جن کے ساتھ اس نے وہ حرکت کی جو کی گئی۔ لہذا تم اپنے بتوں سے پوچھو " اور یہی بات ابراہیم نے کہی تھی کہ " تم ان سے دریافت کرلو اگر وہ بول سکتے ہوں " پس ابراہیم کی قوم نے کہا کہ ہمارے نزدیک بھی یہی واقعہ معلوم ہوتا ہے جو اس شخص نے بیان کیا ہے اور ابراہیم نے یہ کہا تھا کہ " تم نا انصاف لوگ ہو کیونکہ تم بڑے بُت کے ساتھ چھوٹے بتوں کی پرستش کرتے ہو " پس لوگ ابراہیم کے جواب سے سٹ پٹا گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ بُت بولتے نہیں اور نہ تشدد آمیز حملہ کرتے ہیں۔ پس لوگوں نے ابراہیم سے کہا کہ :- " یقیناً تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں " اور اس طرح جو حجت ابراہیم نے پیش کی تھی اس کے لوگ قایل ہو گئے۔ اس کے بعد ابراہیم نے کہا کہ: " تو کیا تم اللہ کے بجائے ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جو نہ تم کو قطعی فایدہ پہونچاتی ہیں نہ نقصان ؟ افسوس ہے تم پر اور اس پتھر پر جسے تم خدا کے بجائے پوجتے ہو۔ کیا تم اب بھی نہیں سمجھے ؟ " جب وہ اس دلیل سے مغلوب ہو گئے تو وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ انھوں نے کہا کہ اس شخص کو جلا دو اور اپنے بتوں کی مدد کرو اگر تم کام کے

آدمی ہوئے عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ جس شخص نے ابراہیم کو جلا دینے کے لئے لوگوں پر زیادہ زور دیا وہ ایک کُرد تھا۔ شعیب الجبائی کی روایت یہ ہے کہ اس کا نام ذینون تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے زمین کو شق کر دیا جس میں وہ شخص سما گیا جہاں وہ تا قیامت رہے گا۔ پس جب نمرود اور اس کی قوم کے لوگ ابراہیم کو جلانے کے لئے جمع ہوئے تو انھوں نے ان کو ایک مکان میں بند کر دیا اور پھر ان کے لئے بھیڑوں کے باڑہ کی وضع کا ایک مکان بنایا۔ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے: "انھوں نے کہا کہ اس کے لئے ایک مکان بناؤ اور اسے شعلہائے آتش میں پھینک دو"۔ تب انھوں نے ابراہیم کے لئے کچھ سخت لکڑی اور مختلف قسم کا ایندھن جمع کیا"۔

جس مصنف سے ہم نے مندرجۂ بالا عبارت نقل کی ہے وہ بیان کرتا چلا جاتا ہے کہ کس طرح ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا اور وہ اس آگ میں سے صحیح و سالم نکل آئے۔ آخر قصہ میں وہ لکھتا ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ابراہیم کی جان "حسبی اللہ" کہنے سے بچ گئی تھی۔ کیونکہ خدا نے اسی کو سن کر فرمایا تھا: "یا نار کونی برداً و سلاماً علیٰ ابراہیم"

اب ہم مندرجۂ بالا بیان کا اس قصہ سے مقابلہ کرتے ہیں جو یہودیوں کی کتاب "مدراش ربہ" میں تحریر ہے۔

"تیراہ ([illegible]) ایک بُت بنانے والا شخص تھا۔ ایک مرتبہ وہ کہیں باہر گیا۔ اور دوکان پر اپنے بجائے ابراہیم کو بٹھا گیا۔ جب کوئی شخص بت خریدنے آتا تو ابراہیم اس سے کہتا: "تمھاری کیا عمر ہے؟" اور وہ شخص جواب دیتا کہ "پچاس یا ساٹھ سال"۔ اس پر ابراہیم اس سے کہتا کہ "افسوس ہے اے شخص تیری حالت پر کہ تیری عمر ساٹھ سال ہے اور تو ایک ایسی چیز کی پرستش کرنا چاہتا ہے جو صرف چند روز ہوئے بنی ہے۔ یہ سنکر وہ دوسرا شخص شرمندہ ہو جاتا اور اپنی راہ لیتا۔ ایک مرتبہ ایک عورت آئی جس کے ہاتھ میں گیہوں کے آٹے کی ایک تھالی تھی۔ اس عورت نے ابراہیم سے کہا: "یہ لو اور بتوں کے آگے رکھ دو"۔ وہ اُٹھے اور اپنے ہاتھ میں ایک ڈنڈا لیکر سب بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ بعد ازاں اس نے وہ ڈنڈا سب سے بڑے بُت کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ جب اس کا باپ واپس آیا تو اس نے ابراہیم سے دریافت کیا کہ "ان کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟" ابراہیم نے کہا کہ "آپ سے کون سی بات پوشیدہ ہے۔ ایک عورت یہاں آٹے گندم کی تھالی لیکر آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ "لو یہ تھالی بتوں کے آگے رکھ دو" میں نے وہ تھالی رکھ دی۔ اس بُت نے کہا کہ پہلے میں کھاؤں گا اور اس دوسرے بُت نے کہا کہ نہیں پہلے میں کھاؤں گا۔ یہ بُت جو سب سے بڑا تھا، ڈنڈا لیا اور سب کو توڑ دیا"۔ اس نے (ابراہیم کے باپ نے) کہا کہ مجھ سے ایسے جھوٹے قصے کیوں بیان کرتا ہے؟ کیا یہ سمجھتے ہیں؟ ابراہیم نے اس سے کہا کہ: "جو بات تیرے لب کہتے ہیں کیا وہ تیرے کان نہیں سنتے؟" اس بات پر تیراہ نے ابراہیم کو پکڑ لیا اور نمرود کے حوالہ کر دیا۔ نمرود نے ابراہیم سے کہا: "آؤ آگ کی پرستش کریں"۔ ابراہیم نے اس سے کہا کہ: "پانی کی پوجا کیوں نہ کریں جو آگ کو بجھا دیتا ہے؟"۔ پھر نمرود نے کہا کہ: "اچھا آؤ پانی کی پرستش کریں"۔ اس پر ابراہیم نے جواب دیا کہ: "اگر ایسا ہی ہے تو پھر بادل کی پوجا کیوں نہ کریں جو پانی لاتا ہے؟"۔ نمرود نے کہا کہ: "اچھا آؤ بادل ہی کی پوجا کریں"۔ اس پر

ابراہیم نے کہا کہ "اگر ایسا ہے تو پھر ہوا ہی کی پرستش کیوں نہ کی جائے جو بادلوں کو لیجاتی ہے؟" نمرود نے کہا کہ: "اچھا آؤ ہوا ہی کی پرستش کریں" اس پر ابراہیم نے کہا کہ: "پھر انسان ہی کی پوجا کیوں نہ کی جائے جو ہوا کو روک لیتا ہے" اس پر نمرود نے بگڑ کر کہا کہ "تو مجھ سے زبان درازی کرتا ہے بس، میں کسی چیز کی پرستش نہیں کرتا۔ صرف آگ کی پرستش کرتا ہوں۔ دیکھ میں تجھے آگ میں ڈالے دیتا ہوں۔ دیکھیں وہ خدا جس کی تو پرستش کرتا ہے تجھے آکر کیونکر بچاتا ہے؟"

دونوں بیانات کا مقابلہ کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں والا قصہ براہ راست یہودی روایت سے ماخوذ ہے اور چونکہ محمدؐ نے اس قصہ کو کسی ایک جگہ مسلسل اور مفصل بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا اس لئے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ عرب میں بہت پہلے سے مشہور تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں ابراہیم کے باپ کا نام آذر بتایا گیا ہے تیراہ نہیں جیسا کہ توریت کی کتاب پیدائش میں لکھا ہے مگر مشرقی ممالک کے یہودی بعض اوقات اس کا نام ذارہ (Zarah) بھی لیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ عربی نام "آذر" اسی کی بگڑی ہوئی صورت ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ محمدؐ نے یہ نام ملک شام میں معلوم کیا ہو جہاں سے یوسی بیس نے اس نام کی صورت "Aθāp" نکالی اور اسے استعمال کیا۔ زمانۂ حال کے ایرانی مسلمان اس نام کو "آذر" لکھتے ہیں مگر تلفظ اس کا بالکل اسی طرح کرتے ہیں جیسا کہ عربی میں ہوتا ہے۔ اگرچہ اصلی فارسی تلفظ آذھر (Adhar) تھا یعنی تقریباً وہی جو یوسی بیس نے استعمال کیا ہے۔ فارسی زبان میں اس لفظ کے معنی "آگ" ہیں۔ اور دراصل یہ اس موکل یا دیوتا کا نام تھا جس کا تعلق آگ سے ہے اور یہ ہورامزدا کی اچھی مخلوق میں سمجھا جاتا تھا۔

واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اس نیک دیوتا ایزد (Izad) کو ابراہیم کا باپ بتا کر ان کے لئے مجوسیوں میں احترام پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہوگی۔ حالانکہ ابراہیم کو آگ میں ڈالے جانے کا قصہ بعض یہودی مفسرین کی ایک معمولی سی غلطی سے پیدا ہوا تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم اس کو ظاہر کریں اس باب میں مسلمانوں کی ان دلایل کو بیان کر دیں جو اس سلسلہ میں وہ پیش کیا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ قصہ دوسری کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے تو اس سے قرآن کے الہامی ہونے پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ایسے قصص کا دیگر کتب سماوی میں پایا جانا اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ دین اسلام ایک سچا دین ہے۔ مسلمان کہتے ہیں کہ: "اگرچہ محمدؐ نے یہ قصہ یہودیوں سے نہیں لیا، بلکہ بذریعہ وحی نازل ہوا تھا، تاہم چونکہ یہودیوں نے جو حضرت ابراہیم کی اولاد میں ہیں، اس قصہ کو اپنی روایات کی بنا پر تسلیم کر لیا ہے، اس لئے اس بات سے تعلیم قرآنی کی اور زیادہ تصدیق ہوتی ہے"۔

اس کے جواب میں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ یہ روایت صرف جاہل یہودیوں کی ہے اور پڑھے لکھے یہودی اس کا اعتبار نہیں کرتے۔ عہد ابراہیم کے متعلق جتنی قابل اعتبار یہودی روایات ہیں وہ "ناموس موسیٰ" (Pentateuch) میں درج ہیں۔ اور ان میں یہ طفلانہ قصہ موجود نہیں ہے۔ علاوہ اس کے توریت کی کتاب پیدائش سے ظاہر ہوتا ہے کہ نمرود عہد

ابراہیم سے بہت پہلے گزرا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ نمرود کا نام قرآن میں نہیں آیا ہے، مگر مسلمانوں کی احادیث، روایات، تفاسیر اور "مدراش ربہ" کی روایت میں ضرور پایا جاتا ہے۔

علاوہ اس کے نمرود کا یہ تمام قصہ ایک یہودی کی جاہلانہ غلطی پر مبنی ہے۔ اسی کی تشریح کے لئے ہم کو ـــــ (Jargum of jonathan ben Uzziel) کا حوالہ دینا پڑے گا۔ اس مصنف نے کلدانیوں کے شہر اُر (Ur of Chaldees) کو معلوم کیا۔ یہ وہ مقام ہے جس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم ترک وطن کر کے یہیں آباد ہوئے تھے۔ یعنی یہ شہر اس جگہ آباد تھا جہاں آجکل مقیر (Mogayyar) ہے۔ قدیم بابلی زبان میں لفظ اُر یا اُرو (uru or ur) کے معنی "شہر" کے ہیں۔ یہی لفظ "یروسلم" کے نام میں بھی پایا جاتا ہے (عربی میں اسے اب بھی "اُروشلیم" کہتے ہیں) جس کے معنی ہیں "دارالسلام"۔ مگر جوناتھن کو بابلی زبان کا علم نہ تھا، اس لئے اس نے سمجھا کہ "اُور" (ur) کے معنی ضرور وہی ہوں گے جو عبرانی لفظ "اُور" (or) کے ہیں یعنی "نور یا روشنی"۔ اسی لفظ کے معنی آرامی زبان میں "آگ" کے ہیں۔ پس اس مفسر نے کتاب پیدائش باب ۱۵ - آیۃ ۷ کے معنی یہ کئے کہ: "میں وہ خدا ہوں جس نے تجھے کلدانیوں کی آگ کی بھٹی سے باہر نکالا" اسی طرح کتاب پیدائش باب یازدہم آیۃ ۲۸ - کی تفسیر میں اسنے لکھا کہ: "جب نمرود نے ابراہیم کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیا کیونکہ وہ اس کے بتوں کی پرستش نہیں کرتے تھے، تو ایسا واقعہ ہوا کہ آگ کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ ابراہیم کو مضرت پہونچائے"۔ اس طرح صاف طور پر ظاہر ہوگیا کہ یہ تمام قصہ صرف ایک لفظ کے غلط معنی کرنے کی وجہ سے پیدا ہوگیا ورنہ اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ سب سے پہلے یہ غلطی جوناتھن نے کی تھی صحیح طور پر نہیں کہی جا سکتی، ممکن ہے کہ اس نے یہ خیال دوسرے لوگوں سے لیا ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی مگر نتیجہ وہی ہے۔

ملکۂ سبا و سلیمان قرآن میں یہ قصہ جس طرح بیان کیا گیا ہے اس کے ماخذ کے متعلق ہم کو ذرا سا بھی شک نہیں ہے۔ یہ تمام قصہ خفیف تغیرات کے ساتھ Second Jargum of Esther سے لیا گیا ہے جو (Migraoth Gedolth) میں چھپا ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ محمدؐ کو یہ ضرور یقین تھا یہ قصہ یہودیوں کی مقدس کتب میں درج ہے اور یہ انھیں اور عربوں کو اس قدر پسند تھا کہ اس کو قرآن میں داخل کر دیا۔ قرآن میں یہ قصہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"سلیمان کے سامنے ان کی فوجیں جو جنوں، آدمیوں اور پرندوں پر مشتمل تھیں جمع ہوئیں۔ اور انھوں نے پرندوں کا جائزہ لیا اور فرمایا کہ: مجھے کیا ہوگیا ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا۔ کیا وہ غیر حاضر ہونے والوں میں ہے؟ یقیناً میں اس کو سخت سزا دوں گا۔ یا تو میں اس کو یقیناً قتل کر ڈالوں گا یا وہ یقیناً صاف ثبوت دے گا (اپنے غیر حاضر ہونے کا) پس وہ زیادہ عرصہ تک غیر حاضر نہ رہا۔ پھر اس نے کہا کہ میں وہ بات جانتا ہوں جو آپ نہیں جانتے اور میں

آپ کی خدمت میں پختہ خبر لیکر سبا سے حاضر ہوا ہوں۔ تحقیق میں نے ایک عورت دیکھی جو ان لوگوں پر حکومت کرتی ہے۔ اسکو ہر چیز کثرت کے ساتھ عطا ہوئی ہے اور اس کے پاس ایک بہت بڑا تخت ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم خدا کے بجائے آفتاب کی پرستش کرتے ہیں۔ اور شیطان نے ان کے کام ان کی نظروں میں پسندیدہ کر دئے ہیں اور انھیں راستہ سے منحرف کر دیا ہے اور سیدھے راستہ پر نہیں چلتے۔ اور وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے جو تمام وہ چیزیں لاتا ہے جو زمین اور آسمان میں پوشیدہ ہیں اور جانتا ہے جو چیز تم چھپاتے ہو اور جو چیز تم ظاہر کرتے ہو۔ "اللہ لا الٰہ الّا ہو رب العرش العظیم" اس نے (سلیمانؑ نے) کہا کہ: "ہم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ تو نے کہا، پھر آیا وہ واقعی صحیح ہے یا تو جھوٹ بولنے والوں میں ہے۔ تو جا میرا یہ خط لیکر اور ان لوگوں کو حوالہ کر دے۔ اور پھر وہاں سے واپس آ اور دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں"

"(ملکہ نے) کہا کہ "اے سردارو یقیناً ایک قابل احترام خط مجھ کو دیا گیا ہے — یہ خط سلیمان کا ہے اور اس کا مضمون یہ ہے: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ میرے خلاف سرکشی نہ کرو بلکہ میری خدمت میں عاجزانہ طور پر حاضر ہو جاؤ" ملکہ نے کہا کہ: "اے سردارو! مجھے میرے معاملہ میں صلاح و مشورہ دو۔ کیونکہ جب تک تم لوگ موجود نہیں ہوتے میں کسی بات کا فیصلہ نہیں کرتی" تب سرداروں نے کہا کہ — "ہم طاقتور اور بہادر لوگ ہیں۔ حکم آپ کا ہے۔ پس آپ دیکھیں کہ آپ کیا حکم دیتی ہیں" ملکہ نے فرمایا کہ: "جب بادشاہ کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اسے برباد کر دیتے ہیں، اور وہاں کے بڑے بڑے معزز لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں، اور وہ ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں اور یقیناً میں انکے پاس ایک تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد لوگ کیا جواب لیکر واپس آتے ہیں"

پس جب قاصد سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا: "کیا تم میری دولت سے مدد کرنا چاہتے ہو؟ مگر جو کچھ اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تم لوگوں کو دیا ہے۔ نہیں تم کو اپنے تحفہ پر فخر ہوگا۔ جاؤ تم اپنی قوم کے پاس۔ کیونکہ ہم ان کے پاس اس قدر زبردست فوج لیکر آئیں گے کہ وہ اس کی مزاحمت نہ کر سکیں گے اور ہم ان لوگوں کو ذلیل کر کے ملک سے نکال دیں گے۔ اور وہ حقیر ہو جائیں گے"۔ سلیمانؑ نے کہا: "اے سردارو! تم میں سے کون ایسا ہے کہ قبل اس کے کہ وہ لوگ میری خدمت میں عاجزانہ طور پر حاضر ہوں میرے پاس اس ملکہ کا تخت لے آئے؟" جنوں میں سے ایک عفریت نے کہا کہ میں اس تخت کو اس وقت سے قبل حاضر کر دوں گا کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں۔ اور تحقیق میں ایسا کرنے کے قابل ہوں اور وفادار ہوں" ایک شخص نے جسے کتاب کا علم حاصل تھا کہا: "میں پلک جھپکتے اس تخت کو حاضر کر دوں گا" جب سلیمانؑ نے اس تخت کو اپنے برابر رکھا دیکھا تو انھوں نے کہا: "یہ خدا کی عنایت ہے میرے حال پر۔ تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں اس کا شکر گزار ہوں یا احسان فراموش۔ اور وہ جو شکر گزار ہے وہ درحقیقت اپنے لئے شکر گزار ہے۔ اور جو شخص احسان فراموش ہے، تحقیق میرا اللہ غنی اور کریم ہے"

"اور اس نے کہا کہ اس کے لئے اس کا تخت بدل دو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صحیح راستہ پر چلتی ہے یا ان لوگوں

میں ہے جو صحیح راستہ پر نہیں چلتے" پس جب وہ آئی تو اس سے دریافت کیا گیا کہ: "کیا تمہارا تخت یہی ہے؟" اس نے جواب دیا: "ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہی ہے۔ اور ہم کو اس سے قبل علم ہو گیا تھا اور ہم نے سر اطاعت خم کر دیا" اور جس چیز کی وہ اللہ کے بجائے پرستش کیا کرتی تھی، اس نے اسے گمراہ کر دیا تھا۔ تحقیق وہ ایک کافر قوم سے ہے۔ پھر اس سے کہا گیا: "محل میں داخل ہو" اور جب اس نے اسے دیکھا تو وہ یہ سمجھی کہ وہ ایک وسیع قطعۂ آب ہے اور اس نے اپنے پائنچے چڑھالئے اور پنڈلیاں برہنہ کر لیں۔ اس نے کہا: "یہ جگہ شیشہ کی ہے" تب اس نے کہا کہ: "اے میرے رب میں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت کرتی ہوں"

اس قصہ میں بعض ایسی تفصیلات حذف کر دی گئی ہیں جو تارغم میں درج ہیں اور بعض باتوں میں کسی قدر اختلاف بھی ہے۔ تارغم میں لکھا ہے کہ "تخت سلیمان کا تھا اور چوبیس عقاب تخت کے اوپر بیٹھے ہوئے اپنا سایہ بادشاہ کے سر پر ڈالتے تھے جب وہ تخت پر بیٹھتا تھا۔ جب کبھی سلیمان کہیں جانا چاہتے تھے تو یہ عقاب ان کے تخت کو اُڑا کر پہونچا دیتے تھے" گویا تارغم کی رو سے یہ عقاب سلیمان کے تخت بردار تھے۔ مگر قرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ کام سلیمان کے لئے ایک عفریت نے صرف ایک مرتبہ کیا تھا اور وہ بھی اس وقت جبکہ تخت خالی تھا۔ مگر ملکۂ سبا اور اس کے پاس سلیمان کا بذریعہ ایک چڑیا کے خط بھیجنے کا قصہ دونوں کتابوں میں حیرت انگیز طور پر یکساں پایا جاتا ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ تارغم میں ہُدہُد کے بجائے "ریگستان کا مرغ" لکھا ہے، بہرحال دونوں باتیں ایک ہیں۔ عربی قصہ سے مقابلہ کرنے کے لئے ہم تارغم کے قصہ کا بھی ترجمہ ذیل میں درج کئے دیتے ہیں:

"پھر جب شاہ سلیمان کا دل شراب پیکر مسرور ہوا تو اس نے حکم دیا کہ کھیتوں کے چوپائے، ہوا کے پرندے، زمین پر رینگنے والے کیڑے، اور جن اور بھوت اور رات کے وقت پھرنے والے چھلاوے لائے جائیں تاکہ وہ اس کے سامنے ناچیں اور اس کی عظمت و جلالت ان بادشاہوں کے سامنے ظاہر کریں جو اس کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں اور بادشاہ کے منشیوں نے ان سب کو ان کا نام لیکر بلایا اور وہ سب جمع ہوئے اور بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے، سوائے قیدیوں کے اور اسیران جنگ کے اور ان لوگوں کے جن کی نگرانی میں وہ لوگ تھے۔ اس وقت مرغ صحرا چڑیوں کے ساتھ لطف صحبت اُٹھا رہا تھا اور وہ نہ ملا۔ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو جبراً حاضر کرو۔ اور اسے مار ڈالنا چاہا۔ مرغ صحرا شاہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "سن میرے آقا زمین کے بادشاہ! ذرا اپنا کان جھکا کر میری بات سُن۔ کیا تین مہینہ نہیں ہوئے کہ میں نے یہ عزم بالجزم کیا تھا کہ نہ میں کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا، تاوقتیکہ میں دنیا کی سیر نہ کر لوں اور دنیا میں نہ اُڑ لوں! اور میں نے کہا تھا کہ کون سا صوبہ یا سلطنت ایسی ہے جو میرے آقا کی تابعدار نہیں ہے؟ میں نے ایک قلعبند شہر دیکھا جس کا نام قیطور (Qitor) ہے اور ایک مشرقی ملک میں واقع ہے۔ وہاں کی خاک میں سونا ملا ہوا ہے اور چاندی تو ہر جگہ سڑکوں پر پڑی ہوئی ہے۔ اور وہاں درخت ابتدا ہی سے نصب کئے گئے تھے اور جنت عدن

سے وہ لوگ پانی پیتے ہیں۔ ان میں تین بڑے بڑے گروہ ہیں جو اپنے سروں پر پھولوں کے ہار پہنتے ہیں۔ کیونکہ وہاں جنت عدن کے پودے موجود ہیں جو وہاں سے بہت قریب ہے، وہ کمان سے تیر چلانا جانتے ہیں مگر ان کو تیر و کمان کے ذریعہ سے کوئی مار نہیں سکتا۔ ایک عورت ان سب پر حکومت کرتی ہے اور اس عورت کا نام ملکۂ سبا ہے۔ اب اگر خداوند نعمت کی خوشی ہو تو نیاز مند طیار ہو کر قلعہ قیطور شہر سبا کو جائے، میں ان کے ملوک کو سلاسل سے اور ان کے سرداروں کو آہنی زنجیروں سے باندھ لوں گا، اور انھیں اپنے آقا بادشاہ کے حضور میں لے آؤں گا" اس کے یہ کہنے سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور بادشاہ کے منشی طلب کئے گئے۔ انھوں نے ایک خط لکھا اور وہ خط مرغ صحرا کے پروں میں باندھ دیا گیا اور وہ اُڑا اور آسمان کی طرف بلند ہو گیا۔ اور اس نے اپنا نیم تاج اپنے سر پر باندھا اور چڑیوں میں اُڑنے لگا۔ اور وہ چڑیاں اس کے پیچھے پیچھے اُڑیں اور وہ قلعہ قیطور شہر سبا میں گئے۔ اور صبح کے وقت ایسا واقع ہوا کہ ملکۂ سبا عبادت کرنے کے لئے سمندر کے کنارے گئی تھی۔ اس وقت چڑیوں کی کثرت کے باعث آفتاب چھپ گیا۔ اور ملکہ نے اپنا ہاتھ اپنے کپڑوں پر ڈالا اور انھیں پھاڑ دیا۔ اور وہ بہت متحیر اور پریشان ہوئی۔ اور جب وہ بہت پریشان ہوئی تو مرغِ صحرا اُتر کر اس کے پاس آیا اور ملکہ نے اسے دیکھا۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک خط اس کے بازو میں بندھا ہوا ہے۔ اس نے وہ خط کھول کر پڑھا۔ اور جو مضمون اس میں لکھا تھا وہ یہ ہے: "مجھ بادشاہ سلیمان کی طرف سے۔ سلامتی ہو تجھ پر اور سلامتی ہو تیرے سرداروں پر! چونکہ تو جانتی ہے کہ اللہ پاک نے بزرگ ہو نام اس کا، مجھے کھیت کے چوپایوں، ہوا کے پرندوں، جنوں، بھوتوں اور رات کے چھلاووں پر بادشاہ بنایا ہے اور شمال وجنوب اور مشرق و مغرب کے تمام بادشاہ حاضر ہو کر میری مزاج پرسی کرتے ہیں۔ اب اگر تو اس بات پر رضامند ہے کہ آئے اور میری مزاج پرسی کرے تو بہت اچھی بات ہے۔ میں تجھے ان تمام بادشاہوں سے زیادہ عظمت دوں گا جو آکر میرے سامنے سر نیاز خم کرتے ہیں۔ لیکن اگر تو اس بات پر رضامند نہیں ہے اور یہاں نہیں آتی اور میری مزاج پرسی نہیں کرتی تو تیرے خلاف بادشاہوں کو اور فوجوں کو اور رسالوں کو بھیجوں گا۔ اور اگر تو کہے کہ شاہ سلیمان کے پاس کون سے بادشاہ اور فوجیں اور سوار ہیں؟ تو معلوم کر کھیت کے چوپائے بادشاہ کی فوجیں اور رسالے ہیں۔ اور اگر تو کہے کہ سوار کیسے ہیں؟ تو سُن کہ ہوا کے پرندے میرے سوار ہیں۔ میری فوجیں بھوتوں، جنات، چھلاووں پر مشتمل ہیں جو تمھارے گھروں میں گھس کر بستر پر سوتے ہوئے تمھارا گلا گھونٹ دیں گے۔ کھیت کے جانور تمھیں کھیتوں میں ہلاک کر ڈالیں گے اور ہوا کے پرندے تمھارا گوشت نوچ کر کھا جائیں گے"۔ جب ملکۂ سبا نے اس خط کے مضمون کو سُنا اور مکرر سُنا تو اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے کپڑے پھاڑ لئے۔ اس نے آدمی بھیجکر اپنی قوم کے سرداروں اور بزرگوں کو طلب کیا اور ان سے اس طرح گویا ہوئی:

"اے امراء و اکابر قوم! کیا تم کو معلوم ہے کہ سلیمان نے میرے پاس کیا بھیجا ہے؟" انھوں نے جواب دیا کہ: "ہم سلیمان بادشاہ کو نہیں جانتے، اور نہ ہم اس کی سلطنت کی کوئی حقیقت سمجھتے ہیں"۔ مگر اس بات سے ملکہ کی تشفی نہ ہوئی

اور نہ اس نے ان کے الفاظ کو سُنا بلکہ اس نے آدمی بھیجکر سمندر کے تمام جہاز جمع کرا لئے اور ان میں زیورات وجواہرات اور تحفے بھرے۔ اور اس نے سلیمان کے پاس چھ لڑکے اور لڑکیاں ایسی بھیجیں جنکی پیدائش ایک ہی سال ایک ہی مہینہ ایک ہی دن اور ایک ہی گھنٹہ کی تھی ــــــ ان سب کے قد و قامت، صورت شکل یکساں تھی اور لباس سب کے ارغوانی رنگ کے تھے۔ اور ملکہ نے ایک خط لکھا اور وہ بادشاہ سلیمان کے پاس ان لوگوں کے ہاتھ بھیجا: "قلعۂ قیطور سے ملک اسرائیل تک سات سال کا سفر ہے۔ اب میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ آپ خدا سے دعا اور درخواست کریں کہ میں آپ کے پاس تین سال میں پہونچ جاؤں" اور ایسا واقعہ ہوا کہ تین سال کے آخر میں ملکۂ سبا، سلیمان کے پاس پہونچ گئی۔ اور جب سلیمان نے سنا کہ ملکۂ سبا آگئی ہے تو انھوں نے اس کے استقبال کے لئے بن ایاہ ابن یہویاداوہ (Benaiah son of Jehoiada) کو بھیجا جو حُسن وجمال میں مثل صبح صادق کے تھا جو فجر کے وقت نمودار ہوتی ہے اور صورت شکل میں ایسا تھا جیسے ستارۂ زہرہ جو درخشاں ہوکر ستاروں میں مضبوطی سے قائم رہتا ہے، اور نزاکت میں ایسا تھا جیسا نیلوفر جو چشموں کے اندر اُگتا ہے۔ اور جب ملکۂ سبا نے بن ایاہ ابن یہویاداوہ کو دیکھا تو وہ اپنی سواری سے اُتر پڑی۔ بن ایاہ نے ملکہ سے کہا: "آپ اپنی سواری سے کیوں اُتر گئی ہیں؟" اس پر ملکہ نے کہا کہ: "کیا آپ بادشاہ نہیں ہیں؟" بن ایاہ نے جواب دیا کہ: "میں بادشاہ سلیمان نہیں ہوں بلکہ اس کا ایک خادم ہوں جو اس کے حضور میں دست بستہ حاضر رہتا ہے۔" ملکہ نے فوراً اپنا منھ پیچھے کی طرف موڑ لیا اور اپنے سرداروں سے ایک تمثیل کہی: "اگر شیر تم لوگوں کے سامنے نہیں آیا تو تم نے شیر کا بچّہ تو دیکھ لیا ہے۔ اور اگر تم نے بادشاہ سلیمان کو نہیں دیکھا تو تم نے ایک ایسے شخص کا حُسن وجمال تو دیکھ لیا ہے جو اس کی خدمت میں استادہ رہتا ہے۔" اور بنی ایاہ، ملکۂ سبا کو لیکر سلیمان کے پاس آیا اور جب بادشاہ نے سنا کہ ملکہ آگئی ہے تو وہ اُٹھا اور جاکر قصر بلوریں میں بیٹھ گیا۔ اور جب ملکۂ سبا نے بادشاہ سلیمان کو قصر بلوریں میں بیٹھے دیکھا تو اس نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ پانی میں بیٹھا ہے۔ اس لئے اس نے اپنے کپڑے سمیٹ کر اوپر اُٹھا لئے تاکہ پانی سے گزر جائے اسوقت سلیمان نے دیکھا کہ ملکہ کی ٹانگوں پر بال ہیں۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے اس سے کہا کہ: "تیرا حُسن وجمال تو عورتوں جیسا ہے مگر تیرے بال مردوں جیسے ہیں۔ بالوں کا ہونا حسن مردانہ میں داخل ہے مگر عورتوں کے لئے یہ بات قابل شرم ہے۔" اس کے بعد ملکۂ سبا نے بادشاہ سے کہا کہ، "میرے آقا بادشاہ سلامت! میں آپ کی خدمت میں تین سوالات پیش کرتی ہوں، اگر آپ نے ان کا جواب دیدیا تو میں جانوں گی کہ آپ واقعی ایک دانشمند آدمی ہیں، اور اگر نہ دیا تو سمجھوں گی کہ جیسے اور آدمی ہیں ویسے ہی آپ بھی ہیں۔" (سلیمان نے ان تینوں سوالوں کا جواب دیا)۔ پھر ملکہ نے کہا: "پاک ذات ہے اس اللہ تیرے رب کی جس نے تجھے تیری سلطنت کے تخت پر بٹھا کر خوشی حاصل کی تاکہ تو لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کرے۔" اور ملکہ نے بادشاہ کو زرخالص اور چاندی دی ..... اور بادشاہ نے بھی اس کو ہر چیز جس کی اسے خواہش ہوئی عطا فرمائی۔"

اس یہودی قصہ میں ہم نے دیکھا ہے کہ بعض چیستان یا معموں کا ذکر ہے جو ملکۂ سبا نے سلیمان سے حل کرنا چاہا ہے، اگرچہ س بات کا ذکر قرآن میں نہیں ہے مگر اسلامی روایات میں ان معموں کا حال ضرور درج ہے۔ اور چونکہ فرش بلوریں کا ذکر قرآن بں اس قدر مفصل نہیں جیسا کہ تارغم میں ہے، اس لئے بعض مسلمان مصنفین نے یہ تمام تفصیلات بالکل تارغم سے لیکر پوری ردی ہیں مثلاً "عرایس المجالس" (صفحہ ۴۴۸) میں لکھا ہے کہ: "اس نے اپنی ٹانگوں پر سے کپڑا ہٹا لیا تاکہ وہ پانی سے گزر کر ملیمان کے پاس جائے ——— اس وقت سلیمان نے دیکھا کہ جہاں تک پنڈلیوں اور پاؤں کی ساخت اور ناسب کا تعلق ہے وہ جمیل عورت ہے مگر اس کی ٹانگوں پر بال ہیں۔ جب سلیمان نے یہ بات دیکھی تو انھوں نے اسکو ٹوکا اور ہاکہ: "تحقیق اس قصر کا فرش بلوریں ہے"

فرش بلوریں کا جو ذکر کیا گیا غالباً وہ ہیکل سلیمانی کے "بحر گداختہ" (Mollen sea) کی طرف ایک مبہم سا شارہ ہے۔ اس قصہ کے بقیہ دیگر عجائبات بھی خالص یہودی خیال آفرینیوں کا نتیجہ ہیں اور تعجب ہوتا ہے کہ محمدؐ نے اسے لیونکر بالکل سچا واقعہ یقین کرلیا ——— مگر بعض اُمور کی توجیہہ آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ مثلاً یہ خیال کہ سلیمان مختلف قسم کے جنوں اور دیووں پر حکومت کرتے تھے۔ عبرانی الفاظ (שדה ושדות) کے غلط معنی سمجھنے سے پیدا ہوا ہے۔ یہ الفاظ بائبل کی کتاب واعظ باب ۲۔ آیہ ۸ میں آئے ہیں۔ ان الفاظ کے معنی غالباً "خاتون اور خواتین" کے ہیں۔ اور چونکہ یہ الفاظ بائبل میں اور کسی جگہ استعمال نہیں ہوئے اس لئے مفسرین نے ان کے معنی غلط سمجھے اور ان کی شرح یہ کی کہ یہ ایک خاص قسم کے "پریزاد" تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودی روایات اور قرآن دونوں میں سلیمان کی نسبت یہ لکھا ہے کہ اس کی فوجیں جنوں اور شیاطین پر مشتمل تھیں۔

اس کل قصہ کی تاریخی بنیاد بائبل کے صحیفہ سلاطین حصہ اول باب ۱۰۔ آیات ۱-۱۰۔ اور تاریخ حصہ دوم باب ۹۔ آیات الغایتہ ۹ میں پائی جاتی ہے۔ جس میں سلیمان کی نسبت کوئی بات تعجب انگیز بیان نہیں کی گئی۔ نہ وہاں کوئی ذکر جنوں، عفریتوں اور شیش محل کا ہے۔ سیدھا سادہ حال سلیمان اور ملکۂ سبا کی ملاقات کا لکھا ہے۔ بائبل کا قصہ حسب ذیل ہے:

"اور جبکہ خداوند کے نام کی بابت سلیمان کی شہرت سبا کی ملکہ تک پہونچی تو وہ مشکل سوالوں سے اسے آزمانے آئی اور وہ عظیم الشان حشم و قدم کے ساتھ اور اونٹوں پر خوشبودار مسالے اور بہت سا سونا اور بیش قیمت جواہرات بار کرکے یروشلم آئی۔ اور اس نے سلیمان کے پاس آکر جو کچھ اس کے دل میں تھا اس سے وہ سب باتیں کہیں۔ سلیمان نے اس کے سب سوالوں کا جواب دیا۔ بادشاہ سے کوئی بات پوشیدہ نہ تھی۔ جو وہ اس کے کسی سوال کا جواب نہ دیتا اور جب ملکۂ سبا نے سلیمان کی تمام دانشمندی کا حال اور اس کے گھر کو جو اس نے تعمیر کیا تھا، اور اس کے دسترخوان کی نعمتوں کو اور اسکے ملازموں کی نشست و برخاست اور حاضر باشی اور ان کے لباس اور اس کے ساقیوں اور اس سیڑھی کو دیکھا جس کے ذریعہ سے وہ خداوند کے مسکن میں جایا کرتا تھا تو اس کے حواس بجا نہ رہے۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ خبر

واقعی صحیح تھی جو میں نے تیری کرامتوں اور تیری دانشمندی کی بابت اپنے ملک میں سُنی تھی۔ لیکن جب تک میں نے آکے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا تب تک ان باتوں کا یقین نہ کیا۔ اور دیکھ وہ خبر جو میں نے سُنی تھی، آدھی بھی نہ تھی کیونکہ تیری دانشمندی اور تیری اقبالمندی اور تیری شہرت اس سے کہیں زیادہ ہے جو میں نے سُنی تھی۔ نیکبخت ہیں تیرے لوگ اور نیکبخت ہیں تیرے خواص جو ہمیشہ تیرے حضور میں کھڑے رہتے ہیں اور تیری حکمت کی باتیں سنتے ہیں۔ خداوند تیرا خدا مبارک ہو جو تجھ سے راضی ہے اور تجھے اسرائیل کے تخت پر بٹھایا ہے۔ اس لئے کہ خداوند نے بنی اسرائیل سے ہمیشہ محبت کی۔ اسی وجہ سے اس نے تجھے ان کا بادشاہ بنایا تاکہ تو عدل و انصاف کرے اور اس نے بادشاہ کو ایک سو بیس قنطار سونا اور مسالے کا بڑا انبار اور جواہرات دئے۔ اور جس کثرت سے ملکۂ سبا نے سلیمان کو عنایت کئے اس قدر پھر کسی سے نہ ملے۔"

اگرچہ قرآن میں اور بہت سے قصّے ایسے ہیں جو یہودی افسانوں سے لئے گئے ہیں۔ لیکن یہاں ان کو مفصل لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اسی ایک افسانے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء کی جو صحیح تاریخ بائبل میں لکھی ہے اس سے محمد ناواقف تھے اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عرب یہودی جن کو یہ روایتیں یاد تھیں زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے اور انھیں بمقابلہ بائبل کے تالمود کی روایات زیادہ معلوم تھیں۔

قصۂ ہاروت وماروت

اب ہم ہاروت وماروت کے قصّہ سے بحث کرتے ہیں۔ یہ دو فرشتے تھے جنھوں نے بابل میں گناہ کیا تھا۔ یہ روایت بہت دلچسپ ہے۔ کیونکہ اول تو ہم یہ ثابت کر دیں گے کہ قصۂ مذکور اگرچہ یہودیوں سے لیا گیا ہے۔ مگر اس کا ماخذ مرکب ہے۔ پہلے ہم یہ قصّہ اس طرح بیان کرتے ہیں جیسے قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ بعد ازاں ہم یہودی اور دیگر روایات بیان کریں گے۔

قرآن کی سورہ البقرہ آیۃ ۱۰۲ میں لکھا ہے کہ:

"وما کفر سلیمان ولاکنّ الشیطان کفروا یعلّمون النّاس السّحر۔ وما اُنزل علی الملکین ببابل ہاروت وماروت۔ وما یعلّمان من احدٍ حتّی یقولا انّما نحن فتنۃ" فلا تکفر"

"یعنی سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کیا۔ جو لوگوں کو سحر سکھاتے ہیں۔ اور ہم نے بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر نازل نہیں کیا تھا۔ اور وہ کسی کو سحر نہیں سکھاتے جب تک وہ دونوں یہ بات نہیں کہہ دیتے کہ "تحقیق ہم امتحان میں پڑے ہوئے ہیں پس تم کفر نہ کرو"

"عرایس المجالس" میں اسی آیۃ کی تفسیر کے طور پر ایک قصّہ درج کیا گیا ہے جو احادیث پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"مفسرین قرآن کہتے ہیں کہ جب فرشتوں نے ان لوگوں کے اعمال خراب دیکھے جو بزمانۂ حضرت ادریس آسمان کی طرف چڑھے تھے، تو انھوں نے ان کی مذمت کی اور ان پر لعن طعن کیا اور کہا: "خداوندا یہ ہیں وہ لوگ جنھیں تو نے پسند فرمایا اور جنھیں تو نے خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا اور پھر یہی لوگ ہیں جو تیری نارضی کے کام کرتے ہیں" پس اللہ تعالیٰ

نے فرشتوں سے فرمایا: "اگر میں نے تمھیں زمین پر بھیجا ہوتا اور تم میں وہی خواہشات پیدا کر دیتا جو انسانوں میں رکھ دی گئی ہیں تو تم بھی وہی کرتے جو انسانوں نے کیا"۔ تب فرشتوں نے کہا: "خدا نہ کرے! اے ہمارے رب یہ بات ہماری شان کے خلاف ہے کہ ہم تیری ناراضی کے کام کریں"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "تم اپنے میں سے دو بہترین فرشتے منتخب کرو۔ اور میں انھیں زمین پر بھیجوں گا"۔ پس انھوں نے ہاروت اور ماروت کو منتخب کیا جو تمام فرشتوں میں بہترین اور سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار تھے"۔ مگر الکلبی نے لکھا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "تم اپنے میں سے تین فرشتے منتخب کرو"۔ پس انھوں نے تین فرشتے منتخب کئے۔ ان میں ایک "عزٓ" (33) یعنی ہاروت، دوسرا "عزابی" (3) یعنی ماروت اور تیسرا "عزرائیل" تھا اور تحقیق جب ان فرشتوں نے گناہ کیا تو اس نے ان کا نام بدل دیا۔ جس طرح اللہ نے ابلیس کا نام بدل دیا تھا جو پہلے "عزرائیل" کہلاتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں میں وہی خواہشات بھر دیں جو اس نے انسانوں کے اندر پیدا کی تھیں اور انھیں زمین پر بھیج دیا۔ اور انھیں حکم دیا کہ ایمانداری کے ساتھ انسانوں کا انصاف کرو۔ شرک اور قتل بیجا اور زناکاری اور شراب خواری سے بچو۔ مگر عزرائیل نے جب اس کے دل میں خواہشات پیدا ہوئیں تو اس نے اپنے رب سے معافی مانگ لی اور درخواست کی کہ اسے آسمان پر بلا لیا جائے۔ پس خدا نے اس کو معاف فرما دیا اور اسے آسمان پر اُٹھا لیا۔ بعد ازاں وہ چالیس برس تک سجدہ میں پڑا رہا۔ اس کے بعد اس نے اپنا سر اُٹھایا۔ مگر شرم کے مارے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہمیشہ سر جھکائے رکھا۔ اب رہے بقیہ دو فرشتے تو وہ بدستور زمین پر رہے۔ وہ دن کے وقت لوگوں کا انصاف کیا کرتے اور جب شام ہوتی تو وہ اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے۔ قتادہ نے لکھا ہے کہ ابھی ایک مہینہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ وہ ترغیب نفسانی میں پڑ گئے اور اس کا باعث یہ ہوا کہ ایک روز زہرہ جو تمام عورتوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھی ان کے پاس ایک مقدمہ لائی۔ علیؓ کا قول ہے کہ یہ عورت فارس کی قوم سے تھی اور اپنے ملک کی ملکہ تھی۔ پس جب انھوں نے زہرہ کو دیکھا تو وہ دونوں اس پر دل و جان سے شیدا ہو گئے۔ اسی لئے ان دونوں نے اس عورت سے اس کا نفس طلب کیا۔ اس نے انکار کیا اور چلی گئی۔ دوسرے روز وہ پھر آئی اور ان دونوں نے اس سے پھر وہی درخواست کی۔ اُس نے انکار کیا اور کہا جب تک تم اس کی عبادت نہ کرو گے جس کی عبادت میں کرتی ہوں، اور اس بُت کی پوجا نہ کرو گے اور قتل عمد نہ کرو گے اور شراب نہ پیو گے تب تک ایسا نہ ہوگا"۔ اس پر ان دونوں نے کہا کہ: "ہم سے ایسا فعل ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ نے ایسے فعل کرنے سے ہم کو منع فرما دیا ہے"۔ پس وہ یہ سن کر چلی گئی۔ تیسرے دن وہ پھر آئی اور اپنے ساتھ ایک جام شراب بھی لائی اور اس روز وہ ان کی نظروں میں نہایت دلفریب معلوم ہوئی۔ پس انھوں نے اس سے اس کا نفس طلب کیا۔ اس نے پھر انکار کیا۔ اور جو شرطیں اس سے پہلے روز اس نے بیان کی تھیں وہی اب پیش کیں۔ تب انھوں نے کہا: "اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنا تو نہایت خوفناک بات ہے۔ اور کسی کو قتل کرنا بھی خوفناک بات ہے۔ ہاں تینوں

شرطوں میں سب سے زیادہ آسان شراب پی لینا ہے" پس انھوں نے شراب پی لی۔ اور وہ نشہ میں بدمست ہو گئے اور اُس عورت سے مشغول ہو گئے...... اسی حالت میں انھیں ایک آدمی نے دیکھ لیا اور انھوں نے اس آدمی کو قتل کر دیا" کلبی بن انس سے روایت ہے کہ: "انھوں نے بُت کی بھی پوجا کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زہرہ کو ایک ستارہ بنا دیا۔ علی، سعدی اور کلبی سے روایت ہے کہ اس عورت نے کہا کہ: "تم مجھے اس وقت تک حاصل نہیں کر سکو گے جب تک تم مجھے وہ بات نہ سکھاؤ گے جس کے ذریعہ سے تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو۔ پس انھوں نے کہا کہ: "ہم اسم اعظم کے ذریعہ سے آسمان پر جاتے ہیں" تب اس نے کہا کہ: "پس تم مجھے اس وقت تک حاصل نہ کر سکو گے جب تک تم مجھے وہ اسم اعظم نہ سکھا دو" تب ایک فرشتے نے اپنے ساتھی سے کہا: "سکھا بھی دو" تب دوسرے فرشتہ نے کہا کہ: "تحقیق میں خداوند تعالیٰ سے ڈرتا ہوں" اس پر دوسرے فرشتہ نے کہا کہ: "پھر اللہ تعالیٰ کا رحم کس کام آئے گا؟" الغرض انھوں نے اس عورت کو اسم اعظم سکھا دیا۔ پس جب اس نے وہ اسم اعظم پڑھا تو وہ آسمان پر چڑھ گئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایک ستارہ بنا دیا"

واضح ہو کہ "زُہرہ" سیارۂ "وینس" (Venus) کا عربی نام ہے۔ اس قصہ کے مختلف راویوں کے بیانات جو ہم نے درج کئے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں یہ قصہ کس قدر عام طور پر مسلّم ہے اور بذریعۂ احادیث نبوی ان تک پہونچا ہے۔ اس قصہ میں متعدد باتیں ایسی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ یہودی ذرایع سے ماخوذ ہے ان میں ایک تو یہ خیال ہے کہ جو شخص خدا کا ایک خاص نام "وہ نام جو بتایا نہیں جا سکتا" (Incommun-icable Name) (یہودیوں میں اس کا یہی نام ہے) جانتا ہے وہ بہت بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ مثلاً مشہور ہے کہ قدیم زمانہ کے بعض یہودی مصنفین نے یہ کہا تھا کہ یسوع مسیح جو معجزے دکھاتا ہے وہ خدا کا یہی نام "Tetragrammaton" (اسم اعظم) پڑھ کر دکھاتا ہے۔ علاوہ ازیں فرشتہ عزرائیل کا نام عربی نہیں بلکہ عبرانی ہے۔

مگر ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ براہ راست ثبوت اس بات کا ہے کہ یہ قصہ یہودی ذرائع سے ماخوذ ہے۔ اور وہ ثبوت "مدراش یلقوت" باب ۴۴ میں بایں الفاظ موجود ہے:

"ربی یوسف کے شاگردوں نے دریافت کیا: "عزائیل" (Azael) کیا ہے؟" اس نے جواب دیا کہ: "جب وہ قوم جو طوفان نوح کے زمانہ میں تھی اُٹھی اور فضول پرستش (یعنی بُت پرستی) کرنے لگی تو خدائے قدوس مبارک ہو نام اس کا، بہت ناراض ہوا۔ فوراً دو فرشتے "شمحازائی" (Shemhazai) اور "عزائیل" (Azael) اُٹھے اور اس کے حضور میں عرض پرداز ہوئے کہ: "یا رب العالمین! جب تو نے اپنی دنیا کو پیدا کیا تو کیا ہم نے تیرے حضور میں عرض نہیں کیا تھا کہ "انسان ہے کیا چیز جس کا تو اس قدر خیال ملحوظ رکھتا ہے؟"

(زبور، باب ۸ آیتہ ۴) اور خدا نے ان سے کہا: "اور اگر دنیا رہی تو اس کا کیا حشر ہوگا؟" تب فرشتوں نے عرض کیا کہ: "یارب العالمین! ہم اس پر حکومت کریں گے۔" تب خدا نے ان سے فرمایا: "مجھ پر یہ بات ظاہر ہے کہ اگر تم کو دنیا پر غلبہ دیا جائے، تو وہاں خواہشات نفسانی تم پر حاوی ہو جائیں گی۔ اور تم بنی نوع انسان سے بھی زیادہ سرکش ہو جاؤ گے"۔ تب انھوں نے عرض کیا کہ: "تو ہم کو اجازت دے تاکہ ہم انسانوں میں جا کر رہیں۔ اور تو دیکھے گا کہ ہم کس طرح تیرے نام کی تقدیس کرتے ہیں"۔ خدا نے فرمایا کہ: "اچھا جاؤ اور ان کے ساتھ رہو"۔ فوراً شمحازائی نے ایک نوجوان دوشیزہ دیکھی جس کا نام استر (Esther) تھا۔ اُس نے اس لڑکی پر اپنی آنکھیں جمالیں اور کہا: "مجھ پر تلطف کرو"۔ اس لڑکی نے کہا کہ "میں اس وقت تک تیری بات ہرگز نہ سنوں گی جب تک تم وہ عجیب نام (خدا کا) مجھے نہ سکھا دو گے جس کو پڑھ کر تم آسمان پر چلے جاتے ہو"۔ اس نے وہ نام اس کو سکھا دیا۔ جب اس نے وہ نام پڑھا تو وہ بھی آسمان پر چڑھ گئی اور ذلیل نہ ہوئی۔ خدائے قدوس نے، مبارک ہو نام اس کا، فرمایا کہ: "چونکہ اس نے خود کو خطا و قصور سے علٰحدہ رکھا ہے اس لئے جاؤ اور اسے ہفت کواکب میں داخل کر دو تاکہ تم اس کی طرف سے ہمیشہ پاک رہو"۔ پس اسے ثریا میں رکھ دیا گیا۔ انھوں نے خود کو فوراً بنات حوا کے ساتھ ذلیل کر لیا جو خوبصورت تھیں۔ اور وہ اپنی خواہشات پوری نہ کر سکے۔ وہ اُٹھے اور انھوں نے بیویاں کر لیں اور دو لڑکے حِوّا (Hiwwa) اور حِیّا (Hiya) جنوائے۔ اور عزرائیل کے پاس بہت قسم کے زیورات اور بہت سی قسم کا سامان آرائش و زیبائش تھا۔ جن کے باعث مرد عورتوں پر مایل ہو کر خاطی ہو جاتے ہیں"۔

آخری فقرہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا اعادہ ہم آگے چل کر پھر کریں گے۔ یہ بات واضح ہونا چاہئے کہ مدراش کا "عزرائیل" وہی ہے جو اسلامی روایت میں "عزرائیل" ہے"۔

ناممکن ہے کہ اسلامی اور یہودی روایات کا جب مقابلہ کیا جائے تو یہ نہ معلوم ہو کہ اول الذکر روایت موخر الذکر سے ماخوذ ہے۔ لفظ بلفظ نہیں بلکہ اس صورت میں جیسے کہ وہ زبانی بیان کی گئی تھی۔ مگر اسلامی قصہ میں چند باتیں ایسی ہیں جن پر اس مسئلہ کی تحقیقات سے قبل کہ "یہودیوں نے یہ قصہ کہاں سے سیکھا؟" غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ان میں ایک بات تو یہ ہے کہ ہاروت و ماروت نام کہاں سے آئے؟ بیان کیا گیا ہے کہ پہلے ان فرشتوں کے نام اور تھے یعنی ایک کا نام "عزّا"، اور دوسرے کا نام "عزآبی" تھا۔ ان دونوں ناموں کا مادّہ عبرانی اور عربی زبانوں میں ایک ہی ہے مگر "مدراش یلقوت" (Midrash Yalkut) میں ان فرشتوں کے نام جنھوں نے گناہ کیا "شمحازائی" اور "عزرائیل" درج ہیں۔ عربی روایت میں لکھا ہے کہ اگرچہ عزرائیل، ہاروت و ماروت کے ساتھ زمین پر اُترا تھا اور وہ اس جماعت کا تیسرا رکن تھا۔ مگر وہ بعد میں بغیر کوئی گناہ کئے آسمان پر چلا گیا تھا۔ اب مسلمان لوگ اس فرشتہ عزرائیل کو "ملک الموت" خیال کرتے ہیں۔ اور یہودیوں کے یہاں موت کا فرشتہ "سمائیل" (Sammael) ہے۔ عربی روایت میں ہے کہ ان فرشتوں کے نام ہاروت و ماروت ارتکاب معصیت سے قبل نہیں رکھے گئے تھے۔ اس کے اندر

جو معنی پنہاں ہیں وہ اس وقت صاف ظاہر ہو جاتے ہیں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ دونوں نام دو قدیم ارمنی بتوں کے ہیں جن کی وہ تیسری اور چوتھی صدی میں عیسائی ہونے سے قبل پوجا کرتے تھے۔ ارمنی زبان میں ان کے نام "هوروت" (Horot) اور "موروت" (Morot) ہیں۔ زمانۂ حال کے ایک ارمنی مصنف نے بیان کیا ہے کہ اس کے وطن کی قدیم خرافیات میں یہ دونوں دیوتا کیا کام کرتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"اسپندرامیت (Spandaramit) دیوی کے معاونین میں یقیناً ہوروت و موروت کوہ جودی کے نیم دیوتا اور "امینا بیگھ" (Amena begh) اور غالباً دیگر دیوتا بھی تھے جن کا نام اب ہم کو معلوم نہیں ہے یہ دیوتا زمین کی پیداوار اور منفعت بڑھانے میں خاص کارکن تھے۔"

آرمینیا کی "اسپندرامیت" وہی ہے جو اوستا کی "سپنتا آرمیتی" ہے۔ یہ ایک مونث فرشتہ ہے جو زمین کی قوتوں کا ناظم اور نیک عورتوں کی سرپرست ہے۔ ہوروت اور موروت بھی اوستا میں بصورت "هوروات" یا "هورو تات" (Haurvat or Haurvatat) یعنی "کثرت یا افراط" اور امرتات (Ameretat) یعنی "بقا" موجود ہیں۔ یہ امشاسپندوں (Amshaspantas or Amshaspands) میں جس کے معنی ہیں "حسین و جمیل لافانی دیوتا" پانچویں اور چھٹے نمبر پر ہیں۔ جن ملائکہ مقربین یا فرشتگان اعلیٰ کو "امشاسپند" کہتے ہیں یہ "آہورومزداؤ" (Ahura Mazdao) "خالق خیر" کے معاونین خاص اور کارکن ہیں۔ یا بالفاظ دیگر "کارکنان قضا و قدر" یہی ہیں۔ جس طرح خرافیات آرمینیا میں ہوروت و موروت ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے اسی طرح اوستا میں ہورتات اور امرتات جدا نہیں ہو سکتے۔ دونوں ارمنی دیوتا تمام عالم نباتات کے رب النوع ہیں۔ بعد کو فارسی زبان میں اوستا کے الفاظ کا تلفظ بگڑ کر "خورداد" اور "مرداد" (Khurdad + Murdad) ہو گیا اور انھیں دونوں مبارک دیوتاؤں یا موکلوں کے ناموں پر تیسرے اور پانچویں شمسی مہینوں کے نام رکھے گئے۔ مگر یہ الفاظ خالص آریا زبان کے الفاظ ہیں۔ اور سنسکرت میں ان کی اصلی صورت "سروتا" (Sarvata) اور "امرتا" (Amrita) ہیں۔ پہلا نام رگوید میں بصورت "سرواتاتی" (Sarvatati) آیا ہے۔ آریا روایات میں یہ دیوتا زمین کو زرخیزی بخشنے والے ہیں۔ انکی تشخیص کر کے ان کو "سپنتا آرمیتی" کا نام دیا گیا۔ اور ہر قسم کی پیداوار پر اس دیوی کی سیادت قائم کر دی گئی۔ یہ مقدس اور پاک مخلوق تھے اور ان کا زمین پر نازل ہونا اہورامزدا کے حکم سے ہوا تھا، جیسا کہ اسلامی روایت میں ہے۔ مگر دراصل ان کے نزول کا مقصد کسی قسم کی معصیت سے متعلق نہ تھا۔ آرمینیا اور ایران قدیم کی خرافیات سے ان کے نام لیکر محمدؐ (یا ان کے راویوں نے) گڑبڑ کر دی اور انھیں یہودی خرافیات کے دو گنہگار فرشتے بنا دیا۔ آگے چل کر ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ محمدؐ نے ایرانی اور یہودی ذرائع سے کچھ کم باتیں اخذ نہیں کی تھیں۔ اور اگرچہ ایرانی اور یہودی روایات بالکل علحدہ علحدہ تھیں مگر پھر بھی ان میں اسقدر کافی یکسانیت تھی کہ محمدؐ نے

ن کو ایک ہی قصہ سمجھا۔ اور اسی لئے جو قصہ خاص خاص باتوں میں یہودیوں کی تالمود سے لیا گیا تھا اس کے اندر آریا قوم کے دو دیوتا بھی شامل ہو گئے۔

یہودی روایت میں جس لڑکی کا نام استر (Esther) بتایا گیا ہے وہ دراصل قدیم اہل بابل کی دیوی "اشتار" (Ashtar) تھی جس کی پرستش ممالک شام و فلسطین میں "اشتاریت" (Ashtareth) کے نام سے ہوا کرتی تھی۔ یہ عشق و محبت کی دیوی تھی۔ یونانیوں میں اس کا نام "آفرودیتہ" (Aphrodita) اور رومیوں میں "وینس" (Venus) تھا۔ اور چونکہ اسی دیوی کو سیارۂ "وینس" (Venus) بھی بتایا جاتا تھا جسے اہل عرب "زہرہ" کہتے ہیں، اس لئے بآسانی خیال میں آسکتا ہے کہ یہ تمام نام ایک ہی ہستی کے ہیں اور یہودی و عربی ناموں میں اگر کچھ فرق ہے تو وہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔

یہ بھی ہم کو بخوبی معلوم ہے کہ بابلی اور آشوری خرافیات میں اشتار دیوی نے کیا کیا کام کئے تھے۔ اسکی عشقبازی کے ایک واقعہ کا ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے کسی قدر معلوم ہوگا کہ فرشتوں کی معصیت کاری کا ماخذ کیا ہے اور اس واقعہ پر بھی کچھ روشنی پڑے گی کہ زہرہ یا استر کو آسمان پر چڑھنے کے قابل کیونکر بنایا گیا اور وہ آسمان پر واقعی چڑھ گئی۔

خرافیات بابل میں بیان کیا گیا ہے کہ اشتار ایک بہادر شخص مسمی گلگامیش (Galgamesh) کے عشق میں مبتلا ہو گئی مگر اس شخص نے اپنی چاہنے والی کی طرف التفات نہ کیا۔

"گلگامیش نے اپنا تاج پہنا، اور گلگامیش کی طبیعت اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اشتار دیوی نے اس سے کہا: گلگامیش! تو مجھے پیار کرلے۔ اے کاش تو میرا دولہا ہوتا۔ لا تو مجھے اپنا پھل بطور تحفہ عنایت کردے اور کاش تو میرا شوہر اور میں تیری بیوی ہوتی۔ اسوقت تو سنگ لاجورد اور زر خالص کی گاڑی میں سوار ہو کر نکلتا۔ جس کے پہیئے سونے کے ہیں اور جس کے دونوں بم ہیرے کے ہیں۔ تب تو ہر روز بڑے خچروں پر ساز کستا۔ اور ہمارے گھر میں چوب قیدار کی خوشبو سے معطر آتا۔"

مگر جب گلگامیش نے اس کا کہنا ماننے سے انکار کردیا۔ اور اس کے بہت سے پہلے شوہروں کے نام لیکر طعن و تشنیع کی، جن کا حشر خراب ہو چکا تھا تو قصہ میں لکھا ہے کہ:

"اشتار دیوی ناراض ہو گئی اور آسمان پر چلی گئی۔ اور اشتار دیوی خداوند آنو (Anu) کے سامنے آئی۔"

واضح ہو کہ بابل کی قدیم ترین خرافیات میں آنو بہشت اور بہشت کا خدا یا دیوتا تھا اور اشتار اس کی بیٹی تھی۔ اس بیان میں اسلامی روایت کی طرح اشتار دیوی کا آسمان پر چڑھنا پایا جاتا ہے۔ اسلامی روایت میں دو فرشتوں کو گناہ کرنے کے لئے ورغلاتی ہے بالکل اسی طرح سے جیسے کہ بابلی قصہ میں اشتار نے گلگامیش کو ترغیب دی تھی۔

جیسا قصہ قرآن اور احادیث میں لکھا ہے ویسا ہی ایک قصہ سنسکرت لٹریچر میں بھی ہے - یہ مہا بھارت میں سُندا اور اُوپسُندا کا قصہ ہے - اس قصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی زمانہ میں سُندا (Sunda) اور اُوپسُندا (Upsunda) دو بھائی تھے جنھوں نے اس قدر تپشیا یا ریاضت کی اور اس قدر ممتاز و محترم ہو گئے کہ بالآخر زمین و آسمان پر ان کی حکومت ہو گئی - یہ بات دیکھ کر برھما کو تشویش پیدا ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ دونوں بھائی اس کی حکومت بھی چھین لیں - ان دونوں کو ورغلانے کے لئے جو طریقہ برھما نے اختیار کیا وہ یہ تھا کہ اس نے سورگ لوک (جنت) سے ایک خوبصورت دوشیزہ بھیجنا پسند کیا - قدیم ہندوؤں میں ان بہشتی نازنینوں کا نام "اپسرا" ہے اور مسلمانوں میں ان کو حور کہتے ہیں - الغرض برھما نے ایک نہایت ہی حسین و جمیل اپسرا پیدا کی جس کا نام تلوتما تھا - اور اس اپسرا کو اس نے ان دونوں بھائیوں کے پاس بطور ہدیہ بھیجا - جب انھوں نے اس حسین و جمیل اپسرا کو دیکھا تو سندا نے اس کا داہنا اور اوپسندا نے بایاں ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں کی خواہش یہ ہوئی کہ اُسے اپنی بیوی بنائیں - نتیجہ یہ ہوا کہ رشک و حسد کی وجہ سے دونوں بھائیوں میں نفرت اور عداوت پیدا ہو گئی اور انھوں نے ایک دوسرے کو قتل کر ڈالا - اس کے بعد تلوتما ، برھما کے پاس واپس چلی گئی - جو اپنے حریفوں کی تباہی و ہلاکت سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے تلوتما کو برکت دی اور کہا کہ : "تمام دنیا میں جس پر آفتاب عالمتاب درخشاں ہوتا ہے تو گردش کرتی رہے گی اور کوئی شخص تیرے حسن و جمال کی جلالت اور تیرے بناؤ سنگار کی درخشانی کے باعث تیری طرف نظر جما کر دیکھ نہ سکے گا"

اس قصہ میں بھی اس اپسرا کا آسمان پر چڑھنا پایا جاتا ہے - اگرچہ یہ ہندوانی قصہ بابلی قصہ کے مطابق اور اسلامی قصہ سے محض اس قدر مختلف ہے - کہ عورت کا تعلق پہلے ہی ملاء اعلیٰ سے تھا کیونکہ اپسرائیں بہشت میں رہتی ہیں اگرچہ وہ کبھی کبھی زمین کی بھی سیر کرنے آتی ہیں - اور اشتار دیوی تھی - ہندوانی قصہ میں دونوں بھائی پہلے ہی سے زمین پر تھے اگرچہ وہ رفتہ رفتہ زمین و آسمان دونوں پر قابض ہو گئے تھے - اس صورت سے وہ بادی النظر میں ان دونوں فرشتوں سے مختلف ہیں جو یہودی اور اسلامی روایات کے مطابق آسمان سے اُترتے تھے - لیکن اس بارہ میں بھی یہ فرق بہت خفیف ہے - کیونکہ ہندوانی قصہ میں بھی یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ دونوں بھائی دِتی (Diti) نامی دیوی کی اولاد تھے جو ماروتوں (Maruts) کی بھی ماں تھی - لہٰذا ان مختلف روایات میں جو یکسانیت پائی جاتی ہے وہ نہایت حیرت انگیز ہے مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ مختلف قصے جو ان مختلف قوموں میں رائج تھے ان سب کا ماخذ ایک ہی ہے - یہودیوں نے اگر پورا قصہ نہیں ، تو کم از کم اس کا بہت کچھ حصہ ، خصوصاً اشتار یا استر (Ishtar or Esther) کا نام اور بعض دیگر تفصیلات ضرور اہل بابل سے لیں - اور اہل بابل نے یہ قصہ اپنے سے بھی زیادہ قدیم قوم عکادیوں (Akkadians) سے لیا تھا - یہ واقعہ فراموش کر کے کہ قصہ کا ماخذ ایک بُت پرست قوم کی روایت ہے یہودیوں نے اسے تالمود میں داخل کر لیا - اور یہودیوں کی سند پر اسے قرآن اور احادیث اسلامی میں جگہ مل گئی -

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہودیوں میں اس روایت کی بنیاد ایک عبرانی لفظ کے غلط معنی سمجھنے پر قائم ہوئی۔ کتاب پیدائش باب ۶ آیۃ ۱ ۔ لغایۃ ۴ میں ایک عبرانی لفظ "نیفیلیم" (Nephilim) آتا ہے۔ جس کی نسبت یہ سمجھا گیا کہ وہ فعل "نافل" سے مشتق ہے جس کے معنی "گرنا" ہیں ۔ اسی وجہ سے جوناتھن بن عُزّیل نے اپنے تارغم میں "نیفیلیم" کے معنی "مردود فرشتے" لے لئے ۔ القصہ یہ کہانی کچھ تو بابلی خرافیات سے جاہل یہودیوں نے لی اور کچھ اپنی طرف سے ایجاد کی ۔ گویا جس طرح قصۂ ابراہیم میں لفظ "اُور" کے غلط معنی لیکر "کلدانیوں کی آگ کی بھٹی" بنا دیا گیا تھا اسی طرح جوناتھن نے "نیفیلیم" کے غلط معنی لیکر یہ لکھدیا کہ "شمحازائی اور عزرائیل" آسمان سے گرا دئے گئے تھے اور وہ اس زمانہ میں زمین پر رہتے تھے"۔ الغرض "مدراش یلقوت" کا قصہ جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں وہ اس طرح سے پیدا ہوا۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ لفظ "نیفیلیم" اس لفظ سے مشتق ہے جس کے معنی "گرنا" ہیں ۔ تب بھی اسکی ضرورت نہیں تھی کہ نام کا پیدا ہونا اس طرح بیان کیا جاتا ۔ اونکیلوس (Onkelos) نے اپنے تارغم میں زیادہ دانشمندی سے کام لیا ہے ۔ اس نے سمجھا ہے کہ "نیفیلیم" ان لوگوں کو اس وجہ سے کہا گیا کہ وہ ایسے آدمی تھے جو بیکس و لاچار لوگوں پر شدت کے ساتھ پڑتے تھے"۔ اسی وجہ سے اس تارغم میں لفظ "نیفیلیم" کا ترجمہ "سخت آدمی" یا "ظالم لوگ" کہا گیا ہے زمانۂ حال میں بعض لوگوں نے "نیفیلیم" کا مادہ "نافل" یعنی "گرنا" قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے ۔ وہ لفظ مذکور کا سلسلہ عربی زبان کے لفظ "نبیل" سے ملاتے ہیں جس کے معنی "شریف" نیز "قادر تیر انداز" کے ہیں ۔ لیکن جہاں تک ہمارا خیال ہے لفظ "نیفیلیم" سومیری (Sumerian) مادہ سے نکلا ہے اور اس کا سماتیقی زبان کے کسی مصدر سے تعلق نہیں ہے ۔

چونکہ جاہل یہودی بہت زیادہ عجائب پرست واقع ہوئے تھے، اس لئے آسمان سے گرائے ہوئے فرشتوں کے ارتکاب معصیت کا قصہ اور بھی زیادہ حیرت انگیز ہوتا گیا ۔ اول اول تو صرف دو ہی "اُفتادہ فرشتے" بیان کئے گئے تھے اور یہ بھی گویا بابلی قصۂ اشتار و گلگامیش میں ایک اور شخص کا اضافہ تھا، لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا یہودی قصہ میں "فرشتگان اُفتادہ" کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا ۔ حتیٰ کہ صحیفۂ ادریس (Enoch) میں ایسے فرشتوں کی تعداد دو سو ہو گئی ۔ اور یہ سب زمین پر اسی غرض سے اُترے تھے کہ عورتوں کے ساتھ گناہ کریں ۔ ذیل میں ہم ایک اقتباس درج کرتے ہیں جو اس وجہ سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ اس میں ان قصوں سے جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں اور بھی زیادہ تفصیل سے کام لیا گیا ہے ۔ اس بیان کا آخری حصہ بھی قرآن اور مدراش یلقوت کے قصوں کے آخری حصوں سے ملتا جلتا ہے ۔ جس پر ہم بہت جلد آگے چلکر بحث کریں گے ۔

"اور ایسا واقعہ ہوا کہ جہاں کہیں آدمیوں میں بچے پیدا ہوئے تو اس زمانہ میں خوبصورت اور خوشنگل لڑکیاں پیدا ہوئیں ۔ اور فرشتوں نے جو فرزندانِ بہشت تھے ان لڑکیوں کو دیکھا اور ان کے لئے خواہش ظاہر کی ۔ اور وہ آپس میں

کہنے لگے: "آؤ اور انسانوں میں سے ہم اپنے لئے بیویاں پسند کریں اور ان سے بچے جنوائیں۔" سیمیاذآسس (Semizaas) نے جو ان کا سردار تھا ان سے کہا: "مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ یہ فعل کرنے سے انکار کردوگے اور اس وقت میں تنہا ہی اس گناہ عظیم کا مرتکب ٹھہرایا جاؤں گا۔" پس ان سب نے اس سے کہا کہ: "تو پھر آؤ ہم سب حلف اٹھائیں۔ اور وعدہ کریں کہ ہم ہرگز اس خیال سے باز نہ آئیں گے جب تک کہ ہم یہ کام پورا نہ کرلیں گے۔" پس ان سب نے حلف اٹھایا اور سخت قسم کھائی۔" اس کے بعد صحیفۂ ادریس میں باغی فرشتوں کے سرداروں کے نام درج کئے گئے اور پھر قصہ کا سلسلہ اس طرح جاری کیا گیا ہے: "اور انھوں نے اپنے لئے بیویاں پسند کرلیں اور ہر شخص نے اپنے لئے بیوی پسند کی ...... اور انھوں نے ان عورتوں کو زہر بنانا، جنتر منتر، اور جڑی بوٹیوں کا علم سکھایا..... عزرائیل نے انھیں شمشیر و سپر، زرہ بکتر اور دیگر اسلحہ بنانا سکھائے۔ ان کو فرشتوں کی تعلیمات سکھائیں۔ اس نے ان کو دھاتیں دکھائیں اور ان دھاتوں کو صاف کرنا اور ان سے کام لینا بتایا۔ انھیں کنگن، چوڑیاں اور دیگر زیورات بنانا سکھائے۔ ان کو غازہ، ابٹنہ، سرمہ، کاجل، مسی بنانا اور لگانا سکھایا اور انھیں مختلف قسم کے رنگ سکھائے اور جواہرات کا علم سکھایا۔

عورتوں کے زیوروں کی ایجاد کا بیان وہی ہے جو مدراش یلقوت میں بیان ہوا ہے۔ اس بیان سے آیات قرآنی کے معنی بھی بخوبی سمجھ میں آجاتے ہیں جہاں ہاروت و ماروت کا ذکر کرتے ہوئے محمدؐ نے قرآن میں یہ بیان کیا ہے کہ:

"فیتعلمون منهما ما یفرقون به بین المرء و زوجه۔ وما هم بضارین به من احد الا باذن الله و یتعلمون ما یضرهم ولا ینفعهم۔ ولقد علموا لمن اشتراه ما له فی الآخرة من خلاق۔ ولبئس ما شروا به انفسهم۔ لو کانوا یعلمون۔"

اب ہمارے خیال میں اس بات کا مزید ثبوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ قرآن میں ہاروت و ماروت کا قصہ یہودیوں سے لیا گیا ہے اور فرشتوں کے نام ارمنی اور بابلی اور غالباً عجمی اثر سے داخل ہوئے ہیں۔

طور سینا

اب ہم کچھ مثالیں اور پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودی روایات سے اسلام کس قدر متاثر ہوا ہے۔ سورۂ اعراف[1] میں لکھا ہے کہ:

"واذ نتقنا الجبل فوقهم کانه ظلة وظنوا انه واقع بهم۔ خذوا ما آتیناکم بقوة واذکروا ما فیه لعلکم تتقون۔" (آیۃ ۱۷۱)

جلالین اور دوسری تفاسیر میں لکھا ہے کہ "خدا نے کوہ طور سینا کو اس کی بنیادوں سے اوپر اٹھا دیا اور اسے سایبان

---

[1] یہی مضمون سورۂ بقر کی آیات ۶۳ اور ۹۳ میں آیا ہے۔

میں بنی اسرائیل کے سروں پر اُٹھائے رکھا۔ تاکہ اگر وہ احکام توریت کی پابندی نہ کریں تو وہ پہاڑ گراکر انھیں کچل دیا جائے۔ انھوں نے اس سے پیشتر احکام توریت ماننے سے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ احکام سخت زیادہ تھے۔ مگر جب خدا کی طرف سے ان کو یہ تہدید کی گئی تو انھوں نے توریت کو قبول کر لیا۔ اور اسی مفہوم کو مذکورۂ بالا آیت میں ظاہر کیا گیا ہے

اس مسئلہ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ماخذ یہودیوں کی کتاب "عبوداہ ذاراہ (Abodah Zarah ch. II) ہے۔ اس کی عبارت ملاحظہ ہو: "خدا نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں نے تم پر پہاڑ اس طرح ڈھک دیا جیسے ڈھکنا" علاوہ ازیں "سبت (Sabbath) میں بھی یہ ذکر ان الفاظ میں آیا ہے کہ "خدائے قدوس نے، ان پر پہاڑوں کو ہانڈی کی طرح اُلٹ دیا اور ان سے کہا کہ "اگر تم شریعت موسوی کو منظور کرتے ہو تو فبہا ورنہ تمھاری قبر یہیں بنے گی"۔

غالباً یہ کہنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ ناموس موسوی میں ایسا قصہ کوئی نہیں ہے۔ یہ قصہ ایک یہودی مفسر کی غلطی سے پیدا ہوا جس نے بائبل کے الفاظ کے غلط معنی سمجھے۔ کتاب خروج باب ۳۲۔ آیۃ ۱۹ میں لکھا ہے کہ "جب موسیٰ دو سنگین لوحیں اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے پہاڑ پر سے اُترے تو انھوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل ایک گوسالہ کی پرستش کر رہے ہیں۔ یہ شرمناک منظر دیکھ کر موسیٰ غضبناک ہو گئے اور انھوں نے وہ الواح سنگین اپنے ہاتھوں سے "زیر جبل" پھینک کر توڑ دیں۔" اسی کتاب خروج کے باب ۱۹۔ آیۃ ۱۷ میں لکھا ہے کہ: "جب خدا موسیٰ کو شریعت حوالہ کر رہا تھا تو بنی اسرائیل پہاڑ کے حصۂ زیریں میں (یا نیچے) کھڑے تھے"۔ الغرض دونوں صورتوں میں یہ مطلب ہے کہ بنی اسرائیل دامن کوہ میں تھے۔ مگر آخری زمانہ کے عجائب پرست اور یہودیوں نے الفاظ "زیر جبل" کی تشریح کرتے ہوئے پہاڑ کو اُٹھانے کی روایت گھڑلی۔

پہاڑ کے اُٹھانے کا قصہ ایک ہندو روایت میں بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب سری کرشن جی مہاراج نے اپنے وطن گوکل کے لوگوں کو ایک شدید طوفان باد و باراں سے محفوظ رکھنا چاہا تو انھوں نے دُنیا کا سب سے بڑا پہاڑ جس کا نام گوبردھن تھا جڑ سے اُکھاڑ لیا اور اسے چھتری کی طرح اپنے ہاتھ کی اُنگلیوں کے سروں پر سات دن تک لوگوں کے سروں پر تھامے رکھا"۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہودیوں نے یہ روایت ہندوؤں سے لی ہے۔ لیکن قرآن میں جو حصہ درج ہے وہ ضرور یہودیوں سے لیا گیا ہے۔

گوسالۂ سامری صرف یہی ایک عجیب و غریب قصہ نہیں ہے جو قرآن میں بنی اسرائیل کی نسبت بیان کیا گیا ہو اس سے زیادہ عجیب قصہ گوسالہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے، جس کی پرستش بنی اسرائیل نے موسیٰ کی غیبت میں کی تھی۔ سورۂ طٰہٰ میں بیان کیا ہے کہ "جب موسیٰ پہاڑ سے واپس آئے اور انھوں نے گوسالہ پرستی پر بنی اسرائیل کو بُرا بھلا کہا تو انھوں نے جواب دیا:۔ " قالو ما خلفنا موعدک بملکنا ولاکنا حملنا

اوزاراً من زینۃ القوم فقذفنا ہا فکذالک القی السامری۔ فاخرج لہم عجلاً جسداً لہ خوار فقالو ہذا الٰہکم و الٰہ موسیٰ۔ فنسی"۔

تفسیر جلالین میں اس پر یہ نوٹ دیا گیا ہے کہ "وہ گوسالہ گوشت اور خون کا بنا ہوا تھا اور وہ بولنے کی قوت رکھتا تھا۔ کیونکہ اس میں جان اس طرح پڑگئی تھی کہ سامری نے ایک مٹھی خاک کی اس جگہ سے اٹھالی تھی جہاں جبرئیل کے گھوڑے کا پاؤں پڑا تھا اور یہ خاک اس نے گوسالہ کے منہ میں رکھ دی تھی"۔

یہ روایت بھی یہودیوں سے لی گئی ہے جیسا کہ "Pirqey Rabbi Eliezer" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے: "وہ گوسالہ ڈکارتا ہوا نکلا اور بنی اسرائیل نے اسے دیکھا۔ ربی یہوداہ کا قول ہے کہ اس گوسالہ کے اندر سمائیل پوشیدہ تھا اور وہی ڈکار رہا تھا تاکہ بنی اسرائیل کو دھوکا دے"۔ یہ خیال کہ وہ گوسالہ بولتا تھا غالباً اس مفروضہ سے پیدا ہوا ہے کہ اگرچہ وہ سونے کا بنا ہوا تھا مگر تھا زندہ، کیونکہ آگ سے "نکلا تھا" یہ ایک شاعرانہ طرز ادا ہے جس کے لفظی معنی لیکر یہ قصہ گھڑ لیا گیا۔ صاحب جلالین نے گوسالہ کا "گوشت اور خون" سے بنا ہوا ہونا غالباً اس لئے ظاہر کیا کہ وہ بولتا تھا اور سونے کے بنے ہوئے گوسالہ کا بولنا ان کے نزدیک خلاف عقل تھا۔ بہرحال یہ روایت بھی یہودیوں سے لی گئی ہے، لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہودی روایت کے لفظ سمائیل کو اچھی طرح نہیں سمجھا گیا۔ یہودیوں کے یہاں ملک الموت کو سمائیل کہتے ہیں اور غالباً سامری اسی کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ سامری کا لفظ استعمال کرنے کی ایک وجہ اور یہ بھی ہوسکتی ہے کہ محمدؐ جانتے تھے کہ یہودی قوم سامریوں سے نفرت کرتی ہے۔ (کیونکہ گوسالہ، سامری نے بنایا تھا) اور ممکن ہے انھیں کہیں یہ بھی سن لیا ہو کہ یربعام (Jeroboam) نے جو بعد میں سامریہ کا بادشاہ کہلایا، یہودیوں سے گوسالاؤں کی پرستش کرائی تھی، لیکن لطف یہ ہے کہ جس زمانہ میں گوسالہ کا بنانا ظاہر کیا جاتا ہے اس وقت تک شہر سامریہ آباد بھی نہ ہوا تھا اور غالباً موسیٰ سے کئی سو برس بعد تک اس کا نام بھی یہ نہ رکھا گیا تھا۔ اس لئے یہ تاریخی غلطی اور زیادہ دلچسپ ہے اگر محمدؐ روایات بائبل سے زیادہ واقف ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ گوسالہ طلائی کا بنانے والا ہارون تھا اور بائبل میں نہ "سمائیل" کا کوئی ذکر پایا جاتا ہے نہ "سامری" کا۔

خدا کا مشاہدہ ایک جگہ سورۂ بقر میں لکھا ہے کہ: "واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک حتیٰ نری اللہ جہرۃً فاخذتکم الصاعقۃ وانتم تنظرون۔ ثم بعثناکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون"۔

"یعنی بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم خدا کو صاف طور سے نہ دیکھ لیں گے (اور جب وہ خدا کے جلوہ کے لئے دیکھ رہے تھے) تو ان پر ایک بجلی گری اور وہ مر گئے مگر بعد میں اللہ نے انھیں پھر زندہ کر دیا"۔ یہ فسانہ بھی یہودیوں سے لیا گیا ہے۔ کتاب "سانہیڈرین" (Sahendrin)

میں لکھا ہے کہ "وہ خدا کی آواز (رعد کے پردہ میں) سنتے ہی مر گئے۔ مگر ناموس موسیٰ نے ان کی شفاعت کی۔ اس لئے انھیں پھر زندہ کر دیا گیا"۔ اس فسانہ کی اصلی بنیاد کتاب خروج باب ۲۰۔ آیۃ ۱۹ ہے جس میں عبرانیوں کے یہ الفاظ درج ہیں کہ: "خدا کو ہم سے نہ بولنے دو کہیں ایسا نہ ہو ہم مر جائیں"۔

لوحِ محفوظ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن آفرینش عالم سے بھی بہت پہلے "لوح محفوظ" پر لکھ دیا گیا تھا یہ عقیدہ ان کا سورۂ انبیاء کی اُن آیات کی بنا پر ہے جہاں قرآن مجید کو لوح محفوظ پر لکھا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ مسلمان زبور کو کیوں اتنا ہی قدیم نہیں مانتے حالانکہ اسی سورۂ انبیاء میں لکھا ہے کہ:

"ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر انّ الارض یرثھا عبادی الصالحون"۔ "یعنی یقیناً ہم نے زبور میں لکھد یا تھا بعد ذکر کے کہ جہاں تک زمین کا تعلق ہے، میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے"۔

اس آیت کا اشارہ زبور داؤد باب ۳۷۔ آیۃ ۲۹ کی طرف ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے: "زمین کے وارث ہوں گے" صرف یہی ایک آیۃ بائبل کی ایسی ہے جو قرآن میں دی گئی ہے، ورنہ یوں توریت، زبور و انجیل کے نام اکثر جگہ لئے گئے ہیں اور ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ جب تک کوئی کتاب پہلے سے موجود نہ ہو نہ اس کی عبارت نقل کی جاسکتی ہے نہ اس کا حوالہ دیا جاسکتا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ بائبل کے صحیفے قرآن کے وجود میں آنے سے پہلے موجود ہونگے اور تاریخ بھی اس کی شاہد ہے، پھر مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ قرآن لوحِ محفوظ میں تخلیق عالم سے پیشتر ہی منقوش تھا کیا معنی رکھتا ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو پھر بائبل وغیرہ اس سے پہلے منقوش ہو چکی ہوں گی ورنہ ان کا حوالہ قرآن میں کیوں ہوتا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ احادیث و روایات "لوح محفوظ" کے بارہ میں کیا کہتی ہیں۔ اس کا جواب ہم کو "قصص الانبیاء"[1] جیسی کتابوں سے ملتا ہے۔ اس کتاب میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ خدا نے تمام چیزوں کو کیونکر پیدا کیا لکھا ہے کہ:-

"عرش اعظم کے نیچے اس نے ایک دانہ مروارید پیدا کیا اور اس مروارید سے اس نے "لوح محفوظ" بنائی۔ اس لوح کا طول سات سو برس کی راہ اور اس کا عرض تین سو برس کی راہ تھا۔ اس کے حاشیہ پر چاروں طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے لعل و یاقوت کے ذریعہ سے نقاشی کی تھی۔ بعد ازاں قلم کو حکم ہوا کہ: "لکھ اے قلم میری تمام مخلوق کی نسبت اور جو کچھ تا قیامت ہوگا اس کی نسبت میرا علم"۔ پہلے قلم نے "لوح محفوظ" پر لکھا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اللہ ہوں اور میرے سوائے اور کوئی معبود نہیں۔ جس کسی نے میرا حکم مانا اور جو تکلیف اس کو میری طرف سے

---

[1] یقیناً قصص الانبیاء کوئی معتبر کتاب نہیں، لیکن اس قسم کی روایات ضرور پائی جاتی ہیں اور ان کی تحقیق ضروری ہے۔ (نیاز)

پہونچے گی اسے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا اور میری نعمتوں کا شکریہ ادا کیا میں نے لکھدیا ہے اس کا نام اور وہ صادقین کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔ اور جو شخص میرے حکم سے خوش نہ ہوا اور جو تکلیف اسے میری طرف سے پہونچی اسے صبر و شکر کے ساتھ برداشت نہ کیا اور میری نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا، اسے چاہئے کہ وہ کوئی دوسرا اللہ تلاش کرلے اور میرے آسمان کے نیچے سے چلا جائے۔ پس قلم نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں ہر چیز کی نسبت قیامت تک کا حال لکھا، حتیٰ کہ درخت کا پتہ ہلنے، گرنے یا اوپر اُڑنے تک کا حال درج کیا۔ اور اس نے ایسی تمام باتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے لکھیں۔"

"لوح محفوظ" کا خیال مسلمانوں میں یہودیوں سے لیا گیا ہے۔ بائبل کی کتاب استثنار باب ۱۰ آیۃ الغایۃ ۵ میں لکھا ہے کہ "جب موسیٰ نے خدا کے حکم سے ویسی ہی دو لوحیں پتھر تراش کر بنائیں جیسی انھوں نے توڑ دی تھیں تو خدا نے ان پر احکام عشرہ تحریر فرما دئے اور موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ ان الواح کو "Shittim" یعنی ببول کی لکڑی کے صندوق میں محفوظ رکھے۔ اس مقام پر عبرانی زبان میں جو لفظ تختی کے لئے لکھا ہے وہ وہی ہے جو عربی زبان میں ہے۔ اور بائبل کی کتاب سلاطین حصہ اول باب ۸ آیۃ ۹ اور صحیفہ عبرانیان باب ۹ آیۃ ۳ و ۴ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں لوحیں صندوقِ میثاق میں "محفوظ" رکھی گئی تھیں جو موسیٰ نے خدا کے حکم کے مطابق بنایا تھا۔

یہ ہے وہ بیان جس کی بنا پر "لوح محفوظ" پر شریعت خداوندی کا خدا کی قدرت سے درج ہونے کا خیال رفتہ رفتہ پہلے یہودیوں میں پیدا ہوا اور بعد ازاں مسلمانوں میں آگیا۔ قرآن کی جو آیۃ "لوح محفوظ" کے بارہ میں ہے اس میں: "بل ھو قرآنٌ مجید فی لوحٍ محفوظ" لکھا ہے یعنی "ایک لوح" جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمدؐ کے ذہن میں کم از کم دو لوحیں ضرور تھیں اور چونکہ لوحیں الاسندوق ہیکل کے اندر رکھا جاتا تھا جو اس بات کی علامت تھا کہ خدا بنی اسرائیل کے ساتھ موجود ہے لہٰذا ان الواح کی نسبت یہ کہا جانا قدرتی امر تھا کہ وہ لوحیں خدائی جناب میں محفوظ ہیں۔ اس طرح سے یہ خیال پیدا ہوا کہ "لوح محفوظ" آسمان پر ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محمدؐ نے یہ کیوں بیان کیا کہ قرآن "لوح محفوظ" میں درج ہے؟ اس کے جواب کے لئے ہمیں پھر یہودیوں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور معلوم کرنا ہوگا کہ محمدؐ کے زمانہ میں اور اس سے قبل یہودیوں کا اس بارہ میں کیا خیال تھا کہ الواح محفوظ پر کیا لکھا ہوا تھا؟ باوجود اس کے کہ کتاب استثنار میں صراحت لکھا ہوا ہے کہ ان تختیوں پر صرف احکام عشرہ لکھے ہوئے تھے، مگر کچھ عرصہ بعد یہ خیال پیدا ہوگیا کہ عہدنامہ عتیق کے تمام صحائف مع تمام تالمود کے یا تو ان تختیوں پر لکھے ہوئے تھے یا ان کے ساتھ خدا نے دئے تھے۔ جب محمدؐ نے یہودیوں کا یہ قول اپنی کتب مقدسہ کے بارہ میں سنا ہوگا تو یقیناً انھیں بھی خیال ہوا ہوگا کہ جو کچھ ان پر الہام ہوتا ہے وہ بھی بعینہٖ درج "الواح محفوظ" میں درج ہوگا۔ گمان غالب ہے کہ مسلمانوں نے بعد میں یہ سمجھنا شروع کیا کہ "الواح محفوظ" سے کس طرف

اشارہ ہے رفتہ رفتہ اس کے متعلق بہت سی عجیب باتیں گھڑ لیں۔

اس امر کی تصدیق کے لئے کہ یہودیوں کا خیال "الواح محفوظ" کی تحریر کی نسبت کیا تھا، ہم کو رسالہ (Bera Kolh) کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ وہاں ہم کو ربی شمعون بن لاقیش کا یہ قول ملتا ہے کہ: "وہ کیا ہے جو لکھا ہوا ہے؟" اور میں تجھے پتھر کی لوحیں اور شریعت اور احکام جو میں نے لکھے ہیں دوں گا تاکہ تو انھیں سکھلائے"۔ (کتاب خروج باب ۲۴۔ آیۃ ۱۲) لوحوں سے مراد احکام عشرہ ہیں۔ شریعت سے مراد وہ ہے جو پڑھی جاتی ہے اور احکام سے مراد مشناۃ ہے اور الفاظ "جو میں نے لکھا ہے" سے مراد انبیاء اور Hagiographa ہیں، جن میں یہود کی تمام کتب مقدسہ مثلاً زبور، امثال، غزل الغزلات، واعظ، یرمیاہ کا نوحہ، آستر، دانیال، عذرا، ایوب، روت اور نحمیاہ وغیرہ سب داخل ہیں) اور الفاظ "تاکہ تو ان کو سکھلائے" سے مطلب (gemara) ہے اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں موسیٰ کو کوہ طور سینا سے دی گئی تھیں"۔

زمانۂ حال کا ہر فاضل یہودی آیۃ مذکور کی اس تفسیر کو غلط سمجھتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے مشناۃ کی تالیف سنہ ۲۲۰ء میں ہوئی تھی، یروشلم کا "gemara" سنہ ۴۳۰ء کے قریب لکھا گیا تھا۔ اور بابلی جمارہ کی تصنیف تقریباً سنہ ۵۲۰ء میں ہوئی تھی۔ مگر چونکہ مسلمانوں کو یہ باتیں معلوم نہیں تھیں اس لئے انھوں نے آیۃ مذکور کی مندرجہ بالا تفسیر کو بالکل صحیح سمجھ لیا اور ان کا اطلاق قرآن پر بھی کر دیا۔

دوسرا بڑا ثبوت اس امر کا کہ "لوح محفوظ" کا عقیدہ یہودیوں سے لیا گیا (Pirqey Aboth) باب پنجم فصل ۶ کا یہ بیان ہے "شریعت کی دونوں الواح نو دوسری چیزوں کے ساتھ آفرینش عالم کے وقت پیدا کی گئی تھیں اور یہ یوم السبت سے قبل کی شام کو ہوا تھا"

کوہ قاف قرآن کی ایک سورۃ کا نام ہے "سورۂ قاف" ہے اور وہ حرف "ق" سے شروع ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا خیال ہے کہ اس کا اشارہ "کوہ قاف" کی طرف ہے۔ تفسیر عباسی میں یہی بات تسلیم کی گئی ہے اور اس کی تائید میں ایک حدیث بیان کی ہے جو ابن عباس سے روایت کی گئی ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ "قاف ایک سرسبز و شاداب پہاڑ ہے جو تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور آسمان کی سبزی اسی کی وجہ سے ہے اور خدا نے اس کی قسم کھائی ہے"۔ تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ "خدا ہی خوب جانتا ہے کہ "قاف" سے کیا مطلب ہے"۔ کتاب عرائس المجالس میں اس کی تشریح زیادہ تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے اور لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پہاڑ سبز زمرد کا بنایا۔ آسمان کی سبزی اسی کی وجہ سے ہے۔ اس کا نام قاف ہے اور وہ تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور یہی ہے جس کی قسم خدا کھاتا ہے۔ اور قرآن شریف میں کہتا ہے "قسم ہے قاف کی"۔

"قصص الانبیاء" میں لکھا ہے کہ ایک روز عبداللہ ابن سلام نے محمد سے دریافت کیا کہ دنیا میں بلند ترین

چوٹی پہاڑ کی کون ہے؟ محمدؐ نے جواب دیا کہ "کوہ قاف"۔ مزید سوال کیا گیا کہ یہ پہاڑ کس چیز کا بنا ہوا ہے محمدؐ نے جواب دیا کہ: "سبز زمرد کا۔ اور آسمان کی سبزی اسی کے باعث ہے"۔ سائل نے یہ کہکر کہ خدا کے رسول نے اس بارہ میں صحیح فرمایا ہے دریافت کیا کہ "کوہ قاف کی اونچائی کس قدر ہے؟" محمدؐ نے جواب دیا کہ "اس کی بلندی پانسو برس کی راہ ہے"۔ عبداللہ نے پوچھا کہ "اس کی گولائی کس قدر ہے؟" جواب دیا گیا کہ "دو ہزار برس کی راہ"۔

اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ اس عجیب و غریب سلسلۂ کوہستان کے وجود کی کیا حقیقت ہے تو اس کا جواب یہودیوں کی تفسیر (Midrash Rabbah) باب ۹ فصل ۱ - میں ملتا ہے۔ بائبل کی کتاب پیدائش باب ۱ - آیۃ ۲ - میں ایک بہت ہی قلیل الاستعمال عبرانی لفظ "توہو" (Tohu) آتا ہے۔ اس کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ: "توہو" ایک سبز خط ہے جو تمام دُنیا کے گرد محیط ہے اور جس کے اندر سے تاریکی نکلتی ہے"۔ وہ عبرانی لفظ جس کے معنی ہم نے یہاں "خط" لکھے ہیں "قاو" ہے۔ محمدؐ اور ان کے متبعین نے یہ عبرانی لفظ تو سن لیا مگر ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس لفظ کے معنی "خط" کے ہیں۔ اس لئے انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ یقیناً جس چیز کو دُنیا کے گرد محیط بتایا گیا ہے اور جس میں سے تاریکی نکلتی ہے وہ ضرور ایک بڑا سلسلہ کوہستان ہے جس کا نام "قاو" یا "قاف" ہے[1]

آسمان و زمین کے سات طبقے

قرآن کی سورۂ "سبحٰن الذی اسریٰ" کی آیۃ ۴۴ میں لکھا ہے:۔ "تسبح لہ السمٰوٰت السبع والارض ومن فیھن"۔ اور سورۂ الحجر کی آیۃ ۴۳ و ۴۴ میں تحریر ہے کہ: "وان جہنم لموعدھم اجمعین، لہا سبع ابواب"۔ یعنی ایک آیۃ میں سات آسمانوں کا اور دوسری آیۃ میں دوزخ کے سات دروازوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں باتیں یہودی روایات سے ماخوذ ہیں۔ پہلی بات (Midrash Rabbah) باب ۹ فصل ۱۲ میں اور دوسری بات (Zohar) باب ۲ صفحہ ۱۵۰ پر درج ہے۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک بھی سطح زمین کے نیچے ہفت طبقات سفلی اور زمین کے اوپر ہفت طبقات علوی ہیں۔ اور یہ سب طبقات ایک عظیم الجسامت سانپ کے سر پر قایم ہیں جس کا نام "شیشناگ" ہے اس سانپ کے ایک ہزار سر ہیں۔ ان ہفت سمٰوات سے غالبًا سبع سیارہ کے افلاک یا سالانہ گردش کے راستے مراد تھے محمدؐ کے زمانہ میں ان اجرام سماوی کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ وہ زمین کے گرد گردش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی روایات میں درج ہے کہ ہفت طبقات الارض (Kojnhah) نامی بیل کے سینگوں کے درمیان قایم ہیں۔ اس بیل کے چار ہزار سینگ ہیں اور ہر سینگ دوسرے سے پانسو برس کی راہ کی مسافت پر واقع ہے۔ اس کے

---

[1] قصص الانبیاء وغیرہ میں جو روایات دی جاتی ہیں، وہ یقیناً صحیح نہیں ہو سکتیں، تاہم اس مسئلہ کی تحقیق ضروری ہے۔ (نیاز)

اتنے ہی کان، ناک، آنکھیں، منہ اور زبانیں ہیں جتنے کہ سینگ ہیں۔ اُس کے پاؤں ایک مچھلی پر قایم ہیں جو پانی میں تیرتی ہے۔ اس پانی کی گہرائی چالیس برس کی راہ ہے۔ (ملاحظہ ہو عرایس المجالس صفحات ۵ لغایۃ ۹) ایک دوسری روایت میں یہ لکھا ہے کہ زمین ایک فرشتہ کے سر پر قایم ہے اور اس فرشتہ کے پاؤں ایک بہت بڑے لعل پر قایم ہیں۔ اور یہ لعل بیل پر ہے۔ زمین اور بیل کے تعلق کا خیال غالباً آریا روایات سے ماخوذ ہے[1]۔

یہ روایت کہ زمین ہفت طبقات سفلی پر مشتمل ہے غالباً اس خیال سے ہے کہ زمین کو بھی آسمان ہی کے مطابق کر دیا جائے۔ غالباً یہ خیال ایک فارسی زبان کے غلط معنے سمجھنے کی بنا پر پیدا ہوا ہے جو اَوستا میں ایک جگہ لکھا ہے کہ زمین سات ([illegible]) پر مشتمل ہے جنھیں فی زماننا "ہفت اقالیم" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح پارسیوں کی کتاب ([illegible]) باب ۹ فصل ۳۱ میں لکھا ہے کہ "جمشید نے زمین کی ہفت اقالیم پر سلطنت کی اور یہ ایرانی اقالیم، ہندو جغرافیہ کے ([illegible]) کے بالکل مطابق ہے۔

عرش سورۂ ہود آیۃ میں اللہ تعالیٰ کے عرش کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ زمین و آسمان کے پیدا کئے جانے سے پیشتر "اس کا تخت یا عرش پانی پر یعنی ہوا میں تھا[2]"۔ اسی طرح بائبل کی کتاب پیدائش باب آیۃ ۲ کی تفسیر کرتا ہوا یہودی مفسر "رشی" (Rashi) ایک مشہور و معروف روایت کی بنا پر لکھتا ہے کہ "خدا کا تخت جلال ہوا میں قایم اور پانی پر جھکا ہوا تھا"۔

داروغہ جہنم مسلمان مصنفین بیان کرتے ہیں کہ فرشتہ مالک جس کا نام سورۂ زخرف آیۃ ۷۷ میں آیا ہے منجملہ ان اُنیس فرشتوں (سورۂ المدثر آیت ۲۹) کے ہے جو دوزخ کے مہتمم ہیں۔ اسی طرح یہودی روایات میں بھی "شہزادہ جہنم" کا نام آتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے "مالک" کا نام مولک (Molech or Melech) سے لیا ہے جو ایک دیوتا کا نام ہے جس کی نسبت بائبل میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلے زمانہ میں اس کی پرستش اہل کنعان کیا کرتے تھے اور یہ لوگ اس بت کے اعزاز میں زندہ آدمیوں کو جلا دیتے تھے۔ یہ لفظ عربی اور عبرانی دونوں میں ایک ہی معنی رکھتا ہے یعنی "مالک" یا "فرمانروا"۔

اعراف سورۂ اعراف میں لکھا ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک طبقہ ہے جس کا نام "اعراف" ہے اور اس سورہ کا نام بھی اسی لفظ کی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس میں طبقہ "اعراف" کا ذکر ہے۔ آیۃ حسب ذیل ہے:- "وبینہما حجاب، وعلی الاعراف رجال" "یعنی ان دونوں کے درمیان ایک پردہ ہے اور اعراف پر آدمی ہیں"۔ یہ خیال غالباً بائبل کی کتاب الواعظ باب ۷۔ آیۃ ۱۴ سے کیا مدراش (تفسیر) سے لیا گیا ہے جہاں اس

---

[1] یہ روایات قطعاً نامعتبر ہیں۔ (نیاز) [2] جلالین

سوال کا کہ "جنت و دوزخ کے درمیان کیا ہے؟" ربی یوحنا نے یہ جواب دیا کہ "ایک دیوار ہے" ربی آخاہ (Akhah) نے کہا کہ "ایک وقفہ ہے"۔ اور ربان (Rabban) کہتے ہیں کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہیں کہ روشنی کی شعاعیں ادھر سے اُدھر گزر جاتی ہیں۔ غالباً یہ خیال اوستا سے لیا گیا ہے جہاں فرجند (Fargand) باب ۱۹ میں جنت و دوزخ کے درمیانی طبقہ کا نام "مسوانو گاتوش" (Misvano gatu) لکھا ہے۔ یہ وہ مقام ہے "جہاں ان لوگوں کی روحیں رہتی ہیں جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہیں"۔ پہلوی زبان میں اس مقام کو "مسوات گاہن" (Misvat gah) کہتے تھے۔ پیروان زردشت کا قول ہے کہ دوزخ اور جنت کے درمیان وہی مقام ہے جو نور و ظلمت کے درمیان ہے۔ یہ خیال کہ جن لوگوں کے اعمال نیک و بد برابر ہوتے ہیں ان کے لئے ایک خاص مقام مقرر ہے دیگر مذاہب میں بھی رائج ہو گیا ہے۔

شیطان سورۂ الحجر کی آیۃ ۱۷ و ۱۸ میں شیطان کی نسبت لکھا ہے کہ: "وحفظنٰہا من کل شیطان رجیم الا من استرق السمع فاتبعہ شہاب مبین"۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اور دیگر ملائکہ مردود چوری سے ان احکام کو سننے کی کوشش کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ آسمان پر فرشتوں کو دیتا ہے۔ اسی خیال کی تکرار سورۂ الصافات اور سورۂ الملک میں بھی کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں یہ خیال یہودیوں سے آیا۔ کیونکہ "حقیقت" باب ۶ فصل ۱ میں لکھا ہے کہ شیاطین آیندہ واقعات کا علم حاصل کرنے کی غرض سے "پردہ" کے پیچھے سے سنتے ہیں"۔ قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ ان شیاطین کو بھگانے کے لئے ان پر شہاب ثاقب مارے جاتے ہیں۔

دوزخ کی آگ سورۂ قاف آیۃ ۳۰ میں جہاں قیامت کا ذکر ہوا ہے خدا کو یہ کہتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ: "وہ دن جب ہم دوزخ سے کہیں گے کہ کیا تو بھر گئی ہے؟ تو وہ کہے گی کہ کیا ابھی کچھ اور باقی ہے؟"۔ یہ وہی بات ہے جو (Rabbi Aqiba) کی کتاب (Othioth) باب ۸ فصل ۱ میں لکھی ہوئی ہے یعنی: "دوزخ کا حاکم کہے گا کہ مجھے پیٹ بھر کر خوراک دو"۔

فار التنور سورۂ ہود اور سورۂ المومنون میں بتایا گیا ہے کہ "حضرت نوح کے زمانہ میں آگ کی بھٹی اُبل پڑی"۔ یہ بات یقیناً یہودیوں کی کتاب روایات "روش ہشانہ" (Rosh Hashanah) باب ۱۶ فصل ۲ اور ساہنیدرین باب ۱۰۸ سے لی گئی ہے جن میں لکھا ہے کہ طوفان نوح کے زمانہ کی قوم کو "کھولتے ہوئے پانی کے ذریعہ سے سزا دی گئی تھی"۔ قرآن کا وہ تمام حصہ جہاں کفار نے نوح سے مذاق کیا ہے یہودیوں کی کتاب "ساہنیدرین" اور دیگر تفاسیر سے لیا گیا ہے۔ تفسیر جلالین میں اس آیۃ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایک نانبائی کا تنور اُبل پڑا اور یہ نوح کے لئے ایک علامت تھی کہ طوفان آنے والا ہے"۔

قرآن میں دوسری زبانوں کے الفاظ – اگر اس امر کا مزید ثبوت درکار ہو کہ اسلام پر یہودی روایات

کا اثر پڑا ہے، تو وہ اس واقعہ سے بہم پہونچ سکتا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں کو قرآن کے طرزِ ادا اور اس کی زبان کی پاکیزگی کا بہت بڑا دعویٰ ہے۔ اور وہ اس بات کو قرآن شریف کا ایک معجزہ اور اس کے الہامی ہونے کی ایک دلیل سمجھتے ہیں، مگر بایں ہمہ قرآن میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو خالص عربی نہیں ہیں بلکہ آرامی اور عبرانی زبانوں سے لئے گئے ہیں۔ انمیں سے کچھ الفاظ یہ ہیں:- طاغوت۔ سکینہ۔ حبر۔ جہنم۔ جنۃ عدن۔ تابوت۔ توراۃ۔ ملکوت۔ ماعون۔ فرقان ـ ـ ـ ان میں سے بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا مادہ تینوں زبانوں یعنی آرامی، عبرانی اور عربی میں ایک ہے مگر وہ عربی صرف ونحو کے مطابق مشتق نہیں ہوئے۔ مگر عبرانی اور آرامی زبانوں میں وہ بکثرت پائے جاتے ہیں اور اس لئے در اصل وہ انھیں زبانوں کے الفاظ ہیں۔ لفظ "فردوس" (Firdaus) آخری زمانہ کی عبرانی زبان سے لیا گیا ہے۔ مگر در اصل اس زبان میں بھی یہ قدیم فارسی زبان سے آیا تھا۔ اور فی الحقیقت یہ لفظ قدیم فارسی اور سنسکرت زبانوں کا لفظ ہے۔ لفظ "فردوس" عربی زبان کے لئے بھی اتنا ہی غیر ہے جتنا کہ لفظ Παράδεισος (فردوس) یونانی زبان کے لئے۔ چونکہ مسلمانوں مفسرین آرامی و عبرانی و قدیم فارسی و سنسکرت زبانیں نہیں جانتے تھے اس لئے وہ ان الفاظ کے صحیح معنی نہ بتا سکے۔ جب ہم کو ان الفاظ کے معنی اس طرح معلوم ہوگئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ سیاق وسباق میں ان الفاظ کا مطلب صحیح بیٹھتا ہے۔ مثلاً یہ ایک عام غلطی ہے کہ لفظ "ملکوت" سے مطلب مقام ملائکہ یا ان کی حالت سمجھی جاتی ہے۔ مگر یہ نہیں خیال کیا جاتا کہ اس لفظ کا مادہ "ملک" (فرشتہ) نہیں ہے بلکہ یہ لفظ وہی ہے جو عبرانی میں اس طرح لکھا جاتا ہے۔ "מלכות" (ملکوت بمعنی سلطنت)

طریق عبادت

یہ فرض کرنا تو غلطی ہے کہ مسلمانوں نے سر ڈھک کر نماز پڑھنا، جماعت کے وقت عورتوں کو مردوں سے علحدہ کر دینا یا نماز کے وقت جوتہ اُتار دینا یہودیوں سے سیکھا ہے۔ کیونکہ غالباً عربوں اور تمام سامی اقوام میں یہ رواج زمانۂ قدیم سے موجود تھا۔ لیکن وضو وغیرہ میں مسلمانوں نے غالباً یہودیوں کی تقلید کی ہے۔ گو پوری صحت کے ساتھ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔

یہ ہم کو معلوم ہے کہ کچھ عرصہ تک مسلمانوں نے یہودیوں کی تقلید میں یروشلم کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا طریقہ اختیار کیا تھا اور بعد میں مکہ کی طرف قبلہ مقرر کر دیا گیا۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے رمضان کے روزے رکھنا مسلمانوں نے یہودیوں سے نہیں بلکہ صابئین سے سیکھا تھا۔ روزہ کے باب میں ایک قاعدہ البتہ یقیناً یہودی ذریعہ سے لیا گیا ہے سورۂ بقر میں بوقت شب کھانے کا جہاں حکم دیا گیا ہے وہاں یہ لکھا ہے کہ: "کلوا واشربوا حتیٰ تبتین لکم خیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر۔ ثم اتموا الصیام الی الیل"۔ اں سیاہ و سفید ڈوروں کے رنگ میں امتیاز کرنے کا سوال اس لئے پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو طلوع آفتاب سے رات شروع ہونے تک روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس سلسلہ میں یہ جاننا ضروری تھا کہ دن کس وقت شروع ہوتا ہے۔ اسی لئے یہ آیۃ نازل ہوئی لیکن یہ ترکیب

"مشناۃ بیراخوث" (Mishnath Berakhoth) باب ۱ فصل ۲ سے لی گئی ہے جہاں لکھا ہے کہ " دن اسوقت شروع ہوتا ہے جب نیلے اور سفید ڈوروں کے رنگ میں امتیاز ہو سکے۔"

ہر ملک میں جہاں مسلمان آباد ہیں ان کو ہدایت ہے کہ جس جگہ بھی نماز پنجگانہ کا وقت آئے وہ اسی جگہ خواہ گھر میں ہوں یا مسجد میں یا بازار میں فوراً نماز پڑھ لیں۔ چنانچہ بہت سے مسلمان ایسا کرتے ہیں۔ اگر ہم اس طریقہ کا ماخذ معلوم کرنا چاہیں تو ہمیں یہودیوں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

وہ یہودی جو محمدؐ کے زمانہ میں عرب میں رہتے تھے ان فریسیوں (Pharisees) کی روحانی اور کسی حد تک صلبی اولاد تھے جن کی نسبت انجیل میں لکھا ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ روایت پرستیوں سے خدا کے کلام کو باطل کرتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مسیح کے زمانہ میں ان کو اس امر پر برا بھلا کہا جاتا تھا کہ وہ " معبدوں اور سڑکوں کے گوشوں میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں " تاکہ ان کو عوام سے اپنی پرہیزگاری کی پوری داد ملے۔ قدیم زمانہ کے فریسیوں اور زمانہ حال کے مسلمانوں میں اس قدر مشابہت ہے کہ مسلمانوں میں جو لوگ مسیحیت کے مخالف ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہی بات اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ انجیلوں میں تحریف کی گئی ہے اور کہتے ہیں کہ مندرجۂ بالا آیات اناجیل میں مسلمانوں کی نمازگزاری کا اس قدر ٹھیک بیان ہے کہ کسی عیسائی جس نے مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھا ہوگا اور جو مسلمانوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوگا یہ آیتیں لکھ کر انجیل میں داخل کر دی ہیں۔ اگر محمدؐ اور ان کے پیرووں نے اس معاملہ میں یہودیوں کی تقلید کی تو ان کے لئے یہ ایک قدرتی امر تھا۔ وہ جانتے تھے کہ یہودی حضرت ابراہیم کی نسل سے ہیں اور "اہل کتاب" ہیں۔ پس جب مسلمان ظاہری اور فروعی باتوں کو اس قدر اہمیت دیتے تھے تو کوئی تعجب انگیز بات نہیں جو انھوں نے یہودی طریقۂ عبادت کو بالکل صحیح سمجھ لیا ہو۔ مگر کہا یہ جاتا ہے کہ نماز پڑھنا جبرئیل نے سکھایا اور آج تک تمام مسلمان رکوع و سجود میں اسی کی تقلید کرتے ہیں۔

تعدد ازواج

سورۂ نسا میں بیویوں کی تعداد محدود کر دی گئی ہے۔ یعنی ایک وقت میں ایک مسلمان صرف چار بیویاں رکھ سکتا ہے۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ پہلے بہت سے مسلمانوں کے پاس اس سے زیادہ بیویاں تھیں۔ اس قاعدہ کا اطلاق محمدؐ پر نہیں ہوتا کیونکہ سورۂ احزاب میں لکھا ہے کہ محمدؐ کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ جتنی بیویاں چاہیں رکھیں۔ جس آیت میں بیویوں کی حد مقرر کی گئی ہے وہ حسب ذیل ہے :

" وان خفتم الّا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث وربع۔
فان خفتم الّا تعدلوا فواحدۃً او ما ملکت ایمانکم۔ ذالک ادنیٰ الّا تعولوا۔"

اس آیۃ کی تفسیر مفسرین ہمیشہ یہ کرتے چلے آئے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے ایک وقت میں چار بیویوں سے زیادہ رکھنا منع ہے۔ اگرچہ اُن کو اس امر میں پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ ان بیویوں میں سے کسی کو یا سب کو طلاق دیکر دوسری عورتوں سے نکاح

کرکے تعداد پوری کرلیں۔

جب ہم اس کی تحقیق کرتے ہیں تو ہمیں یہی تعلیم یہودیوں کے یہاں بھی ملتی ہے۔ ان کو ہدایت ہے کہ: ایک مرد بہت سی بیویاں کرسکتا ہے۔ کیونکہ ”ربّ“ کہتا ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے اگر تم ان کا خرچ برداشت کرسکو۔ باینہمہ عقلمندوں نے اس بارہ میں یہ نیک مشورہ دیا ہے کہ ایک مرد کو چار بیویوں سے زیادہ شادی نہ کرنا چاہئے۔“

رسول اللہ کا اُمّی ہونا

اس اعتراض کے جواب میں کہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ محمدؐ کا کلام ہے ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ محمدؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور اُن کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ عبرانی یا ارامی یا دیگر کتب کا مطالعہ کرتے جن سے ہم نے قرآن کی بہت سی باتیں براہ راست یا بالواسطہ ماخوذ ظاہر کی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”ایک ناخواندہ شخص کے لئے یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ اس قدر زبانوں کا لٹریچر مطالعہ کرے جن سے فی زمانہا بھی بہت کم لوگ واقف ہیں۔“

مسلمانوں کا یہ جواب دو باتوں پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ محمدؐ نہ لکھ سکتے تھے نہ پڑھ سکتے تھے۔ دوم آنکہ وہ صرف پڑھنے ہی سے ان روایات کا علم حاصل کرسکتے تھے جو اس زمانہ میں یہودیوں، نصرانیوں اور زرتشتیوں وغیرہ میں رائج تھیں۔ مگر ان دونوں کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ پہلی دلیل کی تائید میں مسلمانوں کی طرف سے سورۂ الاعراف کی وہ آیۃ پیش کی جاتی ہے جس میں محمدؐ کو ”نبی الاُمّی“ کہا گیا ہے۔ مسلمان لفظ ”اُمّی“ کے معنی ”ناخواندہ“ بتاتے ہیں۔ مگر ربی ابراہیم جیگر (Rabbi Abraham Geiger) نے صاف ظاہر کردیا ہے کہ جس لفظ کے معنی اس آیۃ میں ”ناخواندہ“ بتائے جاتے ہیں وہ درحقیقت ”غیر یہودی“ (gentile) کے معنی رکھتا ہے۔

ربی مذکور کے اس قول کی تصدیق سورۂ آل عمران کی اس آیۃ سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ”اُمّیئین اور اہل کتاب سے بات کریں۔“ ”وقل للذین اوتوا الکتاب والامیئین ءاسلمتم“۔ اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ عربوں کو عام طور سے ”اُمیئن“ یعنی غیر یہودی ”gentile“ کہا گیا ہے علاوہ ازیں سورۂ عنکبوت آیۃ ۲۰ اور سورہ حٰم آیۃ ۱۶ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ منصب نبوت اسحٰق و یعقوب کی اولاد کو عطا کیا گیا۔ اسمٰعیل کی اولاد کا ذکر نہیں ہے، اس لئے محمدؐ نے خود کو دیگر انبیاء سے الگ کرنے کے لئے اُمّی یعنی ”غیر یہودی“ (gentile) بیان کیا ہے۔ کیونکہ دیگر انبیاء اسحٰق کی اولاد میں مبعوث ہوئے تھے۔

محمدؐ کا مطلق بے لکھا پڑھا ہونا جیسا کہ مسلمان عام طور پر سمجھتے ہیں، واقعات سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ بعض احادیث سے اس کی تکذیب ہوتی ہے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم کی بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب صلحنامہ حدیبیہ کا مسودہ آپ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے اسے دیکھ کر حضرت علی سے قلم مانگا اور ”محمد رسول اللہ“ قلمزد کرکے ”محمد ابن عبد اللہ“ لکھ دیا۔

دوسری روایت آپ کے رحلت کے وقت کی ہے کہ آپ نے کچھ ہدایات لکھنے کے لئے قلم و کاغذ طلب کیا، لیکن آپ ایسا نہ کر سکے۔ اس کے راوی ابن عباس ہیں اور بخاری و مسلم دونوں کتابوں میں یہ روایت پائی جاتی ہے۔

لیکن اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ محمدؐ نوشت و خواند سے واقف نہیں تھے تو بھی اس کا امکان باقی رہتا ہے کہ انھوں نے بہت سی باتیں یہودی اور دیگر ذرائع سے حاصل کی ہوں اور قرآن کی آیات اور یہودی تحریروں کا جو ہم نے مقابلہ کیا ہے ان سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ایک بات اور بھی ہے، وہ یہ کہ محمدؐ کو یہ معلومات زبانی حاصل ہوئی تھیں اور غالباً ایسے لوگوں سے حاصل ہوئی تھیں جن کو کتابی علم بہت کم حاصل تھا۔

یقیناً محمدؐ کے لئے یہ بات متعدد وجوہ کی بنا پر ناممکن تھی کہ وہ آرامی، عبرانی، فارسی یا یونانی کتب کا مطالعہ کرتے، لیکن یہ بات کسی صورت سے بھی ناممکن نہ تھی کہ وہ اپنے یہودی، ایرانی اور نصرانی صحابہ اور شاگردوں سے انکی روایات سُن لیتے۔

محمدؐ کے مخالفین نے ان کی زندگی ہی میں یہ الزام لگایا تھا کہ وہ قرآن کے بنانے میں لوگوں سے مدد لیتے ہیں۔ اور یہ بات خود قرآن، احادیث اور تفاسیر سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں میں ایک وہ یہودی تھا جس کا ذکر سورۂ احقاف میں قرآن و کتب یہود کی موافقت کے بارہ میں بطور "گواہ" کیا گیا ہے۔ تفسیر عباسی اور جلالین میں اس آیۃ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ یہودی شخص عبداللہ ابن سلام تھا۔ جو در حقیقت پہلے ایک یہودی ربی تھا مگر بعد میں اسلام لے آیا تھا۔ (روضۃ الاحباب) سورۂ فرقان میں لکھا ہے کہ محمدؐ کے مخالفین نے کہا کہ: "واعانہ علیہ قومٌ آخرون" یعنی اس کی دوسروں نے مدد کی۔ اور یہ بھی کہا کہ محمدؐ نے صرف "اساطیر الاولین" (قدیم لوگوں کے قصّے) لکھے ہیں جو اسے اس کے رفقاء صبح و شام لکھواتے ہیں۔ تفسیر عباسی میں لکھا ہے کہ جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ جبر ایک نصرانی غلام، یسار (جس کا نام ابو فقیہہ بھی تھا) اور ابو تکبیہہ ایک یونانی تھے۔ سورۂ النحل میں جب یہ الزام لگایا گیا کہ "انما یعلمہ بشر" تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ جن کی نسبت یہ لوگ اشارہ کرتے ہیں ان کی زبان عربی نہیں ہے اور قرآن خالص عربی زبان میں ہے۔ لیکن اصلی الزام کا کوئی جواب نہیں دیا گیا جو یہ تھا کہ قرآن کی زبان نہیں بلکہ قرآن میں جو قصص درج ہیں وہ محمدؐ کو بتائے گئے ہیں۔ تفسیر عباسی میں لکھا ہے کہ جس "بشر" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ایک نصرانی مسمی قیس تھا۔ تفسیر جلالین میں جبر اور یسار لکھا ہے۔ بعض کہتے ہیں سلمان فارسی مشہور صحابی کی طرف اشارہ ہے۔ بعض صہیب بتاتے ہیں اور بعض اس کا نام رداس لیتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ خدیجۃ الکبریٰ کے عم زاد بھائی عثمان اور خصوصاً ورقہ اس زمانہ کی نصرانیت اور یہودیت سے واقف تھے اور ان لوگوں کا محمدؐ کی نبوت کے ابتدائی زمانہ میں اور غالباً اس سے قبل کچھ کم اثر نہ تھا۔ زید، محمدؐ کے متبنیٰ بیٹے بقول ابن ہشام ایک شامی تھے جو یقیناً پہلے عیسائی رہے ہوں گے۔ ہم آگے چل کر یہ بھی دکھائیں گے کہ محمدؐ کے صحابیوں میں اور بھی ایسے

لوگ تھے جو ان کو یہودی، عیسائی اور پارسی مذہب کے متعلق آسانی معلومات بہم پہونچا سکتے تھے مگر ان کی صورت اس قدر تبدیل کردی گئی ہے کہ جن لوگوں سے محمدؐ نے اپنی معلومات بہم پہونچائی تھیں ان کو ان کا شناخت کرنا مشکل ہوگیا ہوگا اور اگر انھوں نے شناخت بھی کرلیا ہوگا تو یہ سمجھا ہوگا کہ خدا نے ان کے مذہب کی تصدیق میں نازل کی ہیں۔

(**نگار**) ڈاکٹر ٹسڈل نے اس باب میں بعض بہت اہم مسایل پر گفتگو کی ہے، اور ان میں سے ہر ایک کا ہم کو جواب دینا ہے۔ ہر چند قصص الانبیاء و عرائس المجالس قابل اعتماد کتابیں نہیں ہیں، لیکن اس سے بھی انکار ممکن نہیں کہ کتب احادیث میں ایسی روایات بکثرت پائی جاتی ہیں جن کو سامنے رکھ کر ایسی کتابیں تصنیف ہو سکتی ہیں۔ علاوہ اس کے ہم کو اُن دلایل پر بھی غور کرنا ہوگا جو "مماثلت روایات" سے متعلق ہیں۔ (نیاز)

چوتھا باب

اسلام پر نصرانیت اور عیسائیوں کی مشکوک کتب کا اثر

جب محمدؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا اسوقت تک نصرانیت کا عربوں پر اتنا زیادہ اثر نہیں تھا - سر ولیم میور نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں لکھا ہے کہ اگرچہ نصرانیت کی تبلیغ و اشاعت کو پانسو برس گزر چکے تھے، بایں ہمہ بہت کم عیسائی عرب میں پائے جاتے تھے - مثلاً "نجران میں بنو حارث - یمامہ میں بنو حنیفہ - تیمہ میں بنو طے اور بس"۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب محمدؐ بہت چھوٹے تھے تو وہ شام گئے جہاں انھوں نے نجران اسقف قس (Quss) کا واعظ سُنا، بہت سے راہبوں سے ملاقات کی اور جو لوگ مسیحی مذہب رکھتے تھے ان کو دیکھا - محمدؐ کا یہ سفر قبل از اعلان نبوت بغرض تجارت ہوا تھا - اس لئے جو کچھ انھوں نے وہاں دیکھا یا سُنا اس کا اثر ان پر بہت کم ہوا اور ایسا ہونا چاہئے تھا کیونکہ اس وقت عیسائیوں کی اخلاقی حالت بہت گری ہوئی تھی -

اسحٰق ٹیلر نے لکھا ہے کہ: عیسویت ایک ذلیل قسم کی توہم پرستی، اور پلید قسم کی بُت پرستی کے سوا کچھ نہ تھی - اس کی تعلیمات اس قدر پُر از کبر و طغیان اور وہاں کی رسمیں اس قدر پر از فسق و فجور تھیں کہ انھیں دیکھ کر مستقل مزاج اور غیور عربوں کے دلوں میں یقیناً یہ جوش و خیال پیدا ہوا ہوگا کہ ان کو خدا نے دنیا میں اسی کفر پرست مسیحیت کو مٹانے کے لئے بھیجا ہے - جس یونانی راہب نے کتاب "تاریخ شہادت اثنا سیوس" (Athanasius) ایرانی" لکھی ہے اس نے اس زمانہ میں جبکہ بزمانہ محمدؐ ایرانیوں کا قبضہ قلیل مدت کے لئے فلسطین پر ہوگیا تھا، ان آلام و مصائب کا حال بیان کیا ہے جو ایرانیوں کے ہاتھوں اہل فلسطین پر ہوتا تھا - اس نے اسوقت کے عیسائیوں کے فسق و فجور اور بدکاریوں کا حال بھی لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہی سیاہکاریوں کے باعث خدا نے اہل فلسطین کو ایرانیوں کے حوالہ کر دیا تھا کہ وہ ان پر ظلم کریں اور سزا دیں - جو باتیں راہب مذکور نے بیان کی ہیں وہی باتیں مکاشفات یوحنا باب ۹ آیات ۲۱ و ۲۲ میں لکھی ہیں - اور یہی وہ گناہ اور سیاہکاریاں تھیں جن کی وجہ سے مشرقی کلیسا کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا تھا - اسی زمانہ کا حال بیان کرتے ہوئے موشیم (Moosheim) نے لکھا ہے کہ "اس صدی میں اصل مذہب، توہم پرستیوں کے انبار کے نیچے دبا پڑا تھا اور اپنا سر نہیں اُٹھا سکتا تھا - قدیم زمانہ کے عیسائی صرف خدا اور اس کے بیٹے کی عبادت کرتے کیا کرتے تھے - لیکن جو لوگ اس صدی میں خود کو عیسائی کہتے تھے وہ ایک صلیب

کی لکڑی، اولیاء اللہ کے بتوں اور مشکوک ہڈیوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ قدیم عیسائی لوگوں کے سامنے جنت و دوزخ کے مناظر پیش کیا کرتے تھے مگر بعد کے عیسائی صرف ایک آگ کا بیان کرتے تھے جو لوگوں کی روح کی خامیاں رفع کرنے کے لئے تیار کی گئی ہے۔ پہلے زمانہ کے عیسائی یہ سکھاتے تھے کہ مسیح نے اپنی موت اور اپنے خون سے لوگوں کے گناہوں کا کفارہ دیا ہے۔ مگر آخر زمانہ کے عیسائی یہ کہتے تھے کہ جو شخص عطیات یا چندے دیکر پادریوں یا کلیسا کو مالامال کرے گا اس کے خلاف بہشت کے دروازے بند کر دئے جائیں گے۔ پہلے زمانہ کے عیسائی متین و پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے تھے، مگر آخر زمانہ کے عیسائیوں نے فروعی رسموں اور جسمانی ریاضتوں کو ہی اصل مذہب سمجھ لیا تھا۔"

اگرچہ نصرانیت کے متعلق محمدؐ کا تجربہ محدود تھا مگر قرآن میں مسیحیت کی جو تصویر پیش کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مذہب کے متعلق محمدؐ کے خیالات کیا تھے۔ نصرانیت کے متعلق جو کچھ بھی محمدؐ نے بیان کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیالات پر " [illegible] " عیسویت کے معتقدات کا بہت زیادہ اثر پڑا تھا۔ یہ جماعت مریم کو "خدا کی ماں" کہتی تھی، اور اس نے اللہ تعالیٰ کے بجائے ایک یہودی دوشیزہ کی پرستش کا راستہ کھول دیا تھا۔ اس غلط فہمی کا نتیجہ ابن اسحٰق نے بہت واضح طور پر ظاہر کیا ہے۔ اس سفارت کا حال بیان کرتے ہوئے جو سنہ ۶۳۲ء میں نجران کے نصاریٰ کی طرف سے محمدؐ کے پاس بمقام مدینہ آئی تھی اور بقول راوی مذکور "مذہب شہنشاہ" کی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ: "تمام عیسائیوں کی طرح یہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ "یسوع خدا ہے، خدا کا بیٹا ہے اور اقانیم ثلثہ میں سے تیسرا ہے"۔۔۔۔ ان لوگوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ وہ اقانیم ثلثہ یعنی خدا، مسیح اور مریم میں سے تیسرا اقنوم ہے"۔ یعنی جو الفاظ ان لوگوں نے کہے وہ تو راوی نے صحیح طور پر نہیں لکھے لیکن اس سے کم از کم یہ ضرور معلوم ہو سکتا ہے کہ محمدؐ نے ان نصاریٰ کے عقیدہ کے متعلق کیا سمجھا تھا۔ اور جو کچھ محمدؐ نے سمجھا تھا وہ قرآن کی مندرجہ آیات سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے:

"لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ" (سورہ مائدہ آیۃ ۷۳) یعنی تحقیق ان لوگوں نے کفر کیا جو کہتے ہیں کہ "اللہ تین میں سے ایک ہے"۔ اور: "واذ قال اللہ یا عیسیٰ ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی و امی الٰہین من دون اللہ" (مائدہ آیۃ ۱۱۶) یعنی جب اللہ کہے گا کہ "یا عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ دو خدا سمجھو؟"۔ ان آیتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ نے اس نصرانیت کو مسترد کر دیا تھا جو ان کے سامنے پیش کی گئی تھی، لیکن اگر محمدؐ نے نصرانیت کی پاک رسموں اور خالص تعلیمات کو دیکھا ہوتا اور اس مذہب کی مسخ شدہ صورت ان کے سامنے نہ ہوتی تو یقیناً اپنے ابتدائی زمانہ میں جبکہ وہ سچے دل سے جویائے حق تھا، یسوع کے دین کو قبول کر لیتے۔ یہ خیال کس قدر افسوسناک ہے کہ شام کے واعظین اور راہبوں نے نصرانیت کی کس قدر خراب اور مسخ شدہ شکل پیش کی اور انجیل کی سادہ حالات کے بجائے

مغالطہ انگیز اور تکلیف دہ شرک کے ساتھ تثلیت کا مقدس مسئلہ پیش کیا گیا اور کنواری مریم کی پرستش کو اس قدر گندہ اور مکروہ صورت میں دکھایا گیا کہ محمدؐ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ مریم ایک دیوی خیال کی جاتی ہے۔ یقیناً ایسی ہی سرآمیز فضولیات کی وجہ سے محمدؐ کا دل اس سچے عقیدہ سے متنفر ہوا اور اسی وجہ سے وہ یسوع کو صرف "عیسیٰ ابن مریم" سمجھنے لگے کیونکہ تمام قرآن میں یسوع کے لئے یہی خطاب استعمال ہوا ہے" (سر ولیم میور لائف آف محمد)

اس میں شک نہیں کہ محمدؐ کو خالص انجیلی نصرانیت سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ اور اگر دیکھا جائے تو نصرانیت کی انھیں غلط صورتوں کی وجہ سے جو اس زمانہ میں عام طور پر رائج تھیں، اسلام پیدا ہوا کیونکہ جب نصرانیت کی غلط صورتیں دیکھ کر محمدؐ کی طبیعت بیزار ہوگئی تو وہ ان حقایق کی تلاش کرنے سے رک گئے جو انجیل میں ہیں اور اس طرح ان کے دل میں نصرانیت کے خلاف کسی جدید مذہب جاری کرنے کی تحریک پیدا ہوئی۔

اس امر کا کوئی قابل اطمینان ثبوت نہیں ہے کہ محمدؐ کے زمانہ میں عہد نامۂ جدید کا کوئی عربی ترجمہ موجود تھا خود "مشرقی کلیسا" میں انجیل کی طرف اس قدر توجہ نہیں کی جاتی تھی جس قدر کہ اولیاء اللہ کی روایات پر اور اس وقت عرب کی حالت یہ تھی کہ وہاں مختلف فرقوں کے بہت سے ضالین (گمراہ) جمع ہوگئے تھے اور قرآن کے دیکھنے سے یہ بات صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ بہت سے خرافیاتی قصے جو ساقط الصحت اناجیل (Apocryphal gospels) اور اسی طرح کی دوسری کتاب میں موجود تھے، محمدؐ کے کانوں تک پہونچے جن کو انھوں نے بالکل صحیح مان لیا۔

یہ بات بظاہر تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ محمدؐ نے کیوں یقین کر لیا کہ یہ تمام خرافیات انجیل میں پائی جاتی ہیں لیکن در اصل تعجب کی کوئی بات نہیں، کیونکہ وہ لوگ جو محمدؐ پر ایمان لائے تھے ان میں کوئی بھی سچا اور اچھا تعلیم یافتہ عیسائی نہیں تھا، نیز آنکہ وہ لوگ نصرانیت سے اس قدر دلچسپی نہیں رکھتے تھے جس قدر تالمودی یہودیت سے۔

قرآن کی وہ آیتیں جن میں بخیال محمدؐ عیسائی عقائد کی تشریح کی گئی ہے اس زمانہ کی ہیں، جبکہ اسلام بڑی حد تک پختگی کو پہونچ گیا تھا اور ہم اس میں ایک رسم یا تعلیم بھی ایسی نہیں دیکھتے جو اس زمانہ کی نصرانیت کے عجیب و غریب عقاید پر مبنی ہو یا ان کے رنگ میں خفیف طور سے بھی رنگی ہوئی ہو۔ البتہ برعکس اس کے یہودیت کا رنگ اسلام پر چڑھا ہوا نظر آتا ہے اور بہت سے احکام شریعت اگر اصلی مفہوم میں نہیں تو صورت و شکل میں یہودیت ہی کے ممنون نظر آتے ہیں۔

لیکن چونکہ محمدؐ یہ بھی چاہتے تھے کہ یہود و نصاریٰ دونوں دین اسلام قبول کرلیں (اگرچہ عرب میں نصاریٰ کی تعداد و طاقت اتنے نہ تھے جتنے یہود) مگر چونکہ نصرانیت عظیم الشان بازنطینی سلطنت کا مقررہ سرکاری مذہب تھا اس لئے وہ محمدؐ کی نظروں میں ضرور کچھ اہمیت رکھتا ہوگا، خصوصاً اس خیال سے کہ اگر عرب کے نصاریٰ اسلام نہ لائے تو ممکن ہے سیاسی پیچیدگیاں پیدا ہوجائیں) اس خیال سے انھوں نے اپنے مامور من اللہ ہونے کے ثبوت میں انجیل سے بھی کام لیا

اور یہاں تک کہدیا کہ مسیح نے ان کی بعثت کی نسبت پیشگوئی کی ہے۔ محمدؐ نے عیسیٰ کی نسبت الفاظ "کلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسیٰ ابن مریم" اور "انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ" استعمال کئے ہیں مگر وہ یسوع کی الوہیت اور مصلوبیت کے منکر ہیں اور تعلیمات انجیل سے اپنی پوری لاعلمی ظاہر کرتے ہیں، تاہم وہ انجیل کی نسبت عزت و احترام کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور بہت سی آیات میں انجیل کو آسمانی کتاب بیان کیا ہے جو "عیسیٰ پر آسمان سے نازل ہوئی" اور یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن بھی انجیل کی تصدیق اور اس کی حفاظت کرنے کے لئے نازل ہوا ہے۔ محمدؐ نے یہ بھی کہا کہ عیسیٰ کنواری عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور قرآن میں مسیح کے بہت سے معجزات بھی بیان کئے ہیں مگر یہ سب کچھ روایتی زبان میں ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ محمدؐ کو یسوع مسیح اور اس کے حواریین کی نسبت معلوم ہوا وہ سب غیر مستند سنی سنائی باتوں پر مبنی تھا۔ ہم آگے چل کر دکھائیں گے کہ جو کچھ قرآن میں لکھا ہے وہ ان بیانات سے بہت کچھ مطابق ہے جو اناجیل مشکوک الصحۃ اور کتب ضالین میں درج ہے۔

اب ہم قرآن کے بعض وہ قصص لیتے ہیں جو نصرانیت سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ دکھائیں گے کہ وہ کن ذرایع سے ماخوذ معلوم ہوتے ہیں۔

قصۂ اصحاب کہف یہ قصہ سورۂ کہف میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: "کیا تو نے کبھی اس امر پر غور کیا ہے کہ اصحاب الکہف والرقیم ہماری عجیب نشانیوں میں تھے؟ جب وہ نوجوان خود کو غار میں لے گئے تو انھوں نے کہا کہ: "اے ہمارے خدا تو اپنی طرف سے ہم پر رحم فرما اور ہمارے معاملہ میں ہماری رہنمائی کر" پس ہم نے غار میں ان کے کانوں کو سننے سے روک دیا (یعنی ان پر نیند کا غلبہ کر دیا) بہت برسوں تک۔ بعد ازاں ہم نے ان کو بیدار کیا تاکہ معلوم ہو دونوں جماعتوں میں سے کون اس قابل ہے جو صحیح طور پر اس زمانہ کا شمار کرے۔ جب وہ غار میں رہے۔ ہم تم سے ان کا سچا سچا حال بیان کریں گے: "تحقیق وہ نوجوان تھے جو اپنے خدا پر ایمان رکھتے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا۔ اور ہم نے ان کے دلوں کو تقویت دی جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے کہ: "ہمارا خدا زمین و آسمان کا خدا ہے۔ ہم اس کے سوائے ہرگز کسی دوسرے خدا کو نہیں پکاریں گے۔ کیونکہ اگر ہم نے ایسا کیا تو گویا ہم نے بے انتہا جھوٹ بولا۔ اس ہماری قوم نے خدا کے سوائے دیگر معبود قبول کر لئے ہیں۔ وہ لوگ اپنی تائید میں کوئی بیّن شہادت کیوں پیش نہیں کرتے۔ پس اس سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا کے خلاف جھوٹ بناتا ہے۔ اور جب تم انھیں چھوڑ دو اور ان کے غیر اللہ معبودوں کو چھوڑ دو تو تم غار میں چلے جاؤ۔ تب تمہارا خدا تم پر اپنی رحمت وسیع کرے گا اور تمہارے معاملہ میں تمہارے فایدہ کی کوئی بات نکالے گا۔ اور تم دیکھ سکتے ہو کہ جب سورج بلند ہوتا ہے تو وہ ان کے غار سے داہنی طرف ہو کر نکل جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان کا غار بائیں طرف پیچھے رہجاتا ہے۔ اور وہ اس کے اندر ایک وسیع جگہ میں تھے۔ اور یہ اللہ کی ایک نشانی ہے۔ پس اللہ جس کی ہدایت کرتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے۔ اور جس کو وہ گمراہ کرتا ہے

اسے کبھی کوئی سرپرست یا رہنما نصیب نہیں ہوتا۔ اور تم سمجھتے ہو گے کہ وہ بیدار ہیں حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ اور ہم ان کو داہنی اور بائیں طرف کروٹیں دلاتے ہیں۔ اور ان کا کتا دہانہ غار پر اپنے پنجے پھیلائے بیٹھا تھا۔ اور اگر تم ان کو دیکھتے تو تم وہاں سے بھاگ آتے کیونکہ تمھارے دلوں پر دہشت طاری ہو جاتی اور بس ہم نے ان کو بیدار کیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے دریافت حال کریں۔ تب ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ: "تم یہاں کس قدر عرصہ تک ٹھہرے رہے ہو؟" تب انھوں نے جواب دیا کہ: "ہم دن بھر یا دن کے کچھ حصے تک یہاں رہے ہیں؟" دوسروں نے کہا کہ "تمھارا خدا سب سے بہتر جانتا ہے کہ تم یہاں کتنے عرصہ تک رہے۔ بس اب تم اپنے میں سے کسی کو اپنا یہ چاندی کا سکہ دیکر شہر میں بھیجو تاکہ وہ وہاں دیکھے کہ کس شخص کے پاس پاکیزہ ترین کھانا ہے۔ اور وہ اس سے تمھارے سامان خور و نوش خرید لائے۔ اس کو چاہئے کہ شہر میں جاکر تہذیب اور آدمیت سے کام لے اور کسی سے تمھارا حال ہرگز بیان نہ کرے۔ تحقیق اگر انھوں نے تمھارا پتہ نشان معلوم کر لیا تو یا تو وہ تم کو سنگسار کر دیں گے یا جبراً تم سے تمھارا دین چھڑا کر تمھیں اپنے میں شامل کر لیں گے اور اسوقت تم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔" اور اس طرح ہم نے لوگوں کو ان کا حال معلوم کرا یا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ خدا کا وعدہ سچا ہے۔ اور قیامت کے متعلق کوئی بات شبہ کی نہیں۔ اور جب وہ اپنے معاملہ میں باہم بحث کرنے لگے اور کہا کہ: "اپنے اوپر ایک عمارت تعمیر کر لو۔ ان کا خدا ان کی نسبت خوب جانتا ہے۔" اور جو لوگ حجت میں غالب آئے انھوں نے کہا کہ "ہم یقیناً اپنے اوپر ایک مسجد تعمیر کریں گے۔" بعض کہتے ہیں کہ: "وہ تین ہیں اور چوتھا ان میں ان کا کتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان میں ان کا کتا ہے۔ گویا ایک پر اسرار معاملہ کے متعلق وہ خیال آرائیاں کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ "وہ سات ہیں اور آٹھواں ان میں ان کا کتا ہے۔" تم کہو کہ میرا خدا ہی ان کی تعداد کے بارہ میں خوب جانتا ہے۔ معدودے چند کے سوائے اس بات کو کوئی نہیں جانتا۔ لہٰذا اس بارہ میں جھگڑا نہ کرو۔ اور ان میں سے کسی ایک کے بارہ میں بھی سوال نہ کرو اور کسی بات کی نسبت یہ نہ کہو کہ یقیناً میں اس کام کو کل انجام دوں گا۔ تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے اور جب تم بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کرو اور کہو کہ ممکن ہے میرا رب مجھے اس سے زیادہ قریب کا راستہ بتا دے۔ اور وہ لوگ غار کے اندر تین سو برس تک رہے اور بعض ان میں نو برس کا مزید اضافہ کرتے ہیں۔ تم کہو کہ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کتنے دنوں تک رہے۔ وہی آسمان و زمین کے اسرار کو خوب جانتا ہے۔"

اس مذبذب بیان کو سمجھنے کے لئے مسلمان مفسرین کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بعض مشرکین عرب یا یہودیوں نے محمدؐ کا امتحان لینے کے لئے کہ واقعی ان پر وحی نازل ہوتی ہے یا نہیں یہ تقاضا کیا کہ اگر وہ سچے نبی ہیں تو اصحاب کہف کا قصہ سنائیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ مختلف صورتوں سے بیان کیا جاتا تھا اور اس باب میں جھگڑا تھا کہ جو لوگ غار میں گئے ان کی تعداد کیا تھی۔ محمدؐ نے جیسا کہ آیتہ ۲۳ و ۲۴ سے ظاہر ہوتا ہے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس سوال کا جواب کل دیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ اس اثناء میں وہ اسکے متعلق اپنے کسی صحابی سے دریافت

کریں گے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ انھیں صحیح معلومات حاصل نہیں ہوئیں اور اس لئے ان نوجوانوں کی صحیح تعداد کا معاملہ انھوں نے یونہی چھوڑ دیا۔ محمدؐ نے یہ بھی نہیں بتایا کہ یہ واقعہ کب اور کہاں رونما ہوا تھا۔ مگر ہاں واضح طور پر صرف ایک بات بیان کرنے کی جرأت کی ہے۔ اور وہ یہ کہ ان لوگوں کو غار کے اندر ۳۰۹ برس گزرے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا، تاہم محمدؐ کو یہ ضرور یقین تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ صحیح ہے۔

جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں یہ قصہ مختلف صورتوں میں قبل از محمدؐ رائج تھا، اس لئے یہ بات ظاہر ہے کہ جو حالات قرآن کے اندر اس قصہ کے متعلق بیان کئے گئے ہیں وہ زبانی سنے ہوئے تھے۔

ایک شامی مصنف یعقوب سروغی نے جس کا انتقال ۵۲۱ء میں ہوا، یہ خرافاتی قصہ اپنے ایک مقالہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا تھا یہ مقالہ "ایکٹا سینکٹورم" (Acta Sanctorum) میں شایع ہو چکا ہے۔ ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ ملک شام میں یہ قصہ مختلف صورتوں سے بیان کیا جاتا تھا جن میں سے بعض میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سونے والے تعداد میں سات تھے۔ اور یورپ میں اصحاب کہف کا قصہ اسی نام یعنی "ہفت خفتگان" (Seven Sleepers) کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن چھٹی صدی کا ایک شامی مخطوطہ برٹش میوزیم میں ایسا ہے جس میں ان لوگوں کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے مسلمان مفسرین (صاحب جلالین وغیرہ) نے اس قصہ کی تفسیر میں بعض روایات و احادیث بیان کی ہیں بعض کہتے ہیں کہ ان کی تعداد سات تھی اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ تھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے پہلا یوروپین مصنف جس نے یہ روایت بیان کی تھی وہ شہر طورس (Jaurus) کا رہنے والا گریگوری (Gregory) تھا۔

اس شخص نے لکھا ہے کہ شہنشاہ ڈیسیس (Decius) کے عہد میں (۲۴۹ء لغایۃ ۲۵۱ء) شہر افی سوس (Ephesus) کے سات عیسائی نوجوان مخالفین کے ظلم و ستم سے تنگ آکر نکل گئے اور ایک غار میں جو شہر سے زیادہ دور نہ تھا پناہ گزیں ہوئے۔ مگر کچھ عرصہ بعد دشمنوں کو ان کا پتہ معلوم ہو گیا اور انھوں نے یہ تدبیر کی کہ غار کے دہانہ کو بند کر دیا تاکہ وہ فاقہ کشی کرکے اندر ہی اندر مر جائیں۔ اس سے ۱۹۶ برس بعد جب شہنشاہ تھیوڈوسیس ثانی (Theodosius II) تخت پر متمکن تھا ایک چرواہے نے وہ غار پایا اور اس کا دہانہ کھول دیا۔ اسوقت وہ "ہفت خفتگان" اپنے خواب شیریں سے بیدار ہوئے جس میں وہ اس تمام عرصہ تک (جیسا کہ قرآن بھی کہتا ہے) مبتلا رہے تھے۔ اور انھوں نے اپنے میں سے ایک آدمی شہر بھیجا تاکہ کھانا خرید لائے۔ جب وہ شخص باہر آیا تو یہ بات دیکھ کر

---

[1] اس میں شک نہیں کہ اصحاب کہف کے متعلق شامی روایات کا ماخذ یونانی روایت ہے جو "Epimenides" کے افسانۂ نوم طویل سے تعلق رکھتی ہے، اور جس نے موجودہ زمانہ میں "Rip Van Winkle" کی صورت اختیار کرلی۔

سخت حیران ہوا کہ ہر طرف دین عیسوی پھیلا ہوا ہے۔ ایک دوکان پر اس شخص نے کھانا خریدا اور شہنشاہ ڈیسیس کے زمانہ کا سکہ نکال کر دیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور الزام لگایا کہ اس نے کسی جگہ دفینہ پایا ہے۔ اسوقت مجبور ہو کر اس نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا حال بیان کیا۔ جب وہ لوگوں کو غار پر لے گیا تو اس کے ساتھیوں کے چہرے ابھی تک آسمانی نور سے درخشاں تھے۔ اور اس واقعہ سے لوگوں کو ان کی بات کا یقین آ گیا ۔ اس واقعہ کی خبر جب شہنشاہ کو ملی تو وہ بذات خاص ان لوگوں کو غار میں دیکھنے گیا۔ ان لوگوں نے اسے بتایا کہ خدا نے ان کو محفوظ رکھا تاکہ لوگوں پر روح کا لافانی ہونا ثابت ہو، اور اپنا یہ پیغام دنیا کو پہونچا کر وہ لوگ مر گئے۔

اب اس کے بعد قصہ کی اس نوعیت پر بحث کرنا فضول ہے جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس باب میں محمدؐ اس قدر مورد الزام نہیں جس قدر وہ جاہل عیسائی جنھوں نے اس قدر وسعت کے ساتھ اس قصہ کو پھیلایا تاہم ممکن ہے کہ درحقیقت یہ قصہ بطور تمثیل یا رمز (Symbolism) تیار کیا گیا ہو یا غالباً ایک مذہبی رومان سمجھا گیا ہو۔ جس کی تصنیف سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہو کہ نصرانیت اپنی جرأت وفاداری اور شوق شہادت کے سبب سے کس قدر حیرت انگیز تیزی کے ساتھ دنیا میں پھیل گئی۔ بہرحال حقیقت جو کچھ ہو یہ روایت محمدؐ سے بہت عرصہ قبل ممالک مشرق میں اعتبار کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ کے زمانہ میں مکہ والے بھی اس قصہ کو صحیح مانتے تھے۔ اس بارہ میں محمدؐ کا تعلق صرف اس قدر ہے کہ انھوں نے ایک ایسے قصہ کو جو کہانی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، صحیح سمجھا۔

کنواری مریم کا قصہ

قرآن و احادیث میں مریم کی جو تاریخ بیان کی گئی ہے وہ تقریباً سب کی سب عیسائیوں کی مشکوک الصحۃ اناجیل اور اسی قسم کی دوسری کتابوں سے لی گئی ہے۔ مگر محمدؐ نے اس میں ایک اور بات بھی داخل کر دی ہے جس کا ماخذ ہم اصلی قصہ پر بحث کرنے سے پہلے بیان کرتے ہیں۔

سورۂ مریم آیات ۲۷ و ۲۸ میں لکھا ہے کہ جب مریم کے پیٹ سے یسوع مسیح پیدا ہوا تو وہ اسے لیکر اپنے لوگوں میں آئی جنھوں نے بچّہ کو دیکھ کر کہا کہ:- "اے مریم یقیناً تو نے یہ ایک عجیب حرکت کی۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ بدکار نہیں تھا نہ تیری ماں سیاہکار تھی"۔ ان الفاظ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ محمدؐ کی رائے میں یسوع کی ماں "میری یا ماریہ" (Mary) وہی "مریم" (Miriam) تھی جو موسیٰ و ہارون کی بہن تھی[1]۔ یہ بات سورۂ تحریم سے اور زیادہ واضح ہو گئی ہے جہاں "میری" کو "بنت عمران" کہا گیا ہے اور عمران وہی شخص ہے جسے تاموس موسیٰ (Pentateuch) میں

[1] صحیح مسلم (کتاب الآداب) میں ایک روایت موجود ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے المغیرہ کو اس غلطی کی طرف متوجہ کیا تھا اور انھوں نے محمدؐ سے اسکا ذکر بھی کیا، لیکن انھوں نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔

عمرام کہتے ہیں اور جسے "ہارون و موسیٰ و مریم کا باپ" بتایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں کتاب خروج باب ۱۵۔ آیتہ ۲۰ میں بھی مریم کو "ہارون کی بہن" کا خطاب دیا گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ نے یہ بات یہیں سے لی ہے۔ اس غلطی کا سبب (جسکی وجہ سے یسوع مسیح کی والدہ میری کو ایک ایسی عورت بنا دیا گیا جو ولادت مسیح سے ۱۵۷۰ برس قبل پائی جاتی تھی۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں "میری" (Mary) اور "مریم" (Miriam) دونوں ایک ہیں اور ایک ہی صورت یعنی "مریم" (Maryam) کی طرح لکھی جاتی ہیں دو جدا جدا شخصیوں کو ایک بنا دینے سے جو تاریخی دقتیں واقع ہوتی ہیں غالباً ان کا احساس محمدؐ نے نہیں کیا۔ اسی غلطی پر ہم کو شاہنامۂ فردوسی کا ایک قصّہ یاد آیا جس میں فردوسی نے لکھا ہے کہ جب فریدوں نے ضحاک کو شکست دی تو اس نے قلعہ میں جمشید کی دو بہنیں پائیں جنھیں اس ظالم نے قید کر رکھا تھا فریدوں دیکھتے ہی ان پر فریفتہ ہو گیا۔ مگر اسی شاہنامہ کے دیگر مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوشیزگانِ جمیل ضحاک کے پاس اسکی سلطنت کی ابتداء سے قید تھیں۔ یعنی تقریباً ایک ہزار قبل سے۔

اگر اس غلطی کی مزید چھان بین کی ضرورت ہو تو اس کا سراغ اس یہودی روایت سے بھی مل سکتا ہے جس میں "مریم" (Mariam) کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ: "ملک الموت کو اس پر کچھ اختیار نہ تھا بلکہ وہ ایک ربانی پیار کے باعث فوت ہوئی، اور کیڑے اور حشرات الارض کو اس پر کوئی اختیار نہ تھا۔" بہرحال اگر یہ روایت بھی صحیح مان لی جائے تو اس میں یہ کہاں بیان کیا گیا ہے کہ مریم (Miriam) یسوع کے زمانہ تک زندہ رہی اور نہ یہودیوں کی یہ روایت ہے کہ وہ "کنواری مریم" ہی تھی۔

اب دیکھنا چاہئے کہ قرآن و احادیث اور اسلامی روایات میں "کنواری مریم" کی نسبت کیا بیان کیا جاتا ہے۔

سورۂ آل عمران آیات ۳۴ و ۳۵ میں بیان کیا گیا ہے کہ: "جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب تحقیق میں منت مانتی ہوں کہ جو کچھ میرے بطن میں ہے وہ تیرے ہی نذر کر دوں، پس تو اسے قبول کر کیونکہ تو سننے اور جاننے والا ہے۔ پس جب وضع حمل ہوا تو اس نے کہا کہ اے میرے رب یقیناً میں نے لڑکی جنی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس نے کیا جنا ہے۔ اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری حفاظت میں دیتی ہوں شیطان رجیم سے۔

پس اللہ نے اس کو اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرما لیا اور اس نے اس کو اچھی طرح بڑھایا اور زکریا نے اس کی پرورش کی۔ جب کبھی زکریا اس کے پاس عبادت خانہ میں جاتے تو وہ ہمیشہ اس کے پاس کھانے کو پاتے۔ اُس نے دریافت کیا کہ: "اے مریم یہ کہاں سے آیا۔ تو وہ یہ جواب دیتی کہ: "یہ میرے رب کی طرف سے ہے۔ تحقیق اللہ اسکو رزق پہونچاتا ہے جس کو وہ چاہے اور بغیر حساب دیتا ہے"

اس کے علاوہ بیضاوی اور دیگر مفسرین و محدثین نے حسب ذیل باتیں بھی تحریر کی ہیں:۔ "عمران کی بیوی عمر رسیدہ اور بانجھ تھی۔ ایک روز اس نے ایک چڑیا کو دیکھا جو اپنے بچوں کو دانہ کھلا رہی تھی۔ یہ منظر دیکھتے ہی اس کے دل میں بھی

ماں بننے کی آرزو پیدا ہوئی اور اس نے خدا سے دعا کی وہ اسے کوئی بچہ عطا فرمائے۔ اس نے کہا کہ: "اے میرے رب اگر تو مجھے بچہ دے گا، خواہ وہ لڑکی ہو یا لڑکا، اسے میں تیرے خادم کے طور پر یروشلم کے ہیکل میں دیدوں گی۔" خدا نے اس کی دعا سُنی اور پوری کی۔ چنانچہ اسے حمل ٹھہر گیا اور اس نے ایک لڑکی مریم نامی جنی۔ جلال الدین کا بیان ہے کہ مریم کی والدہ کا نام حنّا (Hanna) تھا۔ جب وہ مریم کو ہیکل میں لائی اور اسے خدام ہیکل کے سپرد کیا تو انھوں نے اس لڑکی کو قبول کرلیا اور اس کی پرورش کے لئے زکریا کو دیدیا۔ اس نے اس لڑکی کو ایک حجرہ میں رکھا جہاں اس کے سوا اور کوئی جا نہیں سکتا تھا۔ مگر ایک فرشتہ اسے روز کھانا دیجاتا تھا۔"

اب ہم پھر قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہاں سورۂ آل عمران آیات ۴۱ - ۴۲ میں لکھا ہے کہ: "جب مریم بڑی ہوگئی تو اُس کے پاس فرشتے آئے اور کہا کہ: "اے مریم یقیناً اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاک کردیا ہے اور تجھے تمام دُنیا کی عورتوں پر منتخب کرلیا ہے۔ اے مریم تو ہمیشہ اپنے رب کی اطاعت گزار رہ اور عبادت کر اور جھک ان لوگوں کے ساتھ جو جھکتے ہیں۔ اور یہ غیب کی خبر ہے جو ہم نے تجھ پر (اے محمدؐ) بذریعہ وحی نازل کی۔ اور تم اس وقت ان کے ساتھ نہیں تھے جب انھوں نے اس بارہ میں اپنے قلم پھینکے (قرعہ اندازی کی) کہ مریم کو کون پالے۔ اور تم اسوقت ان کے ساتھ نہیں تھے جبکہ وہ آپس میں جھگڑا کررہے تھے۔ جب فرشتوں نے کہا کہ: "اے مریم! تحقیق اللہ تجھے مژدہ دیتا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کا جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے، وہ اس دُنیا اور دوسری دُنیا میں قابل وقعت ہوگا اور مقربین بارگاہ تعالیٰ میں سے ہوگا۔ اور وہ اپنے گہوارہ ہی میں لوگوں سے گفتگو کرے گا اور جب بڑا ہوگا اسوقت بھی، اور وہ صالحین میں سے ہوگا"۔ مریم نے کہا کہ "اے میرے رب میرے لڑکا کیسے پیدا ہوگا جبکہ مجھے مرد نے چھوا نہیں"۔ اس (فرشتہ) نے کہا "اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ اسے صرف اس قدر کہنا پڑتا ہے کہ "ہوجا" پس وہ ہوجاتا ہے"۔

ان آیات میں "قلم پھینکنے" کے بارہ میں جلال الدین اور بیضاوی کا بیان ہے کہ زکریا اور چھبیس دوسرے کاہنوں میں جھگڑا اُٹھا کہ ان میں سے کون مریم کی پرورش کرے۔ پس وہ سب لب دریائے یردن (Jordan) گئے اور انھوں نے اپنے کلک پانی میں پھینکدئے۔ سوائے کلک ذکریا کے اور سب قلم ڈوب گئے۔ اور اس طرح وہ مریم کے اتالیق مقرر ہوئے — اس کے بعد سورۂ مریم آیۃ ۱۶ الغایۃ ۳۴ ملاحظہ فرمائیے۔ جس میں ولادت مسیح کا حال اس طرح لکھا ہے:-

"کتاب میں مریم کا حال بیان کر جبکہ وہ اپنے خاندان سے علحدہ ہوکر ایک مشرقی مقام میں چلی گئی۔ تب اس نے ان سے چھپنے کے لئے ایک نقاب ڈال لیا۔ تب ہم نے اس کی طرف اپنی روح (یعنی جبرئیل) کو بھیجا پس اس نے خود کو ایک اچھے جسم کے مرد کی صورت میں مریم پر ظاہر کیا۔ اس (مریم) نے کہا: میں تیرے خلاف اپنے خدائے رحمٰن کے دامن میں پناہ لیتی ہوں، اگر تو خدا سے ڈرنے والا ہے۔ اس (فرشتہ) نے کہا کہ: "میں صرف تیرے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہوں

تاکہ میں تجھے ایک پاک لڑکا دوں۔" اس (مریم) نے کہا کہ میرے لڑکا کہاں سے پیدا ہوگا کیونکہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا اور نہ میں بے عصمت عورت ہوں۔" اس نے کہا: "تیرا رب اس طرح فرماتا ہے کہ یہ بات میرے لئے بہت آسان ہے۔ اور ہم اسے لوگوں کے لئے اپنی ایک نشانی اور اپنی ایک رحمت بنانا چاہتے ہیں اور اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے۔" پس اسے اس بچہ کا حمل رہ گیا اور پھر وہ اس حمل کو لیکر کسی دور مقام پر چلی گئی اور وضع حمل کے وقت جو اس کے درد ہوا تو وہ مجبور ہو کر ایک کھجور کے درخت کے تنہ کے پاس گئی۔ اس (مریم) نے کہا: "کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور لوگوں کی یاد سے فراموش ہو جاتی۔ تب اس کے نیچے سے ایک آواز نے پکار کر کہا کہ: رنج مت کر۔ تیرے رب نے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے جو تیرے نیچے بہتا ہے اور تو اپنی طرف کھجور کے درخت کے تنہ کو ہلا۔ وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا۔ پس کھا اور پانی پی اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہونچا۔ پھر جب تو کسی شخص کو دیکھے تو اس سے کہدے کہ تحقیق میں نے خدا کی منت مانی تھی کہ میں روزہ رکھوں گی پس میں آج کسی شخص سے بات چیت نہیں کروں گی۔ پس وہ اس کو لیکر اپنی قوم کے پاس آئی۔ انھوں نے کہا: "اے مریم یقیناً یہ تو نے ایک عجیب حرکت کی۔ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بدکار نہ تھا نہ تیری ماں سیاہکار تھی۔" تب اس نے اُس کی طرف اشارہ کیا۔ تب انھوں نے کہا کہ ہم گہوارہ کے بچہ سے کیا بات چیت کریں۔" اس (مسیح) نے کہا: "تحقیق میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور جہاں کہیں میں ہوں گا وہیں مبارک ہونگا اور اس نے مجھے حکم دیا کہ جب تک میں زندہ رہوں اس وقت تک عبادت کرتا رہوں اور زکوٰۃ دیتا رہوں۔ اور اپنی ماں سے اچھا برتاؤ کروں اور اس نے مجھے گستاخ اور شقی نہیں بنایا۔ اور سلامتی ہو جیو اس دن پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں۔"

مندرجۂ بالا قرآنی بیان کی تفصیل کا ماخذ سراسر عیسائیوں کی مشکوک الصحۃ اناجیل ہیں، چنانچہ مندرجہ ذیل اقتباسات سے ناظرین پر خود بخود روشن ہو جائے گا۔ کتاب "پراٹ ایونجیلیم آف جمیس دی لیس" (Prot Evangelium of James the Less) میں ولادت مسیح کا حال اس طرح لکھا ہے:

"انّا (حنّا) نے آسمان کی طرف نظر جا کر جو دیکھا تو اس نے ایک درخت میں آشیانۂ کنجشک دیکھا اور وہ اپنے دل میں رنج کرنے لگی یہ کہکر:۔ ہائے! ہائے! مجھے کس نے جنا، افسوس میں کس چیز کے مانند ہوں؟ میں مرغان ہوا کے مانند بھی نہیں ہوں۔ کیونکہ اے میرے رب، ہوا کی چڑیاں بھی تیری نظروں میں بچے دینے کے قابل ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور دیکھو خدا کا ایک فرشتہ اس کے قریب کھڑا ہوا اس سے یہ کہہ رہا تھا: "انّا! انّا!! خداوند خدا نے تیری عرض سُن لی۔ تجھے حمل رہے گا۔ اور تو بچہ جنے گی اور تیری اولاد تمام عالم میں مشہور ہوگی۔" مگر انّا نے کہا: "میرا خدا زندہ ہے، اگر میرے لڑکا یا لڑکی کچھ بھی پیدا ہوا تو میں اسے اپنے خدا کی نذر کر دوں گی اور وہ تمام عمر اسی کی خدمت میں لگا رہے گا۔" ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اس کے مہینے پورے ہو گئے اور نویں مہینہ انّا نے بچہ جنا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس نے بچہ کو دودھ پلایا اور اس کا نام "میری" ( ) رکھا۔"

اس کے بعد اس قصہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ لڑکی اس قابل ہوگئی کہ اپنی ماں سے علحدہ ہو سکے تو آنّا اس کو اپنی منت کے مطابق یروشلم کے ہیکل میں لے گئی۔ اس کے بعد قصہ یوں بیان ہوتا ہے:

"کاہن نے اس کو لے لیا، اُس کو پیار کیا اور برکت دی اور کہا: "خداوند نے تیرا نام پشتہا پشت تک دنیا کے اندر مشہور کردیا اور تجھ پر ختم ایام کے بعد خداوند بنی اسرائیل کی نجات ظاہر کرے گا۔۔۔۔ مگر مریم ایک قمری کے مانند تھی جس نے خدا کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ اور اسے ہمیشہ فرشتہ کے ہاتھوں کھانا پہونچتا تھا۔ مگر جب وہ بارہ برس کی ہوگئی تو کاہنوں کا ایک مشاورتی جلسہ ہوا۔ جنھوں نے کہا: "دیکھو مریم خدا کے گھر میں اب بارہ برس کی ہوگئی ہے۔ اب ہم اس کو کیا کریں؟ ۔۔۔۔ اور دیکھو خدا کا ایک فرشتہ اس کے پاس کھڑا ہوا یہ کہہ رہا تھا: "ذکریا! ذکریا!! جاؤ اور قوم میں جتنے رنڈوے ہوں ان سب کو بلاؤ۔ اور کہو کہ وہ اپنے اپنے عصا لائیں۔ پس جس کسی کو خداوند خدا اپنا نشان دکھائے گا، وہ اسی کی بیوی بنجائیگی" اور یہودیہ کے تمام ساحل پر نقیب دوڑ گئے، خداوند کا نرسنگھا پھونکا گیا۔ اور وہ سب دوڑے۔ اور یوسف بھی اپنا بسولہ پھینک کر دوڑا، پھر جمع ہوکر وہ سب لوگ کاہن اعظم کے پاس گئے۔ اور کاہن نے ان کے عصا لے لئے، اور ہیکل میں گیا اور دعا مانگی۔ دُعا ختم کرنے کے بعد وہ باہر آیا اور ہر شخص کو اس کا عصا حوالہ کر دیا اور ان میں کوئی نشانی نہیں تھی۔ مگر یوسف کو اسکا عصا سب سے آخر میں ملا اور دیکھو! ایک قمری اس عصا میں سے برآمد ہوئی اور یوسف کے سر پر اُڑ ہی۔ اور کاہن نے اس سے کہا: تجھے بذریعہ قرعہ اندازی خداوند کی کنواری مل گئی ہے۔ پس تو اس کو اپنے ساتھ حفاظت کے لئے لیجا"۔۔۔۔ اور یوسف نے خوف کھا کر اس کو حفاظت کے لئے لے لیا۔۔۔۔ مگر مریم ایک گھڑا لیکر اسے پانی سے بھرنے گئی۔ اور دیکھو ایک آواز سُنی گئی جو یہ کہتی تھی: "مُبارک ہو، خدا کی نہایت پیاری! خداوند تیرے ساتھ ہے۔ تو عورتوں میں برکت یافتہ ہے" اور اس نے کبھی داہنے کبھی بائیں طرف دیکھا کہ یہ آواز کہاں سے آتی ہے۔ اور خوف کھا کر وہ وہاں سے اپنے گھر چلی آئی اور اپنا گھڑا رکھ کر۔۔۔۔ وہ اپنی جگہ بیٹھ گئی۔۔۔۔۔ اور دیکھو خداوند کا ایک فرشتہ اس کے پاس کھڑا ہوا یہ کہنے لگا: "مت ڈرو مریم مت ڈرو! کیونکہ تو خدا کی نظروں میں محبوب ہوگئی ہے اور تو اس کے کلام سے حاملہ ہوگی"۔ مگر مریم نے یہ سنکر اپنے دل میں غور کیا: "کیا میں اسی طرح حاملہ ہوں گی جس طرح دیگر عورتیں ہوتی ہیں" اور فرشتہ نے اس سے کہا کہ: "اس طرح نہیں مریم! کیونکہ خداوند بزرگ و برتر کی قدرت تجھ پر سایہ افگن ہوگی۔ اسی لئے وہ مقدس چیز جو پیدا ہوگی وہ "خدا کا بیٹا" کہلائے گی اور تو اسکا نام یسوع (عیسیٰ) رکھنا"

مریم کے ہیکل میں پرورش ہونے کی روایت بھی بہت سی دیگر مشکوک الصحۃ اناجیل میں بیان ہوئی ہے۔ مثلاً قبطی کتاب "تاریخ دوشیزہ" (History of the Virgin) میں لکھا ہے،

"اس نے قمریوں کی طرح ہیکل میں پرورش پائی تھی اور خدا کے فرشتے اس کے لئے جنت سے کھانا لاتے تھے۔ اور وہ ہیکل میں خدمت کیا کرتی تھی اور خدا کے فرشتے اس کے پاس آیا کرتے تھے۔ اور وہ اس کے لئے اکثر شجرۃ الحیوٰۃ کے پھل

بھی لایا کرتے تھے تاکہ وہ ان کو خوش ہو کر کھائے۔" ایک دوسری قبطی کتاب "قصۂ وفات یوسف" (Story of The decease of Joseph) میں مندرجۂ ذیل عبارت پائی جاتی ہے: "مریم ہیکل میں رہا کرتی تھی اور وہاں پاکیزگی اور تقدس کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھی۔ اور وہاں وہ پرورش پاتی رہی حتیٰ کہ وہ بارہ برس کی ہو گئی۔ اپنے ماں باپ کے یہاں وہ تین سال رہی تھی اور خداوند کے ہیکل میں وہ نو سال تک رہی۔ پس جب کاہنوں نے دیکھا کہ وہ کنواری عصمت و عفت کے ساتھ رہتی ہے۔ اور خدا کے خوف کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ: "کوئی اچھا سا آدمی تلاش کر کے اس کی نسبت اسکے ساتھ کر دو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس انھوں نے فوراً قبیلہ یہودہ کو بلایا اور ان میں سے بارہ آدمی بنی اسرائیل کے بارہ قبایل میں سے ایک ایک منتخب کر لئے۔ اور قرعہ میں بوڑھے نیک مرد یوسف کا نام نکلا۔"

اب ہم "پراٹ ایونجیلیم" (Protevangelium) کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ جب یہ واقعہ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ مریم حاملہ ہو گئی ہے تو یوسف اور مریم دونوں کو فیصلہ کے لئے کاہنوں کے سامنے لایا گیا۔ پھر اس کے بعد قصّہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

"اور کاہن نے کہا: "اے مریم! یہ تو نے کیوں کیا اور اپنی روح کو ذلیل کیا؟ تو خداوند اپنے خدا کو بھول گئی۔ تو جس نے خداوند کے مقدس ہیکل میں پرورش پائی تھی، جس کو خدا کے ہاتھوں کھانا پہونچتا تھا اور جو خدا کی تسبیح و تہلیل سنا کرتی تھی ..... تو نے یہ حرکت کیوں کی؟" مگر وہ زار و قطار رو کر کہنے لگی: "قسم ہے خدائے حیّ و قیوم کی! میں اس کی نظروں میں پاک ہوں اور میں کسی مرد کو نہیں جانتی۔"

اس کے بعد لکھا ہے کہ یوسف اور مریم دونوں ناصرہ سے ہجرت کر کے بیت اللحم کو چلے گئے۔ جب وہاں ان کو کاروانسرائے میں جگہ نہ ملی، وہ ایک غار میں ٹھہرنے کے لئے گئے اور وہاں خداوند یسوع پیدا ہوا۔

مریم اور درخت رطب کا واقعہ جو قرآن میں (سورۂ مریم) بیان کیا گیا ہے وہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مشکوک الصحۃ کتاب (History of The nativity of Mary & The infancy of The Saviour) سے لیا گیا ہے۔ اگرچہ ہم آیندہ چلکر دونوں بیانات کو اور بھی زیادہ قدیم ذرائع سے ماخوذ ثابت کریں گے، جس کتاب کا نام ہم نے اوپر درج کیا ہے اس میں اس واقعہ کا تعلق اس زمانہ سے ہے جبکہ یوسف و مریم مع یسوع ہجرت کر کے مصر کی طرف جا رہے تھے۔ قصّہ میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ مقدس خاندان کس طرح سفر پر روانہ ہوا اور دو روز تک خاموشی کے ساتھ سفر کرتا رہا۔ قصّہ کا تسلسل اس طرح ہے:

"لیکن سفر پر روانہ ہوتے سے تیسرے دن ایسا واقعہ ہوا کہ مریم ریگستان میں بوجہ تمازت آفتاب بیحد تھک گئی پس جب اس نے ایک درخت دیکھا تو اس نے یوسف سے کہا: "آؤ تھوڑی دیر کے لئے اس درخت کے سایہ میں آرام کریں" اور یوسف جلدی جلدی اس کو اس درخت کے پاس لایا اور اسے اس جانور پر سے اُتارا جس پر وہ سوار تھی۔ جب مریم بیٹھ گئی تو اس نے درخت کی چوٹی کی طرف دیکھا اور جب اس نے یہ دیکھا کہ وہ پھل سے لدا ہوا ہے تو اس نے یوسف سے کہا: "میں چاہتی ہوں

کہ اگر ممکن ہو سکے تو اس درخت کا پھل کھاؤں"۔ اس پر یوسف نے اس سے کہا کہ "مجھے تعجب ہے تم اس قسم کی باتیں کرتی ہو کیونکہ تم دیکھتی ہو کہ اس کھجور کے درخت کی شاخیں کس قدر اونچی ہیں۔ البتہ میں پانی کیلئے بہت زیادہ فکرمند ہوں کیونکہ اب ہمارے مشکیزوں کا پانی ختم ہو گیا ہے اور کوئی جگہ ایسی نظر نہیں آتی جہاں سے پانی بھر کر پیاس بجھائی جائے۔" اس پر بچہ یسوعؑ نے جو شگفتہ صورت کے ساتھ اپنی ماں کے سینہ پر لیٹا ہوا تھا اس کھجور کے درخت سے کہا: "اے درخت اپنی شاخیں جھکا دے اور اپنے پھل سے میری ماں کا دل شاد کر"۔ یہ حکم سنتے ہی اُس درخت نے فوراً اپنا سر مریم کے قدموں پر جھکا دیا اور انھوں نے اس کے پھل چنکر کھائے اور ترو تازہ ہو گئے۔ اس کے بعد جب درخت کے تمام پھل چن لئے گئے تو وہ درخت اسی طرح جھکا کھڑا رہا کیونکہ وہ اس کے حکم کا منتظر تھا جس کے حکم سے وہ جھکا تھا۔ تب یسوعؑ نے اس درخت سے کہا: "او کھجور کے درخت اُٹھ اور خوش ہو کیونکہ تو ان درختوں کے ساتھ ہو گا جو میرے باپ کی بہشت میں ہیں۔ مگر تو اپنی جڑوں سے وہ چشمہ کھول دے جو زمین میں پوشیدہ ہے اور اس چشمہ سے پانی بہنے دے تاکہ ہم اپنی پیاس بجھائیں"۔ فوراً وہ کھجور کا درخت سیدھا کھڑا ہو گیا اور نہایت صاف، سرد اور شیریں پانی کے چشمے اس کی جڑوں سے پھوٹ نکلے۔ اور جب انھوں نے ان چشموں کو دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئے اور وہ سب مع اپنے خادموں اور جانوروں کے مطمئن ہو گئے اور خدا کا شکر ادا کیا۔"

کھجور کے درخت اور چشمہ کے قصّہ کو اس زمانہ سے متعلق کرنے کے بجائے جبکہ وہ لوگ ہجرت کر کے مصر جا رہے تھے، قرآن نے اس وقت سے متعلق کیا ہے جب عیسیٰ پیدا ہوئے اور یہ بتایا کہ ان کی پیدائش درخت کی جڑ میں ہوئی اور اسی وقت درخت کو حکم دیا گیا کہ وہ مریم کے کھانے کے واسطے اپنے پھل گرائے اور اس کو بہتے ہوئے چشمہ کی بھی اطلاع دی۔ چونکہ اس جگہ قرآن اور مشکوک الصحۃ انجیل کی مطابقت ہوتی ہے اس لئے [illegible] کی بھی یہی تاویل زیادہ صحیح ہوگی بجائے اس کے کہ اس قول کو جبرئیل کی طرف منسوب کیا جائے۔

اب ہمیں یہ تحقیق کرنا ہے کہ قرآن نے یہ خیال کہاں سے لیا کہ یسوعؑ ایک درخت کی جڑ میں پیدا ہوا تھا۔ نیز آنکہ وہ روایت کہاں سے آئی جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ درخت جُھک گیا اور ماں اور بچہ کو اپنا پھل کھلایا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان دونوں باتوں کا مستند اناجیل میں مطلقاً ذکر نہیں ہے۔

ان دونوں واقعات کا ماخذ بدھ مت کی پالی زبان کی کتب میں پایا جاتا ہے۔ ہم کو مہاونسو (Mahawamsa) سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ غالباً ۸۰ق م کے قریب راجہ وتا گامنی (Vattagamani) فرمانروائے سیلون کے زمانہ میں قلمبند کیا گیا تھا۔ مگر یہ بہت ممکن ہے کہ ان پالی کتب کا بہت بڑا حصّہ اس سے بھی کئی صدی پیشتر قلمبند کیا جا چکا ہو۔ ان کتب میں جو روایات ہیں وہ بہت ہی قدیم زمانہ میں وسعت کے ساتھ نہ صرف ہندوستان اور سیلون بلکہ وسطی ایشیا، چین، تبت اور دیگر ممالک میں پھیل گئی تھیں۔ پارسیوں کی مقدس کتاب "یشت" (Yasht) باب ۱۳-۱۶ میں لکھا ہے کہ بدھ مت کے داعی ایران میں عیسیٰ سے دو سو برس قبل پہونچ چکے تھے اور مغربی، مشرقی، وسطی اور جنوبی ایشیا میں بودھیت سے

دگ بیحد متاثر ہو گئے تھے ۔ مانیت (Manichaism) ۔ لاادریت (gnosticism) وغیرہ قسم کے مذاہب اسی کی وجہ سے ظہور میں آئے تھے اور اسی کے باعث رہبانیت (Monasticism) بھی وجود میں آئی تھی ۔ مشکوک الصحۃ اناجیل کی بہت سی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان باطل کتب کے مصنفین کے دلوں میں بودھیت کے خیالات جاگزیں ہو گئے تھے ۔ اگرچہ ان کو اس امر کا احساس تک نہ تھا کہ خیالات کہاں سے آئے ۔ ہم بالی کتب کی وہ عبارتیں نقل کرتے ہیں جن میں درخت کے متعلق قدیم ترین روایات موجود ہیں ۔

ان میں ایک روایت "ندان کتھا جاتکم" (Nidana katha jatkam) باب ا صفحات ۵۰ و ۵۳ پر موجود ہے ۔ لکھا ہے کہ " رانی مایا جو گوتم بدھ کی والدہ تھیں ، حاملہ تھیں اور جانتی تھیں کہ وضع حمل کا وقت قریب آ رہا ہے ۔ اس لئے اس نے اپنے شوہر راجہ سدھودھن سے ملکی رسم کے موافق اپنے میکے میں جانے کی اجازت حاصل کر لی تا کہ وہاں پہونچکر بچہ جنے ۔ اثنائے سفر میں رانی مایا اور اس کی خواصیں ایک خوبصورت اور دلآویز جنگل میں داخل ہوئیں اور رانی نے جو بعض درختوں کو پھولوں سے لدا دیکھا تو وہ بیحد تعریف کرنے لگی " اس کے بعد جو کچھ واقع ہوا وہ کتاب کے الفاظ میں حسب ذیل ہے :

" جب وہ ایک خوشنما درخت سال کے نیچے پہونچی تو اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ سال کے درخت کی شاخ پکڑے ۔ سال کے درخت کی شاخ اس طرح ملایم ہو کر جیسے بھاپ میں پکائی ہوئی لکڑی ملایم ہو جاتی ہے ، نیچے جھکی اور اسقدر قریب ہو گئی کہ رانی ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ سکے ۔ پس اس نے اپنا ہاتھ پھیلا کر شاخ کو پکڑ لیا ------- پس جہاں وہ شاخ پکڑے کھڑی ہوئی تھی وہیں اسے وضع حمل ہوا "

اس بیان میں اور اس میں جو ولادت عیسیٰ کے بارہ میں قرآن کے اندر ہے ، بہت خفیف سا فرق ہے ۔ محمدؐ نے کھجور کا درخت بیان کیا ہے کیونکہ عرب لوگ اسی درخت سے زیادہ مانوس تھے ۔ علاوہ ازیں ملک عرب میں سال کا ہندوستانی درخت پیدا نہیں ہوتا ۔ بے شبہ یہ روایت ہندوستان سے عرب تک پہونچتے پہونچتے بدل گئی ہے اور ایسا عموماً ہوتا ہے ۔ ہندوستانی روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ بدھ کی والدہ نے ان پھولوں کو توڑنے کے لئے جو اس کے سر پر درخت کی شاخ پر کھلے ہوئے تھے کوشش جو کی تو غیر متوقع طور پر وضع حمل ہو گیا ۔ یہ بات بالکل فطری ہے ۔ مگر قرآن میں وضع حمل کا کوئی سبب بیان نہیں کیا گیا ۔ کہ کھجور کے درخت کے نیچے کیوں وضع حمل ہوا ۔ مگر ظاہر ہے کہ دونوں قصے یکساں اور واحد ہیں ، قرآن کی طرح ہندوستانی روایت میں بھی یہ بات موجود ہے کہ درخت نے اپنی شاخیں جھکا دیں تا کہ مایا پھول توڑ سکے ۔ یا جیسا کہ قرآن میں لکھا ہے کہ درخت نے اپنے پختہ پھل مریم پر گرا دئے ۔

موخر الذکر واقعہ کے متعلق دیگر بیانات جو عیسائیوں کی اناجیل مشکوک الصحۃ میں بیان کئے گئے ہیں وہ اس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ مریم و یوسف مع مسیح مصر کی طرف ہجرت کر رہے تھے ۔ اس وقت مسیح شیر خوار بچہ تھا ۔ یہ بیان بالکل

ویسا ہی ہے جیسا کہ "چاریا پٹکم" (Charia Pitakam) باب ۱۔ اشلوک ۹۔ میں لکھا ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ بدھ اپنے کسی پچھلے جنم میں راجہ ویسنترو (Veesandara) کہلاتا تھا۔ جب اس راجہ نے اپنی رعایا کو ناخوش کر دیا تو اُس نے اسے معزول کر کے ملک سے نکال دیا۔ اور اس کے ساتھ اس کی بیوی اور دو چھوٹے بچوں کو بھی نکال دیا۔ جب یہ لوگ پہاڑوں کی طرف جو دور فاصلہ پر نظر آ رہے تھے بغرض پناہ گزینی سفر کر رہے تھے تو بچوں کو بھوک معلوم ہوئی۔ اس کے بعد بدھ مت کی روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"اگر بچے اطراف کوہ میں باردار درختوں کو دیکھتے ہیں تو بچے پھلوں کے لئے روتے ہیں، چنانچہ بچوں کو روتا دیکھکر بڑے بڑے تنا ور درخت خود بخود جُھک گئے اور بچوں کی دسترس سے قریب ہو گئے"[1]

صاف ظاہر ہے کہ قرآن میں اور "تاریخ مریم" میں یہ روایت غیر شعوری طور پر بدھ مت کی روایات سے لی گئی ہیں۔ اور اسی واقعہ سے ان دونوں بیانات کی غلطی ثابت ہوتی ہے۔

اگر اس بات کے ثابت کرنے کی مزید ضرورت ہو کہ محمدؐ کے زمانہ تک بدھ مت کی روایات مغربی ایشیا میں رائج ہو گئی تھیں اور انھیں مسیحی تاریخ سمجھا جاتا تھا، تو اس کے ثبوت میں ہم "برلعم اور جوزافث" (Barlaam & Joaphal) کا قصہ پیش کرتے ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ یہ روایت چھٹی صدی عیسوی میں بزبان یونانی لکھی گئی تھی۔ مگر زیادہ عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسے خلیفۃ المنصور باللہ کے زمانہ میں (۷۵۳ء لغایۃ ۷۷۴ء) جانیس دمشقی (Johannes Damascenus) نے لکھا تھا۔ اس کتاب کا عیسائی شہزادہ جوزافث یقیناً خود بدھ ہے اور یہ نام "جوزافث" در اصل "بودھی ستوا" (Bodhisattva) کی بگڑی ہوئی صورت ہے جو بدھ کے بہت سے خطابوں میں سے ایک ہے۔ اس قصہ کا اصل ماخذ سنسکرت زبان میں بدھ کے متعلق ایک رمانی قصہ ہے جس کا نام للت وستر" (Lalita Vistara) ہے۔ بایں ہمہ یہی "جوزافث" یونانی و رومی دونوں کلیساؤں میں ایک ولی اللہ مانا جاتا ہے جس کے عرس کے لئے یونانیوں میں ۲۶ اگست اور رومیوں میں ۲۷ نومبر مقرر ہے۔

عیسیٰ کے بچپن کا قصہ

اس وقت تک ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس میں کسی قدر ذکر عیسیٰ کے بچپن کا بھی آ گیا ہے۔ مگر اب ہم اسی موضوع پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہیں۔

سورۂ آل عمران میں لکھا ہے کہ ولادت عیسیٰ سے قبل فرشتہ نے اس کی نسبت کہا تھا کہ: "وہ گہوارہ میں لوگوں سے باتیں کرے گا" اور سورۂ مریم میں لکھا ہے کہ "جب کنواری مریم کی قوم نے اسے لعنت و ملامت کی تو مریم نے بچّہ کی طرف اشارہ کیا"

---

[1] چینی سنسکرت کی ایک کتاب کا ترجمہ بیل نے کیا ہے جس کا نام Romantic History of Buddha ہے ایک اور کتاب جس کا نام Phao yan King ہے۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود بدھ کی پیدائش بھی درخت کے نیچے ہوئی تھی۔

جس کا مطلب یہ تھا کہ اسی بچّہ سے دریافت کر لو کہ وہ کیسے پیدا ہوا ہے۔ اس پر ان لوگوں نے متعجب ہو کر کہا تھا کہ: "ہم اس سے کیونکر بات چیت کر سکتے ہیں جو ابھی گہوارہ میں بچّہ ہے" اس پر شیر خوار عیسیٰ نے لوگوں سے کہا کہ: "تحقیق میں خدا کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے"۔

اس روایت کا ماخذ تلاش کرنا چنداں مشکل نہیں ہے۔ ہم اس سے پیشتر دکھا چکے ہیں کہ ایک مشکوک الصحۃ انجیل میں لکھا ہے کہ جب عیسیٰ عہد طفولیت میں مریم و یوسف کے ساتھ مصر کو جا رہا تھا تو اس نے کھجور کے ایک درخت کو خطاب کر کے یہ حکم دیا تھا کہ "جھک جائے اور اس کی ماں کو اپنا پھل چننے دے"۔ مگر غالباً جس جگہ سے یہ روایت لی گئی ہے وہ "انجیل الطفولیت" ہے۔۔ اس کتاب کے پہلے ہی باب میں لکھا ہے کہ:

"ہم نے کاہن اعظم جوزیفس (Josephus) کی کتاب میں لکھا دیکھا ہے (جو یسوع کے زمانہ میں تھا، اور جسے بعض لوگ کائیفس (Caiphus) بتاتے ہیں) کہ یسوع اسوقت بات کرتا تھا جبکہ وہ گہوارہ میں تھا اور اس نے اپنی ماں مریم سے کہا کہ: "تحقیق میں ہوں یسوع، ابن اللہ، کلمہ جسے تو نے جنا، حسب فرمودۂ جبرئیل جس نے تجھے خوشخبری سنائی تھی۔ اور مجھے میرے باپ نے دُنیا کی نجات کے لئے بھیجا ہے"۔

یقیناً قرآن میں یہ تو ظاہر نہیں کیا جا سکتا تھا کہ عیسیٰ نے وہ الفاظ کہے جو اس مصنوعی انجیل کے مصنف نے لکھے ہیں، کیوں کہ قرآن میں ہر جگہ عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کیا گیا ہے۔ لیکن اس امر کا یقین کرتے ہوئے کہ عیسیٰ نے گہوارہ میں گفتگو کی، محمدؐ نے اس کی زبان سے وہ الفاظ کہلائے جو ان کے نزدیک مناسب اور اسلام کے موافق تھے۔ ورنہ قصہ ایک ہی ہے "انجیل الطفولیت" کی عربی زبان اس قدر خراب ہے کہ ہرگز یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ محمدؐ کے زمانہ کی لکھی ہوئی ہے مگر آج تک اس کتاب کی نسبت یہ خیال کبھی نہیں کیا گیا کہ وہ عربی زبان میں لکھی گئی تھی۔ جب ہم کتاب مذکور کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ کتاب قبطی زبان میں لکھی گئی تھی اور بعد میں اس کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا اور اس واقعہ سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس قصہ کا ماخذ کیا ہے۔ کیونکہ یہ مشہور واقعہ ہے کہ والیٔ مصر نے محمدؐ کی خدمت میں تحفتاً دو قبطی لڑکیاں بھیجی تھیں۔ ان میں ایک "ماریہ قبطیہ" تھی جو محمدؐ کی محبوب حرم بن گئی تھی۔ یہ عورت اگرچہ انجیل سے بخوبی واقف نہ تھی، مگر وہ اس روایت سے ضرور واقف ہوگی جو "انجیل الطفولیت" میں بیان کی گئی ہے اور جو اس زمانہ میں بہت مشہور تھی۔ محمدؐ نے غالباً یہ قصہ اسی ماریہ قبطیہ سے معلوم کیا اور یہ یقین کر کے کہ غالباً یہ ان اناجیل میں درج ہوگا جنھیں تمام عیسائی عام طور پر الہامی سمجھتے ہیں، محمدؐ نے اس قصہ کو قرآن کے اندر داخل کر دیا۔ ممکن ہے کہ ماریہ قبطیہ کے علاوہ اس قصہ کے راوی اور بھی ہوں۔ مگر راوی کوئی بھی ہو، یہ بات ظاہر ہے کہ اس کا ماخذ یقیناً وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

واضح ہو کہ کتاب "انجیل الطفولیت" منجملہ ان متعدد کتب کے ہے جو بہت بعد میں لکھی گئی تھیں اور جنہیں کسی نصرانی فرقہ نے بھی الہامی خیال نہیں کیا تھا۔ اسی قسم کی دوسری کتب جن کا قرآن پر بہت بڑا اثر ہے وہ یہ ہیں:۔

(Prot Evangelium of James)۔ (Gospel of Thomas Isr.) (Gospel of Nicodemus) جس کا دوسرا نام (Gesta Pilati) بھی ہے اور (The narrative of Joseph of Arimathaea)

مندرجۂ بالا کتب محض دلچسپ داستانیں ہیں جنھیں لوگ بغیر خیال صحت و عدم صحت کے پڑھتے تھے بلکہ اکثر یہ بھی جانتے تھے کہ یہ پرانے قصے ہیں اور ان کو کوئی تاریخی اہمیت حاصل نہیں۔ لیکن بعض کم علم لوگ ایسے بھی تھے جو ان روایات کو صحیح سمجھتے تھے۔

ہم بعض مثالیں ایسی پیش کر چکے ہیں جن میں بعض قصص کا ماخذ بدھ مت کے قدیم قصے ہیں۔ یسوع کا عالم طفلی میں جبکہ وہ گہوارہ میں تھا لوگوں سے گفتگو کرنا بھی اسی قسم کا ایک قصہ ہے۔ اسی قسم کا معجزہ "للت وستر" (Lalit-Vistara) بدھ چرت (Budh Charit) اور دیگر سنسکرت کتب میں بھی بدھ کی نسبت پایا جاتا ہے۔ کتاب (Romantic legend) میں ہم کو نہایت متانت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ بدھ پیدا ہوتے ہی "فوراً سات قدم افق کی ہر سمت چلا اور جو قدم وہ رکھتا تھا، ہر قدم پر اس کے پاؤں کے نیچے کی زمین سے کنول کا پھول پیدا ہو جاتا تھا اور جب وہ نظر جما کر کسی سمت کو دیکھتا تھا تو اس کے منھ سے یہ الفاظ نکلتے تھے: "۔۔۔ تمام دنیا میں صرف میں ہی سردار ہوں" ایک اور چینی سنسکرت کی کتاب میں بھی یہی قصہ بیان کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ بدھ کے الفاظ یہ تھے: "یہ جنم بحیثیت بدھ لیا گیا ہے اس کے بعد میں کوئی نیا جنم نہیں لوں گا۔ بس اب میں صرف اسی مرتبہ کے لئے پیدا ہوا ہوں تاکہ تمام دنیا کو نجات دوں"

بدھ مت اور نصرانیت کے درمیان جو فرق ہے اگر اس سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو مندرجۂ بالا عبارت کے آخری الفاظ ان الفاظ سے بعید مشابہ ہیں جو "انجیل الطفولیت" میں پائے جاتے ہیں یعنی "میرے باپ نے مجھے دنیا کی نجات کے لئے بھیجا ہے" بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک عبارت دوسری کا لفظی ترجمہ ہے۔

یہ واقعہ کہ عیسیٰ نے عہد شیر خوارگی میں گفتگو کی، قرآن کی سورۂ مائدہ کی آیات میں بھی پایا جاتا ہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:-

"جب اللہ کہے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم یاد کر میری ان نعمتوں کو جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر نازل کیں، جب میں نے روح القدس سے تجھ کو قوت دی۔ تو لوگوں سے گہوارہ میں اور بڑا ہو کر باتیں کرتا تھا اور جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور انجیل سکھائی اور جب تو نے چکنی مٹی سے میرے حکم سے چڑیا جیسی ایک شکل بنائی، پھر تو نے اس میں روح پھونکی اور وہ اسی وقت چڑیا بن گئی میرے حکم سے، تو نے اندھوں اور جذامیوں کو میرے حکم سے شفا دی، جب تو نے مردوں کو میرے حکم سے زندہ کیا، اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا۔ اور جب تو ان کے پاس صاف دلایل لیکر پہونچا۔ پس ان میں سے جنھوں نے کفر کیا کہا کہ یہ صاف جادو ہونے کے سوا اور کچھ نہیں"

یہاں عیسیٰ کا اندھوں، جذامیوں کو شفا دینا، اور مردوں کو زندہ کرنا جو کچھ لکھا ہے وہ بالواسطہ اناجیل اربعہ سے

اخذ کیا جا سکتا ہے اور اسی قسم کی باتیں مشکوک الصحۃ اناجیل میں بھی درج ہیں۔ مگر مٹی کی چڑیاں بنانے اور ان میں جان ڈالنے کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ مشکوک الصحۃ کتاب "انجیل طامس اسرائیلی" سے ماخوذ ہے جس کے دوسرے باب میں یہ لکھا ہے کہ:۔

"یہ لڑکا یسوع جب پانچ برس کا ہو گیا تو وہ ایک چشمہ کے کنارے کھیل رہا تھا۔ اس نے پانی کو گڈھوں میں بھر لیا تھا اور وہ فوراً ایک ہی حکم دیکر ان گڈھوں کو صاف کر دیتا تھا۔ اور اس نے کسی قدر باریک مٹی گوندھ کر اس کی بارہ چڑیاں بنائیں مگر جس روز وہ یہ حرکتیں کر رہا تھا وہ یوم السبت تھا۔ مگر اس کے ساتھ بہت سے اور لڑکے بھی کھیل رہے تھے۔ لیکن ایک یہودی نے دیکھا کہ یسوع کیا کر رہا ہے یعنی سبت کے دن کھیل رہا ہے پس وہ فوراً گیا اور یسوع کے باپ یوسف سے کہا: "دیکھو تمھارا لڑکا چشمہ پر ہے۔ اس نے مٹی لیکر اس نے اس کی بارہ چڑیاں بنائیں اور اس نے یوم السبت کی بحرمتی کی یوسف موقعہ پر پہونچا اور دیکھ کر چلایا: "کیوں تو سبت کے دن ایسی حرکتیں کر رہا ہے جبکہ ایسا کرنا جائز ہے؟" مگر یسوع نے تالیاں بجا کر چڑیوں کو آواز دی اور ان سے کہا کہ: "اُڑ جاؤ" اور وہ چڑیاں اُڑیں اور چہچہاتی ہوئی چلی گئیں۔ جب یہودیوں نے یہ بات دیکھی تو وہ حیران و ششدر رہ گئے۔ اور انھوں نے جا کر جو کچھ دیکھا تھا اور جو کچھ یسوع نے کیا تھا اپنے سرداروں سے بیان کیا۔"

یہ امر قابل توجہ ہے کہ یہ تمام قصہ عربی کی "انجیل الطفولیت" میں دو مرتبہ بیان ہوا ہے۔ یعنی ایک مرتبہ باب ۳۶۔ اور دوسری مرتبہ باب ۴۶ میں۔ اس کا باعث یہ ہے کہ اس کتاب کا ایک حصہ "انجیل طامس اسرائیلی" سے لیا گیا ہے۔

یہاں بھی ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ روایت وہی ہے جو قرآن میں مختصراً بیان کی گئی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ نے یہ مختصر بیان کسی تحریر سے نہیں بلکہ اپنی یادداشت سے درج کیا۔ اور اسی لئے انھوں نے بارہ کے بجائے صرف ایک چڑیا کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس چڑیا میں یسوع کے حکم سے نہیں بلکہ خود اپنی سانس پھونکنے سے جان پڑ گئی تھی۔ قرآن کے مختصر بیان سے نہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ اس زمانہ میں کافی رائج تھا اور سب اس کو صحیح مانتے تھے بلکہ یہ بھی کہ اس وقت اہل مدینہ کو صحیح اناجیل کا کس قدر کم علم حاصل تھا۔ کیونکہ ان میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ مسیح نے بچپن میں کوئی معجزہ دکھایا بلکہ بقول یوحنا باب آیۃ ۱۱۔ مسیح نے اس وقت تک کوئی معجزہ نہیں دکھایا جب تک اسے بتیس برس کی عمر کے قریب بپتسمہ نہیں دیا گیا۔

مائدہ

عیسیٰ کا یہ مفروضہ معجزہ قرآن کی سورۂ مائدہ آیات ۱۱۲ لغایتہ ۱۱۵ میں اس طرح درج ہے:۔

"جب عیسیٰ کے حواریوں[1] نے اس سے کہا کہ: یا عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا خداوند ہمارے لئے آسمان سے کھانا نازل کرنا منظور کر لیگا، تو اس نے کہا کہ ڈرو خدا سے اگر تم مومن ہو۔ انھوں نے کہا کہ: ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور کہ ہمارے

[1] قرآن میں عیسیٰ کے متبعین کو حواریوں کہا گیا ہے۔ یہ لفظ حبش کا ہے؛ اس لئے ہو سکتا ہے کہ جو روایات مسیح کے متعلق حبش میں رائج تھیں وہ ان مسلمانوں کے ذریعہ رسول اللہ کو پہونچی ہوں جنھوں نے حبش میں پناہ لی تھی۔

مطمئن ہو جائیں۔ اور ہم کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ تو نے جو کچھ ہم سے کہا ہے وہ بالکل سچ کہا ہے نیز یہ کہ ہم اس کے گواہ ہو جائیں۔ عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے خدا تو ہمارے لئے آسمان سے ایک خوان بھیج دے تاکہ ہم میں سب سے اول اور سب سے آخر تک سب کے لئے عید ہو جائے۔ اور تیرا نشان ہو۔ اور تو ہم کو رزق بھیج کیونکہ تو بہترین رزاق ہے، اس پر اللہ نے فرمایا: یقیناً میں تمہارے پاس کھانا بھیجوں گا۔ مگر جو شخص تم میں سے اس کے بعد کفر کرے گا تو میں یقیناً اسے سخت عذاب میں مبتلا کروں گا کہ آج تک کسی کو نہ کیا ہوگا۔"

اس قصہ کے متعلق اگر ملک حبش کی کوئی روایت ہو تو دوسری بات ہے، کیونکہ جو لوگ سب سے پہلے اسلام لائے تھے وہ مخالفین کے ظلم و ستم کے باعث ملک حبش کو ہجرت کر گئے تھے اور وہاں سے ممکن ہے وہ کوئی روایت اپنے ساتھ لائے ہوں ورنہ یہ بات عہد نامۂ جدید کی عبارت صحیح نہ سمجھنے سے پیدا ہوئی۔ انجیل لوقا باب ۲۰۔ آیتہ ۳۰ میں لکھا ہے: مسیح نے اپنے شاگردوں سے کہا، "تاکہ تم میری سلطنت میں میرے دسترخوان پر کھا پی سکو۔"

محمدؐ کو بے شبہ معلوم تھا کہ نصاریٰ بموجب انجیل متی باب ۲۶۔ آیات ۲۰۔ لغایتہ ۲۹۔ انجیل مرقس باب ۱۴۔ آیات ۱۷ لغایتہ ۲۵۔ انجیل لوقا باب ۲۲۔ آیات ۱۴۔ لغایتہ ۳۰، وانجیل یوحنا باب ۱۳۔ آیات الغایتہ ۳۰ عشاء ربانی کی تقریب مناتے ہیں۔ مگر جس چیز کی وجہ سے ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ خوان نعمت آسمان سے نازل ہوا تھا وہ یقیناً کتاب اعمال باب ۱۰ آیات ۹ لغایتہ ۱۶ کا بیان تھا جس میں رویائے پطرس کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے:

"پطرس بام خانہ پر عبادت کرنے کے لئے گیا۔ اس وقت چھٹا گھنٹہ ہوگا۔ اسے اشتہا معلوم ہوئی۔ اور اس نے کچھ کھانا چاہا۔ لیکن جب وہ تیار ہوئی تو وہ حالت وجد میں آگیا اور اس حالت میں وہ یہ دیکھتا ہے کہ آسمان کھلا اور ایک خاص ظرف نیچے اترا، جو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ایک بہت وسیع چادر ہے جس کے چاروں کونے پکڑ کر نیچے اتارا جا رہا ہے۔ اس میں ہر قسم کے چوپائے اور زمین پر رینگنے والے جانور اور آسمان کی چڑیاں تھیں اور اس کو ایک آواز سنائی دی کہ: "اٹھ پطرس! انھیں ذبح کر اور کھا۔" لیکن پطرس نے کہا: "نہیں خداوند ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں نے کوئی ایسی چیز کبھی نہیں کھائی جو عام یا ناپاک ہو۔" اس کے بعد ایک آواز پھر آئی جس نے کہا کہ: "جس چیز کو خدا نے پاک کر دیا ہے اسے تو عام مت بنا۔" اور یہی بات تیسری مرتبہ کہی گئی اور وہ برتن سیدھا آسمان کی طرف چلا گیا۔"

سورۂ مائدہ کی جن آیات کا ترجمہ ہم نے پیش کیا ہے ان کے آخری الفاظ اس امر کا مزید ثبوت ہیں کہ محمدؐ کے دل میں عشاء ربانی کا خیال تھا کیونکہ ان الفاظ میں، پولوس رسول کے اس انتباہ کی جھلک نظر آتی ہے جو عشائے ربانی کو بدتمیزی کے ساتھ کھانے پر کیا گیا ہے۔

جس کسی شخص نے عہد نامۂ جدید کو پڑھا یا پڑھتے ہوئے سنا ہوگا وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتا کہ پطرس کے رویا اور عشائے ربانی میں خلط مبحث کر دے یا اس رویا کو یہ سمجھ لے کہ عیسیٰ ابن مریم کی زندگی میں کوئی خوان نعمت آسمان سے نازل ہوا تھا

یہ مضمون جو ان آیات میں درج ہے اس بات کی ایک دلچسپ مثال ہے کہ روایات کس طرح پیدا ہوا کرتی ہیں۔

محمدؐ اور عقیدۂ تثلیث

اس باب کے ابتدائی حصہ میں ہم مختصراً اس مضمون کی طرف اشارہ کر چکے ہیں لیکن باب ہذا کا جو عنوان ہم نے قایم کیا ہے اس پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے۔ محمدؐ نے جس طرح تثلیث و توحید کے مسیحی عقیدہ کو سمجھا تھا وہ بالکل اسی طرح تھا جیسے کہ انھوں نے عشائے ربانی کے معاملہ کو سمجھا۔ قرآن کی آیات کا مفہوم یہ ہے:-

”جب اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ میں اور میری ماں خدا کے علاوہ دو خدا ہیں؟“ — ”اے اہل کتاب تم اپنے دین میں حد سے زیادہ نہ بڑھو اور اللہ کے خلاف جھوٹ نہ بولو بلکہ سچ بولو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم صرف اللہ کا ایک بندہ اور اس کا کلمہ ہے جو اس نے مریم میں ڈالا اور اس کی روح ہے۔ پس تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور مت کہو ”تین“۔ باز آؤ اس حرکت سے کیونکہ یہ تمھارے لئے اچھا ہے۔ تحقیق اللہ واحد معبود ہے۔ یہ اس کی شان کے خلاف ہے کہ اس کے کوئی بیٹا ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ سب اس کا ہے اور اللہ وکالت کے لئے کافی ہے۔ (سورۂ نساء آیت ۱۷۱)

”یقیناً وہ لوگ کفر کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ تحقیق اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔ اور کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اگر وہ اس سے باز نہ آئیں گے تو یقیناً ایک سخت تکلیف دہ عذاب ان پر نازل ہوگا جو کفر کریں گے۔ (سورۂ مائدہ آیت ۷۳)

جلال الدین اور یحییٰ مفسرین قرآن نے لکھا ہے کہ یہ آیات جواب ہیں اُن نصاریٰ کے بیانات کا جو کہتے تھے کہ خدا تین ہیں یعنی خدا باپ، مریم اور یسوع۔ ان آیات سے یہ بات بھی بالکل صاف ظاہر ہوتی ہے کہ یقیناً محمدؐ کو اس بات کا کامل یقین تھا کہ نصاریٰ کے درس تثلیث میں تین علیٰحدہ علیٰحدہ خدا ہیں اور یسوع و مریم ان میں سے دو ہیں۔ لیکن تیسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ کے خیال میں ان خداؤں کی ترتیب یسوع، مریم اور خدا یا مریم، یسوع اور خدا تھی۔

ہم کو افسوس ہے کہ اس زمانہ میں جس صنم پرستانہ طریقہ سے لوگ مریم کی پرستش کیا کرتے تھے اس کی وجہ سے محمدؐ کو یہ یقین ہو گیا کہ جو لوگ مریم کو ”بہشت کی ملکہ“ اور ”خدا کی ماں“ کہتے ہیں وہ درحقیقت مریم میں شان الوہیت مانتے ہیں ان کا یہ خیال بالکل صحیح تھا کہ نصاریٰ نے مریم کے مقابلہ میں خدا کو اس کے عرش سے معزول کر دیا تھا لیکن اگر محمدؐ کو یہ معلوم ہوتا کہ نصرانیت کی بنیاد ہی توحید پر ہے (استثنا باب ۴۔ آیتہ ۴۔ اور انجیل مرقس باب ۱۲۔ آیتہ ۲۹) تو وہ شاید ایسا نہ کہتے۔ محمدؐ نے مسئلہ تثلیث فی التوحید کی اصلی تفسیر و تشریح غالباً کبھی نہ سُنی ہوگی۔ ورنہ وہ یہ بات ضرور جان لیتے کہ عیسائی علمائے دین، باپ کی نسبت ”تین میں کا تیسرا“ کا لفظ نہیں استعمال کرتے تھے بلکہ Πηγή της Θεότητος یعنی ”سرچشمۂ الوہیت“ کہتے تھے۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اگرچہ مریم کی اس طرح غیر ضروری شان بڑھانا، جسے دیکھ کر محمدؐ بائبل کی سچی تعلیم سے منحرف ہوگئے دین مسیحی کے خلاف ہے مگر اس قسم کے باطل خیالات اور رسموں کی بعد کی لکھی ہوئی مشکوک الصحۃ اناجیل سے بہت کچھ حوصلہ افزائی ہوتی ہے، خصوصاً ان اناجیل باطل سے جو محمدؐ کا نصرانیت کے متعلق ذریعۂ معلومات تھیں۔ یہ بات ہم نے اسلئے ظاہر کردی ہے کہ کوئی مسلمان یہ نہ کہنے لگے کہ وہ "انجیل الطفولیت" وغیرہ جیسی کتابوں کی نسبت یہ ثابت کرسکتا ہے کہ وہ بمقابلہ اناجیل مشمولۂ عہد نامۂ جدید کے زیادہ مستند ہیں اور انھیں میں ابتدائی دین عیسوی کی تعلیم ہے جو عیسیٰ نے لوگوں کو سکھائی تھی۔ ہم کو یہ تجربہ ہے کہ مسلمان لوگ اس قسم کی باتیں اکثر کرنے لگتے ہیں۔

مصلوبیت مسیح سے انکار

یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ مسلمانوں نے ابتدا ہی سے اس بات سے انکار کیا ہے کہ مسیح کی وفات صلیب پر ہوئی تھی۔ اس بارہ میں ان کی دلیل قرآن کی سورۂ نساء کی آیتہ $\frac{156}{158}$ ہے جس میں یہودیوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کردیا۔ اور انھوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ اس کو مصلوب کیا بلکہ وہ اس بارہ میں شبہ میں ڈال دئے گئے اور یقیناً جو لوگ اس بارہ میں اختلاف کرتے ہیں وہ اس معاملہ میں شبہ رکھتے ہیں۔ انھیں اس معاملہ کا کوئی علم نہیں۔ صرف قیاس آرائی ہے۔ اور یقینی طور پر انھیں کچھ معلوم نہیں۔ نہیں! اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ طاقتور اور حکمت والا ہے۔"

محمدؐ نے جو مصلوبیت مسیح سے انکار کیا اس بارہ میں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے ایسی مشکوک الصحۃ اناجیل سے مدد لی جو اس کو بجید محبوب تھیں۔ یہ بھی کہنا غیر ضروری ہے کہ محمدؐ نے عہد نامۂ عتیق اور عہد نامۂ جدید دونوں کی مخالفت کی۔ اور غالباً محض اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک یہ بات مسیح کی شان کے خلاف تھی کہ اسے صلیب دیجائے اور اسکے دشمن اسے قتل کردیں۔ محمدؐ کو اس کا اور زیادہ یقین ہوگیا جب انھوں نے خود اپنے دشمن یہودیوں کو اس بات پر فخر کرتے دیکھا کہ انھوں نے یسوع کو قتل کردیا تھا۔ یہی باعث ہے کہ محمدؐ نے بعض نصارائے معتزلہ (Heresiarchs) کا یہ بیان بڑی خوشی سے قبول کرلیا کہ مسیح کو صلیب نہیں دی گئی۔ بہت سے نصارائے معتزلہ نے زمانۂ محمدؐ سے بہت عرصہ پیشتر اس بات سے انکار کردیا تھا کہ مسیح کو تکلیفیں دی گئیں تھیں۔ ارینائیوس (Irenaeus) نے ایک لاادری معتزلہ مسمی باسیلڈیز (Basilides) کی تعلیمات کا حوالہ دیکر لکھا ہے کہ مسیح کے متعلق یہ شخص اپنے گمراہ متبعین کو یہ سکھایا کرتا تھا کہ: "اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ بلکہ ایک شخص مسمی شمعون (Simon) ساکن سائرینیہ (Cyrene) کو مجبور کیا گیا تھا کہ وہ مسیح کے بجائے اس کی صلیب اٹھا کرلے چلے۔ پس لاعلمی اور غلطی کی وجہ سے اسی شخص کو صلیب دی گئی تھی، جسے مسیح کی صورت میں تبدیل کردیا گیا تھا تاکہ لوگوں کو یہ خیال گزرے کہ یہی خود مسیح ہے۔" اس اقتباس کی عبارت قرآن کی عبارت سے قریب قریب ملتی جلتی ہے۔ باینہمہ محمدؐ ہر بات میں باسیلیڈیز کے ہمنیا نہیں کیونکہ موخرالذکر کے خیال میں

مسیح خدا کا Nous یعنی ذہن تھا لہٰذا اس کو کسی قسم کا صدمہ نہیں پہونچ سکتا تھا کیونکہ وہ اصلی انسانی جسم ہی نہیں رکھتا تھا۔ یہ عقیدہ قرآن کے بالکل خلاف ہے کیونکہ یسوع اگرچہ نبی اور رسول تھا، مگر پھر بھی وہ جسم انسانی رکھتا تھا، عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اور اس کے لئے کسی نہ کسی وقت مرنا مقدر تھا۔ محمدؐ نے باسیلیدیز کے اُصول سے مخالفت بھی کی اور اس اُصول سے استخراج شدہ نتیجہ کو منظور بھی کرلیا۔

یہ خیال کہ مسیح صرف بظاہر فوت ہوا تھا صرف باسیلیدیز تک محدود نہ تھا۔ فاتھیوس (Photius) نے اپنی کتاب "ببلیوتھقا" (Bibliotheca) میں یہ واقعہ قلمبند کیا ہے کہ ایک مشکوک الصحت کتاب "اسفار حواریین" میں بیان کیا گیا ہے کہ "مسیح مصلوب نہیں کیا گیا بلکہ اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص صلیب دیا گیا تھا"۔ مانی (Mani) وہ مشہور و معروف شخص جس نے کسی زمانہ میں ایران کے اندر اس قدر زبردست اثر حاصل کرلیا تھا، وہ بھی کہتا تھا کہ:-

"شاہ ظلمت کو صلیب سے باندھ دیا گیا اور اسی شخص پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا"۔

بایں ہمہ قرآن کی مختلف آیات میں بہت جگہ یہ لکھا ہے کہ یسوع کی وفات ضرور ہوگی اور جس طرح تمام انسان فوت ہوتے ہیں اسی طرح وہ بھی مرے گا۔ مثلاً سورۂ آل عمران آیۃ ۵۴ میں لکھا ہے کہ "اے عیسیٰ تحقیق میں تجھے وفات دوں گا اور تجھے اپنی اُٹھالوں گا (یعنی اپنے دربار میں تیرا درجہ بلند کروں گا) اور جن لوگوں نے کفر کیا ان سے تجھے پاک کروں گا"۔

اسی طرح سورۂ مریم آیۃ ۳۳ میں لکھا ہے: "سلامتی ہو جیو مجھ پر اس روز جب میں پیدا ہوا، اور اس روز جبکہ میں مروں گا اور اس روز جبکہ میں زندہ اُٹھایا جاؤں گا"۔

مسلمان مفسرین ان آیات کے معنی پر متفق الخیال نہیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جب یہودیوں نے عیسیٰ کو صلیب دینا چاہا تو انھوں نے عید الفصح (Paschal Feast) سے ایک دن قبل شام کے وقت یسوع اور اس کے حواریوں کو گرفتار کرکے قید کر دیا۔ اس ارادہ سے کہ دوسرے روز صبح کو اسے قتل کردیں۔ مگر رات کے وقت اللہ نے عیسیٰ پر وحی نازل فرمائی کہ "تجھے میری وجہ سے ذائقۃ الموت چکھنا چاہئے۔ مگر تجھے فوراً ہی میری طرف اُٹھا لیا جائے گا اور تو کافروں کی طاقت سے محفوظ ہو جائے گا"۔ پس یسوع مر گیا اور تین گھنٹہ تک مردہ رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ زیادہ عرصہ تک مُردہ رہا۔ بالآخر جبرئیل آیا اور عیسیٰ کو کھڑکی کے راستہ سے باہر نکال کر آسمان پر لے گیا۔ اور یہ بات کسی نے نہ دیکھی۔ ایک کافر یہودی جاسوس کو غلطی سے عیسیٰ سمجھ لیا گیا اور اسے صلیب دیدی گئی۔ مگر عام بلکہ دراصل عالمگیر رائے مسلمانوں کی فی زمانناہ یہ ہے جس کی تائید "قصص الانبیاء" اور "عرایس التیجان" وغیرہ ایسی کتابوں سے ہوتی ہے۔ ان کتب میں بیان کیا گیا ہے کہ جب یہودیوں نے اس مکان کا محاصرہ کرلیا جس میں عیسیٰ اور اس کے حواریین تھے۔ تو جبرئیل آکر عیسیٰ کو کھڑکی میں سے یا چھت میں سے زندہ اُٹھا کر چرخ چہارم پر لے گئے۔ شیوغ "ملک الیہود" یا اس کا ایک دوست مسمی فلطیانوس (Jaltianus) یسوع کو قتل کرنے کے لئے جو مکان میں داخل ہوا تو لوگوں نے غلطی سے اسی کو عیسیٰ سمجھ لیا اور قتل کر ڈالا۔ بہرحال عیسیٰ

ضرور مرے گا اور اس غرض کے لئے دنیا پر واپس آئے گا کیونکہ آیات مندرجۂ بالا کا مفہوم یہی ہے، نیز سورۂ نساء آیہ ۱۵۹ میں لکھا ہے: " وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ " "یعنی تحقیق اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اس پر اس کی موت سے قبل ایمان نہ لائے گا" اس میں بھی بہت سے مفسرین کے نزدیک وفات مسیح کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جب دجال کا خروج ہوگا اور وہ گمراہ کرکے لوگوں کو کافر بنائے گا اور جس وقت امام مہدی بہت سے مسلمانوں کے ساتھ بیت المقدس میں ہوں گے اس وقت عیسیٰ آئے گا اور دجال سے جنگ کرکے اس کو قتل کرے گا۔ اور نصاریٰ کو دین اسلام کی دعوت دے گا۔ عیسیٰ کا مذہب اسلام ہوگا۔ اور جو شخص اسلام لائے گا اسے وہ پناہ دے گا اور جو شخص اسلام نہیں لائے گا وہ قتل کردیا جائے گا۔ وہ مشرق سے لیکر مغرب تک تمام دُنیا کو فتح کرے گا اور دنیا کی تمام آبادی کو مسلمان کرے گا۔ اور وہ دین اسلام کی صداقت اس حد تک قایم کرے گا کہ دنیا بھر میں ایک متنفس بھی کافر نہیں رہے گا اور دُنیا پوری طرح مہذب و متمدن ہوجائے گی۔ اور اس پر خدا کی کثیر برکتیں نازل ہوں گی۔ اور وہ عدل و انصاف کی تکمیل کریگا یہاں تک کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پینے لگیں گے۔ اور وہ بدکاروں پر ناراض ہوگا۔ اس طرح چالیس برس تک دنیا کو ترقی دینے کے بعد وہ بھی ذائقۃ الموت چکھیگا اور دنیا سے اُٹھ جائے گا۔ تب مسلمان لوگ اس کو حجرۂ محمدؐ کے قریب دفن کرینگے"

مسیح کے دُنیا میں واپس آنے اور اپنی سلطنت تمام دنیا پر قایم کرنے کا خیال انجیل کے عین مطابق ہے اور اسی سے لیا گیا ہے خصوصاً ایسے مقامات سے جیسے کتاب اعمال باب ۱۔ آیتہ ۱۱۔ مکاشفہ باب ۱۔ آیتہ ۷۔ یسعیاہ باب ۱۱۔ آیہ ۱۔ لغایتہ ۱۰۔ مگر افسوس اسلام کے ہاتھوں سے شمشیر براں یہاں بھی نہیں چھوٹی۔ یعنی مسیح آکر بذریعہ نوک شمشیر اسلام پھیلائیگا دجال کی شکست کی طرف جو اشارہ ہے وہ غالباً "مدعقس حصہ ۲۔ آیات ۸ لغایتہ ۱۰" اور اسی قسم کی عبارتوں سے ماخوذ ہے لیکن تحقیق طلب امر یہ ہے کہ اگر آیات قرآنی مندرجۂ بالا کا یہ مطلب ہے کہ مسیح کو موت ضرور آئے گی جیسا کہ بیہقی اور دیگر محدثین کے بیانات سے بھی معلوم ہوتا ہے، تو یہ خیال کہاں سے لیا گیا جبکہ یہ خیال انجیل کے قطعی خلاف ہے (ملاحظہ ہو مکاشفہ باب آیات ۱۷۔ ۱۸)

اس کا سُراغ بھی ہم کو اناجیل باطلہ میں ملتا ہے۔ ایک عربی کتاب میں (جو غالباً پہلے قبطی زبان میں تھی) جس کا نام "ہمارے مقدس باپ بوڑھے یوسف نجار کی وفات" ہے ادریس اور الیاس کے بارہ میں، جو بغیر وفات پائے آسمان پر چلے گئے تھے، یہ لکھا ہے کہ "ان لوگوں کو اختتام زمانہ پر ضرور دنیا میں آنا پڑے گا۔ جبکہ ہر طرف تکلیف، مصیبت، خوف دہشت اور ظلم وستم طاری ہوگا، اور وہ یہاں آکر ضرور مریں گے۔ اسی قسم کی ایک قبطی کتاب اور ہے جس کا نام "مریم کے سو جانے کی تاریخ" ہے۔ اس میں بھی قریب قریب یہی الفاظ لکھے ہیں مثلاً " اب رہے دوسرے (ادریس اور الیاس) ان کے لئے بھی ذائقۃ الموت چکھنا ضروری ہے" قرآن میں بھی اس قسم کے جملے پائے جاتے ہیں؛ " کل نفس ذائقۃ الموت" یعنی ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا پڑے گا۔

چونکہ محمدؐ نے ہر جگہ یہ بیان کیا ہے کہ عیسیٰؑ آسمان پر زندہ چلے گئے، اس لئے ان کے دل میں یہ خیال قدرتاً پیدا ہونا چاہئے تھا کہ ادریس والیاس کی طرح وہ بھی دنیا پر آکر ضرور مرے گا۔

مسلمانوں کی روایات میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ آکر عیسیٰؑ اپنی شادی بھی کرے گا[1]۔ یہ خیال غالباً مکاشفہ باب ۱۹۔ آیات ۷ لغایتہ ۹ کو غلط سمجھنے سے پیدا ہوا ان آیات میں لکھا ہے کہ: "آؤ خوشیاں منائیں اور خوب خوش ہوں اور اسکے جلال کی مدح کریں۔ کیونکہ برّہ کی شادی آگئی ہے اور اس کی بیوی نے عود کو طیار کرلیا ہے۔ اور اس کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ (بیوی) باریک، چمکدار اور خالص کتان کی پوشاک میں ملبوس ہو۔ کیونکہ باریک کتان اولیاؤں کے اعمال نیک ہیں۔ اور وہ مجھ سے کہتا ہے کہ مبارک ہیں وہ لوگ جنھیں برّہ کی شادی کی ضیافت میں مدعو کیا گیا" یقیناً ان آیات میں استعارتاً بات کہی گئی ہے۔ جس کا مطلب روحانی امور میں کامل محبت اور کامل اتحاد ہے جو اس زمانہ میں مسیح اور اس سے پاک شدہ اور نجات یافتہ کلیسا کے درمیان ہوگا۔ (یہ بات مکاشفہ باب ۲۱۔ آیتہ ۲۔ اور افیسوسیوں کے نام باب ۵۔ آیات ۲۲۔ لغایتہ ۳۲ میں سمجھا دی گئی ہے)

یہ بات کہ عیسیٰؑ دُنیا میں دوبارہ آکر چالیس برس تک رہیگا کتاب اعمال باب ۱۔ آیتہ کی غلط فہمی سے پیدا ہوئی ہے۔ جہاں یہ لکھا ہے کہ یسوع مردوں میں سے جی اُٹھنے اور آسمان پر چڑھ جانے کے درمیان چالیس دن تک اپنے شاگردوں کے ساتھ رہا۔

بعثت محمدؐ کی نسبت عیسیٰ کی پیشگوئی

بائبل میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جنھیں پیش کر کے مسلمان یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ محمدؐ کے متعلق پیشگوئیاں ہیں۔ قرآن میں ایک جگہ صاف طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ وہ محمدؐ کی آمد کے منتظر رہیں۔ اور غالباً ان میں انجیل یوحنا کی بعض آیات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ سورۂ الصف آیہ ۶ میں لکھا ہے کہ: "جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ یا بنی اسرائیل تحقیق میں تمھاری طرف خدا کی طرف سے رسول بھیجا گیا ہوں اور میں تصدیق کرتا ہوں توریت کی جو مجھ سے پہلے تھی اور میں تم کو بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہے"۔

اس میں فارقلیط (Paraclete ۔ تسلی دینے والا) کی آمد کی طرف اشارہ ہے جس کا نام ذکر انجیل یوحنا باب ۱۴۔ آیہ ۱۶ لغایتہ ۲۶۔ باب ۱۵۔ آیہ ۲۶۔ اور باب ۱۶۔ آیہ ۷ میں کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ کو کسی جاہل مگر جوشیلے نومسلم نے دھوکا دیا جس نے دونوں لفظوں میں خلط مبحث کر دیا یعنی انجیل یوحنا کی آیات میں لفظ "Παρακλ'υΤS" استعمال ہوا ہے۔ مگر اس نے اس کو ایک دوسرا یونانی لفظ "ΠΕΡLK λV TOS" سمجھا۔ جس کے معنی عربی زبان میں وہی ہیں جو "احمد" کے ہیں۔ یعنی "بہت تعریف کیا گیا" مگر جو لفظ عیسیٰؑ نے استعمال کیا ہے اس کے معنی

---

[1] عرائس المجالس

کسی طرح بھی "احمد" نہیں ہو سکتے۔ جو شخص انجیل یوحنا کی مندرجہ بالا آیات کو پڑھے گا وہ بخوبی جان جائیگا کہ ان میں کسی بھی آیندہ آنے والے رسول کے متعلق پیشگوئی نہیں ہے۔ اور اس کا اطلاق کسی فرد بشر پر نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں ہر عیسائی جانتا ہے کہ جو وعدہ ان آیات میں کیا گیا ہے وہ کس طرح کتاب اعمال باب ۲۔ آیات الغایۃ ۱ میں پورا ہو چکا۔ قبل اس کے کہ ہم یہ بحث ختم کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین پر یہ بات واضح کر دیجائے کہ محمدؐ ہی پہلے شخص نہیں ہیں جنھوں نے انجیل یوحنا کی ان آیات میں اپنے لئے پیشگوئی ہونے کا دعویٰ کیا۔ محمدؐ سے پیشتر مانی نے جو ایران کے قصے کہانیوں میں ایک حیرت انگیز مصور کی حیثیت سے مشہور ہے، یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں وہی "شخص" ہوں جس کی طرف مسیح نے ان آیات میں اشارہ کیا ہے۔ مانی کا دعویٰ یہ تھا کہ میں "فارقلیط"[1] ہوں جس سے اسکا مقصد غالباً یہ تھا کہ جاہل عیسائیوں کو اپنا طرفدار بنائے۔ اور یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس شخص نے تاریخی یسوع کو تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ اپنی طرف ایک ایسا مسیح ایجاد کر لیا تھا "جس نے نہ تکلیف اٹھائی نہ وفات پائی"۔ ایک اور بات جس میں وہ اور محمدؐ دونوں برابر ہیں یہ ہے کہ اس نے اپنے لئے "انبیاء کا سردار" اور "سفیر النور" ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور کہتا تھا کہ میرے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ یہی دعویٰ محمدؐ کا بھی ہے مگر وہ شخص محمدؐ کی طرح خوش قسمت نہیں تھا کیونکہ اسے بہرام اول شاہ ایران کے حکم سے تقریباً ۲۷۶ء میں سولی پر چڑھا دیا گیا[2]۔ اس شخص نے ایک کتاب پیش کی تھی جسے مشرقی ممالک کے مصنفین "ارتنگ" (یا ارژنگ) کہتے ہیں۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ اس پر یہ کتاب آسمان سے نازل ہوئی ہے اور لوگوں کے لئے آخری الہام ہے۔

تخلیق آدم و سجدۂ ملائکہ

قرآن کی سورۂ آل عمران آیۃ ۵۸ میں ہے کہ: "تحقیق اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی۔ اس نے اس کو مٹی سے پیدا کیا پھر کہا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا"

آفرینش آدم کے متعلق روایات میں لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے ملائکہ مقربین میں سے یکے بعد دیگرے ایک ایک کو بھیجا کہ وہ جا کر مٹھی بھر مٹی لائے۔ چونکہ زمین جانتی تھی کہ اولاد آدم میں سے بہت سے ایسے ہوں گے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے اس لئے اس ہر فرشتہ سے التجا کی کہ وہ اس میں سے کوئی حصہ نہ لے اس لئے وہ سب سوائے آخری فرشتہ کے جو عزرائیل تھا خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ مگر عزرائیل نے مٹھی بھر مٹی اٹھالی اور زمین کی التجا نہ سنی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مٹی اس جگہ سے اٹھائی گئی تھی جہاں بعد میں خانہ کعبہ تعمیر کیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں تمام سطح زمین سے لی گئی تھی۔ الغرض وہ فرشتہ مٹی لیکر اللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "اے اللہ تو جانتا ہے

---

[1] چونکہ محمدؐ سے بہت قبل اہل عرب مانویت سے آگاہ ہو چکے تھے اس لئے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ محمدؐ نے مانی کے ان بیانات کو سنا ہو۔

[2] مانی کے متعلق یہ معلومات "الفہرست" سے حاصل کی گئی ہیں۔

کہ میں مٹی لے آیا ہوں"۔ ابوالفدا ابحوالہ کامل ابن اثیر لکھتا ہے کہ "رسول خدا نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا مٹھی بھر مٹی سے جو تمام روئے زمین سے لی گئی تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور تحقیق اس کا نام آدم اس لئے رکھا گیا کہ اسے "ادیم" یعنی سطح زمین سے پیدا کیا گیا تھا"۔

یہ روایت اس وجہ سے اور بھی دلچسپ ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اسلام عیسوی معتزلہ کے خیالات کا کس قدر رہین منت ہے یہ تمام قصہ مارسیوں (Marcion) کی کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس کی ایک عبارت ازنیق ارمنی (Eznig) کی کتاب "تردید معتزلہ" (Refutation of Heresies) میں نقل کی گئی ہے۔ دوسری صدی عیسوی کے اس رئیس المعتزلہ کا حال بیان کرتے ہوئے ازنیق نے مارسیوں کی حسب ذیل عبارت اپنی کتاب میں نقل کی ہے: "اور جب توریت کے خدا نے یہ دیکھا کہ یہ دنیا خوبصورت ہے تو اس نے اس میں سے آدم کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اس نے زمین یعنی مادہ میں اتر کر کہا کہ: تو مجھے اپنے میں سے مٹی دے اور میں اپنے میں سے روح دونگا"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب مادہ نے اسے اپنی مٹی دیدی تو اس نے اُسے پیدا کیا اور اس میں روح پھونکی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس وجہ سے اس کا نام آدم رکھا گیا کیونکہ وہ مٹی سے بنایا گیا تھا"۔

اس عبارت کو سمجھنے کے لئے یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ مارسیوں قدیم ایرانی مذہب ثنویت (Dualism) کا بڑی حد تک قایل تھا اور اس کا یہ عقیدہ تھا کہ علت العلل دو ہیں۔ ایک خیر محض اور دوسرا شر محض۔ اس کے نزدیک "دمیورگاس" یعنی اس زیریں دنیا کا خالق (Demiur god) جس کی نسبت اس نے عبارت مندرجہ بالا میں "توریت کا خدا" لکھا ہے کیونکہ اس نے یہودیوں کو شریعت موسوی دی تھی، وہ منصف ہے، نہ بالکل اچھا ہے نہ بالکل برا۔ مگر وہ ہمیشہ اصول شر کے ساتھ برسرِ جنگ رہتا ہے۔ اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ گویا وہ خدا نہیں بلکہ ایک بڑا فرشتہ ہے۔ اور اسلامی روایت میں بھی وہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مارسیوں کے نزدیک یہ دمیورگاس پہلے دوسرے آسمان پر رہتا تھا اور اسے "اعلیٰ اصولِ خیر" کے وجود کا کوئی علم نہ تھا۔ مارسیوں نے اس اصولِ خیر کا نام "خدائے لامعلوم" (Unknown god) رکھا ہے۔ جب دمیورگاس کو اعلیٰ اصولِ خیر کا علم ہوا تو وہ اس کا دشمن بن گیا اور اس امر کی کوشش کرنے لگا کہ لوگ اس خدا کا علم حاصل کرنے سے باز رہیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو اس کی پرستش چھوڑ کر خدا کی عبادت کرنے لگیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یسوع مسیح کو دنیا میں بھیجا تاکہ وہ توریت کے خدا اور اصولِ شر کی طاقت کو توڑ دے۔ اور لوگوں کو ہدایت کرکے ان کو سچے خدا کا علم حاصل کرائے۔ یسوع پر ان دونوں یعنی دمیورگاس اور اصول شر نے حملہ کیا۔ مگر وہ اس کو ضرر نہ پہونچا سکے کیونکہ وہ صرف ظاہری جسم رکھتا تھا تاکہ لوگوں کو دکھائی دے ورنہ اس کے کوئی اصلی جسم نہ تھا (غالباً اسی خیال کا تتبع کرکے محمدؐ نے مصلوبیت مسیح سے انکار کیا)

چونکہ مارسیوں نے دمیورگاس کی نسبت لکھا ہے اس سے بہت کچھ مسلمانوں کی روایت دربارہ عزازیل ملتی جلتی

ہے جو دوسرے آسمان کا باشندہ ہوگیا تھا (اور بقول بعض تمام آسمانوں کا) اس وقت تک یہ مردود ہوکر نکالا نہیں گیا تھا اور اس کا نام ابھی تک "ابلیس" (یونانی Διαβολος) اور "شیطان" (Satan) نہیں رکھا گیا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں مارسیون اور محمدؐ کے بیانات پارسی روایات سے ماخوذ ہیں جن کو ہم آیندہ باب میں بیان کریں گے۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ مارسیون اور اس کے تبعین نے دمیورگاس کو "رب العالمین"۔ "خالق المخلوقات" اور "ملک الارض" کے خطابات دئے تھے۔ اول دو خطاب در اصل خدا کے ہیں اور یہودی اور مسلمان دونوں فرقے خدا کے لئے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مگر تیسرا خطاب انجیل یوحنا باب ۱۴۔ آیتہ ۳۰۔ سے لیا گیا ہے جہاں وہ شیطان کے لئے استعمال ہوا ہے۔

تخلیق آدم کے سلسلہ میں قرآن نے بار بار بیان کیا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ مثلاً سورۂ بقر آیتہ ۳۴ میں ہے کہ: "جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔" اسی طرح اور قریب قریب انھی الفاظ میں سورۂ بنی اسرائیل آیتہ ۶۱۔ سورۂ الکہف آیتہ ۵۰۔ اور سورۂ طٰہٰ آیہ ۱۱۶ میں بیان کیا گیا ہے۔

مگر یہ خیال تالمود سے ہرگز نہیں ماخوذ ہوسکتا جس میں اگرچہ یہ لکھا ہے کہ فرشتوں نے آدم کی ضرورت سے زیادہ عزت کی۔ مگر یہ بھی صاف لکھا ہے کہ انھوں نے غلطی کی۔ یقیناً یہ خیال "عبرانیان باب ۱۔ آیت ۶" کی غلط فہمی سے پیدا ہوا ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ: "جب وہ پہلوٹا بچہ دُنیا میں لایا، تو اس نے کہا کہ: "خدا کے تمام فرشتے اس کو سجدہ کریں" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس آیتہ میں جو لفظ "پہلوٹا" استعمال ہوا ہے اس کو محمدؐ نے "عیسیٰ" نہیں بلکہ "آدم" سمجھا یعنی وہ جو سب سے پہلے دنیا میں پیدا کیا گیا۔ اور ممکن ہے یہ بات عیسیٰ پرستی کے خلاف کی گئی ہو کیونکہ قرآن میں محمدؐ نے کہا ہے کہ خدا کی نظروں میں عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے۔ بے شبہ اس وجہ سے کہ عیسیٰ کا باپ کوئی انسان نہ تھا (جیسا کہ عباسی اور جلالین میں بیان کیا گیا ہے)

سب کو دوزخ میں جانا ہوگا یہ عجیب و غریب خیال قرآن کی سورۂ مریم آیات ۶۸ لغایتہ ۷۱ میں اس طرح ظاہر کیا گیا ہے: "پس تیرے رب کی قسم ہے کہ ہم یقیناً ان کو اور شیاطین کو جمع کریں گے۔ پھر ہم یقیناً ان کو جہنم کے گرد لیجا کر دوزانو بٹھائیں گے پھر ہم ہر فرقہ میں سے اس شخص کو لیں گے جو خدائے رحمان کے خلاف سب سے زیادہ باغی ہے۔ پھر ہم یقیناً ان لوگوں کو سب سے بہتر جانتے ہیں جو اس میں سب سے زیادہ جلنے کے مستحق ہیں۔ اور تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس میں داخل نہ ہوگا یہ تیرے خدا کا اٹل فیصلہ ہے۔"

اس مضمون کے باعث متقی و پرہیزگار مسلمانوں کو سخت پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ مفسرین نے ان الفاظ کے ظاہری

معنی سمجھانے کی سخت کوشش کی ہے (اگرچہ اس بارہ میں سب ہمخیال نہیں ہیں) اور کہتے ہیں کہ یہاں صرف یہ مطلب ہے کہ تمام آدمی، حتیٰ کہ سچے مسلمان بھی، آتش دوزخ کے قریب آئیں گے۔ یعنی اس وقت جبکہ وہ قیامت کے دن پل (صراط) سے گزریں گے۔ اگر یہ معنی تسلیم کرلئے جائیں تو زیادہ مناسب ہوگا کہ اس مسئلہ پر آیندہ یعنی باب پنجم میں بحث کی جائے جہاں ہم یہ دکھائیں گے کہ مذہب زردشت نے اسلام پر کیا اثر ڈالا۔ مگر آیات مندرجہ بالا کے الفاظ سے غالب خیال یہ گزرتا ہے کہ محمدؐ نے یہاں عالم برزخ یعنی مکان تطہیر النفس بعد الموت کا عقیدہ ظاہر کیا ہے جسے انگریزی زبان میں (Purgatory) کہتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو ضرور انھوں نے یہ خیال انجیل مرقس باب ۹۔ آیتہ ۴۹۔ اور کارنتھیون حصۂ اول باب ۳۔ آیتہ ۱۳۔ ۱۔ سے لیا گیا ہے۔ صحیفۂ ابراہیم میں لکھا ہے کہ ہر شخص کے اعمال آگ کے ذریعہ سے جانچے جاتے ہیں۔ اگر آگ کسی شخص کے اعمال کو جلادیتی ہے تو دوزخ کے فرشتے اس کو مقام عذاب میں لیجاتے ہیں۔ مگر چونکہ قرآن کی ان آیات کا صحیح مفہوم غیر یقینی ہے اس لئے ہم ضرورت نہیں سمجھتے کہ عالم برزخ کے عقیدہ کی مزید تحقیق کریں۔

المیزان قرآن میں کئی جگہ المیزان یعنی ترازو کا ذکر آیا ہے جس میں حشر کے دن سب کے برے اور بھلے اعمال تولے جائیں گے قرآن کی خاص خاص آیتیں اس بارہ میں حسب ذیل ہیں:۔ "والوزن یومئذِن الحق فمن ثقلت موازینہ فاولائک ہم المفلحون۔ ومن خفّت موازینہ فاولائک الّذین خسروا انفسہم" (سورۂ الاعراف آیہ ۸) یعنی اس روز صحیح تول تولا جائے گا۔ پس جس شخص کے نیک اعمال کا پلّہ بھاری ہوگا وہی شخص کامیاب ہوں گے۔

"اللّٰہ الّذی اُنزل الکتاب بالحقّ والمیزان" یعنی اللہ وہ ہے جس نے کتاب نازل کی سچائی کے ساتھ اور میزان۔ (سورۂ الشوریٰ آیہ ۱۷)

"فامّا من ثقلت موازینہ۔ فہو فی عیشۃٍ رّاضیۃٍ۔ واَمّا من خفّت موازینہ۔ فامہ ہاویۃ" (سورۂ القارعہ آیات ۶ لغایتہ ۹) یعنی پس جس کے نیک اعمال کا وزن بھاری ہوگا وہ عیش میں رہے گا اور وہ جس کے نیک اعمال کا وزن ہلکا ہوگا اس کی ماں سب سے نیچے کا طبقۂ جہنّم ہوگا۔

مفسرین قرآن نے بر بنا احادیث ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ حشر کے دن اللہ تعالیٰ دوزخ اور جنّت کے درمیان ایک ترازو کھڑی کرے گا جس میں ایک کانٹا اور دو پلّے ہوں گے۔ یہ میزان اس لئے مخصوص ہوگی کہ اس میں لوگوں کے نیک و بد اعمال یا ان کے اعمالنامے تولے جائیں۔ جو لوگ مومن ہیں وہ دیکھیں گے کہ وہ پلّہ جس میں ان کے نیک اعمال رکھے جاتے ہیں دوسرے پلّہ سے جھک جائے گا جس میں ان کے برے اعمال ہیں۔ مگر جس پلّہ میں کافروں کے نیک اعمال رکھے جاتے ہیں وہ اس پلّہ سے ہلکا رہے گا جس میں ان کے برے اعمال رکھے گئے ہیں۔ مومن کا رتی بھر بھی نیک عمل نہ چھوڑا جائے گا اور نہ اس کے بداعمال میں رتی بھر اضافہ کیا جائے گا۔ وہ لوگ جن کے نیک اعمال کا پلّہ بھاری ہے وہ جنّت میں چلے جائیں گے مگر وہ لوگ جن کے نیک اعمال انکے اعمال بد سے ہلکے ہوں گے وہ آتشِ دوزخ

میں ڈال دئے جائیں گے۔

لوگوں کے اعمال وزن کئے جانے کا خیال یہودیوں کی تالمود یعنی "روش ہشاناۃ" (Rosh Hashshanah) باب ۱۷ میں موجود ہے۔ ممکن ہے کہ اس میں یہ خیال کتاب دانیال باب ۵۔ آیۃ ۲۷ سے لیا گیا ہو۔ لیکن اس صورت میں بلشذار بادشاہ (Belshazzar) کا "وزن" کیا جانا حشر کے دن یا بعد الموت نہیں قرار پاتا بلکہ اس کی زندگی ہی میں ہوتا ہے۔ لہذا محمدؐ کے خیال کا ماخذ ہمیں کسی دوسری جگہ تلاش کرنا پڑے گا اور یہ بات ہم کو مشکوک الصحۃ کتاب "صحیفۂ ابراہیم" میں ملتی ہے۔ یہ کتاب غالباً ملک مصر میں لکھی گئی تھی اور دوسری یا تیسری صدی عیسوی میں ایک یہودی نے جو عیسائی ہو گیا تھا تحریر کی تھی۔ اس کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں بھی موجود ہے۔ اس کتاب کی بعض عبارتوں اور قرآن کی بعض آیتوں نیز محمدؐ کی احادیث میں اس قدر زیادہ مطابقت پائی جاتی ہے کہ اس واقعہ کو محض اتفاقی نہیں کہا جا سکتا۔ اور خصوصاً جو کچھ "صحیفۂ ابراہیم" میں "میزان" کے متعلق کہا گیا ہے وہ تو خاص طور پر قابل توجہ ہے۔

لکھا ہے کہ جب ملک الموت خدا کے حکم سے ابراہیم کی روح قبض کرنے آیا تو انھوں نے اس سے درخواست کی کہ مجھے آسمانوں اور زمین کے عجائبات دیکھنے کی مہلت دیجائے۔ چنانچہ یہ اجازت دیدی گئی اور وہ اس فرشتہ کے ساتھ آسمان پر چڑھے اور دیکھنے کے قابل چیزیں دیکھیں۔ جب وہ دوسرے آسمان پر پہونچے تو وہاں انھوں نے میزان دیکھی جس میں ایک فرشتہ لوگوں کے اعمال تولتا تھا۔ صحیفۂ مذکور کی عبارت حسب ذیل ہے:

"دو پھاٹکوں کے درمیان ایک تخت بچھا تھا ...... اور اس پر ایک عجیب و غریب آدمی بیٹھا تھا .... اور اس کے سامنے ایک بلور کی طرح چمکدار میز بچھی ہوئی تھی جو سونے اور باریک کتان کی تھی۔ اور اس میز پر ایک کتاب رکھی ہوئی تھی۔ جو چھ ہات موٹی تھی اور اس کی چوڑائی دس ہاتھ تھی۔ اور اس میز کے داہنے اور بائیں دو فرشتے استادہ تھے جن کے ہاتھوں میں قلم، روشنائی اور کاغذ تھا۔ اور میز کے سامنے ایک روشنی بردار فرشتہ اپنے ہاتھ میں ایک ترازو لئے بیٹھا تھا۔ اور بائیں طرف ایک آتشیں فرشتہ بیٹھا تھا جو قطعی بے رحم اور سخت دل تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک صُور تھا جس میں وہ سب کو جلا دینے والی آگ رکھتا تھا، یہ گنہگاروں کی آزمایش تھی۔ اور وہ عجیب و غریب آدمی جو تخت پر بیٹھا تھا۔ وہ خود روحوں کی جانچ کر رہا تھا اور داہنے اور بائیں جو دو فرشتے تھے وہ لکھتے جاتے تھے۔ داہنی طرف والا فرشتہ نیک اعمال اور بائیں طرف والا فرشتہ گناہ درج کرتا تھا اور وہ فرشتہ جو میز کے سامنے تھا جس کے ہاتھ میں میزان تھی وہ روحوں کو تول رہا تھا اور وہ آتشیں فرشتہ جو آگ لئے ہوئے تھے وہ ان روحوں کی جانچ کر رہا تھا۔ تب ابراہیم نے میکائیل ان کے بڑے سردار سے دریافت کیا: "یہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں کیا ہے؟" سردار نے جواب دیا کہ "مقدس ابراہیم! جو کچھ تو دیکھتا ہے وہ حساب اور جزا و سزا ہے۔"

اس کے بعد قصہ میں لکھا ہے کہ ابراہیم نے دیکھا کہ ہر وہ روح جس کے نیک و بد اعمال برابر ہیں۔ وہ نہ نجات یافتہ

میں داخل کیا گیا نہ معتوبین میں بلکہ وہ ان دونوں طبقات کے درمیان جاکر کھڑا ہوگیا - یہ آخری بات مسلمانوں کے اس عقیدہ کے بالکل مطابق ہے جو سورۂ اعراف میں ظاہر کیا گیا ہے کہ : " وبینہما حجاب ، وعلی الاعراف رجال " یعنی اور ان دونوں کے درمیان پردہ ہے اور اعراف پر آدمی ہیں — اسی مضمون کی حدیثیں بھی ہیں -

اب اس بات میں کسی قسم کا شک وشبہ کرنا قطعی ناممکن ہے کہ محمدؐ نے یہ خیال یعنی میزان کا قصہ براہ راست یا بالواسطہ صحیفۂ ابراہیم سے لیا تھا - اور یہی خیال جو دراصل ملک مصر سے آیا تھا ، اس زمانہ میں بہت کچھ رائج تھا - گمان غالب یہ ہے کہ محمدؐ نے یہ بات "ماریہ قبطیہ" (Mary the Copt) سے سیکھی ہوگی جو ان کی مصری حرم تھی - ایسی ترازو کا عقیدہ جس میں لوگوں کے نیک و بد اعمال تولے جائیں مصر قدیم میں بہت پرانا تھا - قدیم مصریوں کی " کتاب الموتیٰ " (Book of the dead) کی بہت سی جلدیں قدیم مصری مقبروں میں دستیاب ہوئی ہیں - میزان کا قصہ اس کتاب کے اس حصہ میں درج ہے جس میں "یوم الحساب" کا منظر دکھایا گیا ہے - اس کتاب کے متعلق ڈاکٹر بج (Budge) کا قول ہے کہ : " یہ امر قطعی یقینی ہے کہ "کتاب الموتیٰ" اپنی مسلسل صورت میں اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ مصری تمدن - اور جن ذرائع سے وہ کتاب ماخوذ ہے وہ اس قدر پردۂ قیامت میں پوشیدہ ہیں کہ ان کی نسبت کوئی تاریخ مقرر نہیں کی جا سکتی "کتاب الموتیٰ" کی تاریخ میں ہم کو ٹھوس تاریخی باتیں شاہان مصر کے قدیم خاندانوں میں نظر آتی ہیں - اور اگر ہم اس روایت کا اعتبار کریں جو مصر میں مسیح سے اڑھائی ہزار سال قبل رائج تھی تو ہم یہ یقین کرنے میں بالکل صحیح ہوں گے کہ اس کتاب کے بعض حصص جیسے کہ وہ موجودہ صورت میں ہیں پہلے فرمانروا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں - اس امر کے متعلق کہ یہ کتاب کس شخص کی تصنیف ہے ، ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں کہ : " زمانۂ نامعلوم سے ثوث (Thoth) دیوتا ، جو دیوتاؤں کا میر منشی (Scribe of the gods) اور عقل ربانی (Divine Intelligence) یا علم الٰہی بھی تھا جس نے بوقت آفرینش عالم وہ الفاظ کہے تھے جنھیں فتاح (Ptah) اور خنیمو (Khnemu) نے صورت عمل دی تھی ، وہ اس کتاب الموتیٰ کی تصنیف سے واقف تھا - مصریوں کی حنوط شدہ لاشوں کے ساتھ اس "کتاب الموتیٰ" کا ایک نسخہ اس خیال سے دفن کر دیا جاتا تھا کہ مردہ اس کتاب سے ہدایت حاصل کرے اور وہ طریقے بھی سیکھ لے جن پر عمل کر کے وہ ان مختلف خطرات سے محفوظ رہے گا جو اسے دوسری دنیا میں پیش آئیں گے - کتاب الموتیٰ سے ہم کو قدیم مصری مذہب کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل ہوتی ہیں - اس کتاب میں " عدالتخانہ " کی ایک تصویر بھی ہوتی تھی ، جو اگرچہ مختلف کتابوں میں مختلف ہوتی تھی مگر عام خاکہ سب کا ایک ہی سا ہوتا تھا - اس تصویر میں جو عموماً پائی جاتی ہے یہ دکھایا جاتا ہے کہ دو دیوتا ہورس (Horus) اور انوبیس (Anubis) ترازو تول رہے ہیں - ایک پلہ میں انسان کا دل رکھا ہوا ہے اور دوسرے میں حق و صداقت کی دیوی مات (Maat) کا بُت ہے - ایک تیسرا دیوتا (Thoth) ایک کاغذ پر مردہ کے اعمال کا حساب لکھ رہا ہے - ترازو پر یہ عبارت

لکھی ہوتی ہے: "اوسیریز کا عدل و انصاف ہو کر رہتا ہے۔ خدا کے ایوان عدالت میں ترازو اپنے مقام پر متوازن قایم ہے وہ کہتا ہے: "اب رہا اس کا دل، تو اس کے دل کو اپنے مقام پر اوسیریز عادل میں داخل ہونے دو" طیہوتی (Tehuti) شہر حسرت (Hermopolis) کے صنم کبیر مالک بلدۂ ہرموپولس، طیہوتی کے الفاظ کے مالک کو یہ کہنے دو" مُردہ کو اپنے ذاتی نام کے علاوہ (جس کے لئے ایک خالی جگہ چھوڑ دی جاتی تھی) اوسیریز کا نام دینا یہ معنی رکھتا تھا کہ حساب کتاب میں ٹھیک اُترنے کے بعد وہ بڑے دیوتا اوسیریز کی ذات میں شامل ہو جاتا ہے۔ جو قدیم مصریوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا اور اس طرح اس مُردہ کی روح خبیث طاقتوں کے حملہ سے مامون و مصئون ہو گئی ہے۔

دیوتاؤں کے میر منشی طیہوتی کی تصویر کے سامنے ایک خوفناک جانور کھڑا ہوتا ہے جو صورت و شکل میں کتے سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ اس جانور کی نسبت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ بدکاروں کو کھا جاتا ہے۔ اس جانور کے سر پر یہ لکھا ہوا ہوتا ہے: "دشمنوں کو نگل کر انھیں معتوح کرنے والی ملکۂ جہنم کا کتا" اس جانور کے قریب ایک قربانگاہ ہوتی ہے جس پر بہت سا پرشاد یا تبرک چڑھا ہوتا ہے اور یہ قربانگاہ اندرونی مندر کے دروازہ کے سامنے قایم ہوتی ہے۔ مندر کے اندر ایک تخت پر خود اوسیریز متمکن ہوتا ہے۔ اسکے ایک ہاتھ میں عصا اور دوسرے میں تازیانۂ عذاب ہوتا ہے۔ یہ دیوتا بحیثیت ایک منصف کے بیٹھا ہوتا ہے۔ اور جب طیہوتی مردہ کے دل کو میزان میں تول کر نتیجہ درج کر لیتا ہے تو اسی کے مطابق اوسیریز مردہ کی روح سے معاملہ کرتا ہے۔ اوسیریز کے سامنے ایک کتبہ ہوتا ہے جس میں اس کے بعض خطابات درج ہوتے ہیں۔ یہ عبارت اس طرح ہوتی: "اوسیریز نیک ہستی، معبود، مالک حیات، صنم کبیر، مالک عقبیٰ، فردوس اور دوزخ کا بادشاہ، معبود اعظم، شہر عبط (Abtu) کا مالک، ازل کا بادشاہ، معبود" اس کے نیچے کئی مرتبہ الفاظ "زندگی اور صحت" درج ہوتے ہیں۔

اس تصویر کا اگر میزان کے اس بیان سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے جو "صحیفۂ ابراہیمی" اور قرآن کے اندر درج ہے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن اور احادیث اور مسلمانوں کی روایات میں جس میزان کا ذکر کیا گیا ہے وہ قدیم مصری خرافیات سے لی گئی ہے اور یہ عقیدہ ان مسیحی خیالات کے ذریعہ سے پہنچا ہے جو صحیفۂ ابراہیمی میں درج ہیں اور جو مصر میں پشتہا پشت سے رائج تھے۔

بہشت میں آدم کی خوشی اور غم

قرآن کی سورۂ "اسریٰ" کی پہلی آیۃ میں محمدؐ کی معراج کا مختصر سا بیان ہے۔ اور مسلمانوں کی روایات و احادیث اس کے مفصل اور وسیع حالات سے بھری پڑی ہیں۔ معراج کی آیۃ حسب ذیل ہے:- "سبحان الّذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصا الّذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا" یعنی تعریف ہے اس خدا کی جس نے ایک رات میں سفر کرایا اپنے بندہ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصا تک جس کے احاطہ کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی ایک نشانی دکھائیں"

اس واقعہ کو واقعۂ معراج محمدی کہتے ہیں۔ اور اس پر ہم آیندہ باب میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے یہاں

ہم نے اس واقعہ کا ذکر محض اس غرض سے کیا ہے کہ اس مشہور سفر کے متعلق جو ایک حدیث ہے اس کی سیر ہم اپنے ناظرین کو کرائیں۔ کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" میں ایک منظر درج ہے جو محمدؐ نے سات آسمانوں میں سب سے نیچے کے آسمان میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ لکھا ہے کہ:

"پس جب اس نے ہمارے لئے سب سے نیچے کا آسمان کھول دیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بیٹھا ہے۔ اسکے داہنے اور بائیں ہاتھ کی طرف سیاہ صورتیں تھیں۔ جب وہ اپنے داہنی طرف دیکھتا تھا تو ہنستا تھا اور جب وہ اپنے بائیں طرف دیکھتا تھا تو روتا تھا۔۔۔۔۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا: "یہ کون ہے؟" جبرئیل نے کہا: "یہ آدم ہے اور اسکے داہنے اور بائیں ہاتھ کی طرف جو سیاہ صورتیں ہیں وہ اس کی اولاد کی روحیں ہیں۔ جو روحیں اس کے داہنی طرف ہیں وہ جنتی ہیں اور جو روحیں بائیں طرف ہیں وہ دوزخی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ اپنی داہنی طرف دیکھتا ہے تو ہنستا ہے اور جب اپنی بائیں طرف دیکھتا ہے تو روتا ہے۔"

یہی روایت مشکوک الصحۃ کتاب "صحیفۂ ابراہیم" میں بھی ہے۔ جیسا کہ مندرجۂ ذیل اقتباس سے ثابت ہوگا:

"میکائیل نے سواری کو موڑا اور ابراہیم کو جانب مشرق آسمان کے پہلے دروازہ پر لے گیا۔ اور ابراہیم نے دو راستے دیکھے۔ ایک راستہ ٹیڑھا اور تنگ اور دوسرا وسیع اور چوڑا تھا۔ اور وہاں اس نے دو پھاٹک دیکھے یعنی ایک چھوٹا جو تنگ راستہ پر تھا اور دوسرا چوڑا جو وسیع راستہ پر تھا۔ اور دونوں پھاٹکوں کے باہر کی طرف میں نے ایک آدمی کو تخت پر بیٹھے دیکھا۔ اور یہ تخت سونے سے منڈھا ہوا تھا۔ اور اس آدمی کا چہرہ ایسا ہولناک تھا جیسا خداوند کا چہرہ۔ اور میں نے دیکھا کہ بہت سی روحوں کو فرشتے ہانکے لئے جا رہے ہیں اور ان کو بڑے پھاٹک سے لیجایا جا رہا ہے۔ اور میں نے دوسری روحیں بھی دیکھیں مگر چند جنھیں فرشتے تنگ راستے سے لیجا رہے تھے اور جب اس عجیب و غریب آدمی نے جو طلائی تخت پر بیٹھا تھا تنگ راستہ سے کم اور بڑے راستہ سے زیادہ روحوں کو جاتے دیکھا تو اس نے فوراً اپنے سر کے بال اور اپنی داڑھی پکڑلی اور خود کو تخت سے زمین پر گرا دیا۔ اور فریاد و زاری کرنے لگا۔ اور جب وہ چھوٹے پھاٹک سے بہت سی روحوں کو داخل ہوتے دیکھتا تھا تو وہ زمین پر سے اُٹھ کر اپنے تخت پر بیٹھ جاتا تھا اور بہت خوش ہوتا تھا اور خوشی کے مارے پھولا نہ سماتا تھا۔ ابراہیم نے سپہ سالار (میکائیل) سے دریافت کیا کہ "اے میرے آقا سپہ سالار اعظم یہ عجیب و غریب آدمی کون ہے جس پر اس قدر عظمت و شان برس رہی ہے اور جو ایک وقت فریاد و زاری کرتا ہے اور دوسرے وقت مسرور و شادماں ہوتا ہے؟"

تب اس ہستی بے جسم (میکائیل) نے کہا کہ: "یہ آدم ہے جو پہلا انسان ہے جسے پیدا کیا گیا جو اس قدر عظمت و جلال کے ساتھ بیٹھا ہے اور وہ دُنیا کو دیکھتا ہے کیونکہ سب آدمی اسی کی اولاد ہیں۔ جب وہ بہت سی روحوں کو چھوٹے پھاٹک سے داخل ہوتے دیکھتا ہے تو وہ اُٹھ کر اپنے تخت پر بیٹھ جاتا ہے اور مسرور و شادماں ہوتا ہے۔ کیونکہ چھوٹے راستہ سے نیک اور عادل روحیں داخل ہوتی ہیں۔ اور یہ راستہ حیات کی طرف لے جاتا ہے اور جو لوگ اس راستہ سے جاتے ہیں وہ جنت میں داخل ہوتے ہیں

اور یہی وجہ ہے کہ آدم جو سب سے پہلا مخلوق شدہ انسان ہے خوش ہوتا ہے کیونکہ وہ روحوں کو نجات پاتے ہوئے دیکھتا ہے اور جب وہ بہت سی روحوں کو بڑے پھاٹک سے داخل ہوتے دیکھتا ہے تو وہ اپنے بال اُکھاڑتا ہے اور خود کو تخت سے زمین پر گرا دیتا ہے اور بری طرح گریۂ و بکا کرتا ہے۔ کیونکہ بڑا پھاٹک گنہگاروں کا راستہ ہے۔ جو تباہی اور عذاب ابدی کی طرف لیجاتا ہے"۔

ماخوذات از عہد نامۂ جدید

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب محمدؐ نے مشکوک الصحۃ نصرانی ذرائع سے اسقدر کثیر مواد لیا ہے تو کیا انھوں نے عہد نامۂ جدید سے کچھ نہیں لیا؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی محمدؐ نے عہد نامۂ جدید سے بہت کم مواد لیا ہے۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ محمدؐ نے بالواسطہ یہ باتیں سیکھی تھیں کہ عیسیٰ کا باپ کوئی بشر نہیں تھا، عیسیٰ مامور من اللہ تھا، وہ معجزے دکھاتا تھا، اس کے بہت سے حواریین تھے اور وہ آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ مگر محمدؐ نے اُلوہیت مسیح سے انکار کیا، مسیح کی موت کو بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ نہیں مانا (اور اسی وجہ سے مسیح کے نشر ثانیہ سے انکار کیا) مگر بایں ہمہ قرآن اور احادیث میں عہد نامۂ جدید کے بعض مقامات سے استفادہ کیا گیا ہے مثلاً قصۂ مائدہ یعنی مسیح اور اس کے حواریین پر آسمان سے خوان نعمت کا نازل ہونا۔ یا محمدؐ کے متعلق انجیل میں پیشگوئی ہونا ان میں ایک خیال بہت نمایاں طور پر براہ راست انجیل سے لیا گیا ہے۔ یہ سورۂ الاعراف کی آیۃ ہے: ـــ "ان الّذین کذّبوا بآیاتنا واستکبروا عنہا لا تفتّح لہم ابواب السّماء ولا یدخلون الجنّۃ حتّی یلج الجمل فی سمّ الخیاط"۔ یعنی یقیناً جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور غرور و تکبر کے ساتھ ہماری نشانیوں کی طرف سے ہٹ گئے انکے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلیں گے اور وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے تاوقتیکہ اونٹ سوئی کے ناکہ سے نہ گزر جائے"۔

یہ آیۃ انجیل لوقا باب ۱۸۔ آیۃ ۲۵ کا لفظی ترجمہ ہے۔ جو یہ ہے: ـــ "اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں نکل جانا زیادہ آسان ہے بمقابلہ اس کے کوئی دولتمند آدمی خدا کی سلطنت میں داخل ہو"۔ اسی کے قریب قریب الفاظ انجیل متی باب ۱۹۔ آیۃ ۲۴ اور انجیل مرقس باب ۱۰۔ آیۃ ۲۵ میں بھی ہیں۔

احادیث میں بھی ایک نمایاں مثال اس عبارت کی ہے جو ([illegible]) سے لی گئی ہے۔ یہ حدیث اکثر صاحب فکر مسلمانوں کی زبان پر رہتی ہے۔ مگر ان کو اس کا مطلق علم نہیں کہ یہ مضمون بائبل سے لیا گیا ہے۔ ابوہریرہؓ نے محمدؐ سے حدیث روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "میں نے اپنے نیک اور متقی بندوں کے لئے جو چیز طیار کی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا نہ کسی انسان کے دل میں آئی"۔ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ عبارت کارنتھیون حصہ اول باب ۲۔ آیۃ ۹ سے لی گئی ہے۔ ابوہریرہؓ زیادہ ثقہ راوی نہیں مانے جاتے۔ مگر سورۂ قیامہ آیات ۲۲ و ۲۳ کا مضمون: "وجوہٌ یومئذٍ ناضرۃٌ، الیٰ ربّہا ناظرۃٌ ـــ" یعنی اس روز بعض چہرے منور ہونگے

جو اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔ یقیناً انجیل یوحنا باب ۳ - آیۃ ۲ - اور کارنتھیوں حصہ اول باب ۱۳ - آیۃ ۱۲ سے لیا گیا ہے اور یہ بات وہی ہے جسے ابوہریرہ نے محمدؐ سے روایت کی ہے۔

(نگار) اس باب میں سب سے پہلے اصحاب کہف کے قصہ کو لیا گیا ہے اور اس کا ماخذ ان روایات کو بتایا گیا ہے جو جاہل عیسائیوں میں بعثت نبوی کے وقت رائج تھیں، اس میں شک نہیں کہ ان روایات اور بیان قرآن میں کافی مطابقت پائی جاتی ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مطابقت سے زیادہ غور طلب امر یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں جس صورت سے اس قصہ کو بیان کیا گیا ہے، اسے عقل بھی قبول کرتی ہے یا نہیں۔

اس کے بعد مریم، عیسیٰ، مائدہ، عقیدۂ تثلیث، مصلوبیت مسیح، بشارت فارقلیط، تخلیق آدم اور میزان وغیرہ پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر ٹسڈل نے بتایا ہے کہ کلام مجید میں جو کچھ ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے، وہ نہ صرف انجیل کی غلط روایات سے استفادہ کا نتیجہ ہے۔ بلکہ بعض کا ماخذ زردشتی و قدیم مصری لٹریچر بھی ہے۔

اس بحث میں ان احادیث کو بھی سامنے رکھنا چاہئے جو ان مسایل کے متعلق ہمارے یہاں پائی جاتی ہیں اور پھر نقلی و عقلی حیثیت سے دیکھنا چاہئے کہ ٹسڈل کا بیان صحیح ہے یا غلط اور اگر غلط ہے تو کیوں؟

پانچواں باب

قرآن و احادیث میں زردشتی عنصر

عرب اور یونانی مصنفین کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ کے زمانہ میں اور اس سے بیشتر جزیرہ نمائے عرب اور گرد و نواح کے ممالک پر ایرانیوں کا بہت بڑا اثر تھا۔ ابوالفداء نے لکھا ہے کہ ساتویں صدی کے اوائل میں خسرو نوشیرواں (جسے اہلِ عرب کسریٰ کہتے ہیں) زبردست ایرانی فاتح نے سلطنت حیرہ پر جو دریائے فرات کے کنارہ واقع تھی، حملہ کیا، اور وہاں کے بادشاہ حارث کو تخت سے اُتار دیا۔ اور اس کی جگہ اپنا ایک آوردہ منذر ماء السماء تخت نشین کر دیا اس کے کچھ ہی دن بعد نوشیرواں نے یمن میں ایک فوج بھیجی جس کی کمان جنرل بہروز (Wahraz) کے سپرد تھی۔ اس مہم کا مقصد یہ تھا کہ وہاں سے حبشیوں کو نکال دے اور وہاں کا تخت و تاج ابوسیف یمنی کے حوالہ کر دے کیونکہ وہ اس کا آبائی تخت تھا۔ مگر ایرانی سپاہ ملک یمن میں قایم رہی اور بالآخر اس فوج کا جنرل ہی تخت پر بیٹھ گیا اور اسی کی نسل میں سلطنت جاری ہوگئی۔ ابوالفداء نے لکھا ہے کہ خاندان منذر کے ملوک جو اس کے بعد تخت حیرہ پر بیٹھے اور جن کی حکومت عراق عرب پر بھی تھی وہ در اصل شاہان ایران کی طرف سے بطور گورنر کام کرتے تھے۔ یمن کے متعلق یہ مورخ بیان کرتا ہے کہ محمدؐ کی حکومت قایم ہونے سے پیشتر یمن میں چار حبشی اور آٹھ ایرانی فرمانرواؤں نے سلطنت کی تھی۔ مگر اس زمانہ سے بھی بہت عرصہ قبل شمالِ مغربی اور مغربی عرب کے تعلقات سلطنت ایران سے قایم تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نوفل اور مطلب جو محمدؐ کے بزرگ تھے، وہ قبیلۂ قریش کے ممتاز سردار تھے۔ انھوں نے ایران سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے تجارِ مکہ کو عراق اور فارس میں تجارت کرنے کی اجازت ملگئی تھی۔ ۶۰۶ء میں یا اسی کے لگ بھگ مکہ کے سوداگروں کی ایک جماعت زیر قیادت ابوسفیان دارالحکومت ایران میں گئی اور شہنشاہ ایران کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

جب محمدؐ نے ۶۱۲ء میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اس زمانہ میں ایرانیوں نے تمام ملک شام، ایشائے کوچک اور فلسطین پر کچھ دنوں کے لئے قبضہ کر لیا تھا۔

۶۲۲ء میں جب محمدؐ نے ہجرت کی تو شہنشاہ ہرقل (Heraclius) نے سلطنت بازنطینی کے از دست رفتہ علاقے واپس لینا شروع کر دئے تھے، جس کے بعد ایرانیوں کو صلح کی درخواست کرنا پڑی تھی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جب یمن کے ایرانی گورنر باذان کو وطن کی طرف سے امداد پہونچنے کی کوئی امید نہ رہی تو وہ ۶۲۸ء میں محمدؐ کی اطاعت کرنے اور خراج

دینے پر مجبور ہو گیا۔ بعد ازاں محمدؐ کی وفات سے چند ہی سال بعد عربی فوجوں نے تمام ایران کو فتح کر لیا اور وہاں کی بہت بڑی آبادی کو بنوک شمشیر مسلمان بنا لیا۔

جب کبھی ایسی دو قومیں جن میں سے ایک تمدن و شائستگی میں بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو اور دوسری نسبتاً جاہل ہو، آپس میں ملجاتی ہیں تو ترقی یافتہ قوم دوسری قوم پر ہمیشہ بہت بڑا اثر ڈالتی ہے۔ تمام تاریخ اس حقیقت سے معمور ہے۔ محمدؐ کے زمانہ میں عرب لوگ بہت ہی کم تعلیم یافتہ اور مہذب تھے۔ حتیٰ کہ خود عرب مصنفین عرب کے زمانہ قبل از اسلام کو "زمانہ جاہلیت" کہتے ہیں۔ دوسری طرف جیسا کہ ہم کو "اوستا" (　　　) دارایوس و کیخسرو کی میخی تحریروں، پرسی پولیس (قدیم پایہ تخت ایران) کے آثار قدیمہ اور یونانی مصنفین کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے ایرانی قوم بہت ہی قدیم زمانہ سے نہایت ترقی یافتہ اور شائستہ تھی۔ پس یہ قدرتی امر تھا کہ عربوں پر اس قوم کا بہت زیادہ اثر پڑتا۔ عرب مورخین، قرآن کے بیانات اور مفسرین قرآن کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایران کے رومانی قصص اور عجمی شعر و شاعری نے محمدؐ کے زمانہ میں عربوں میں بہت کچھ ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔ قریش میں یہ ایرانی قصے اس قدر زیادہ مشہور تھے کہ محمدؐ کے مخالفین نے ان پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے قرآن میں ایرانی قصص سے مواد لیا ہے یا ان کی نقل اُتاری ہے۔ مثلاً ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ "ایک روز محمدؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ انھیں قرآن پڑھ کر سنایا اور ڈرایا کہ جو قومیں ایمان نہ لائیں گی ان کا کیا حشر ہوگا۔ اس وقت نضر بن حارث جو محمدؐ کے ساتھ مجمع میں گیا تھا، اُٹھا اور اس نے رستم و ستان، اسفندیار اور شاہان ایران کے قصے سنائے۔ اور پھر یوں کہا کہ: "قسم ہے خدا کی محمدؐ مجھ سے اچھا داستان گو نہیں ہے اور اسکی تقریر میں اساطیر الاولین کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جس طرح میں نے یہ قصے بنا کر سنائے ہیں اسی طرح محمدؐ نے بھی بنائے ہیں" [1] اسی شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیتہ نازل فرمائی: — "وقالوا اساطیر الاولین اکتتبها فهی تملیٰ علیه بکرةً واصیلاً۔ قل انزله الذی یعلم السر فی السمٰوات والارض۔ انه کان غفوراً رحیماً" (سورۂ فرقان آیات ۵ و ۶) اور اسی شخص کی وجہ سے یہ آیتہ بھی نازل ہوئی تھی "اذا تتلیٰ علیه آیاتنا قال اساطیر الاولین"۔ یعنی جب ہماری آیتیں اسکو سنائی جاتی ہیں تو وہ انھیں پرانے لوگوں کے قصے کہتا ہے۔ (سورۂ قلم آیہ ۱۵)۔ اور یہ آیتہ بھی اسی شخص کی وجہ سے نازل ہوئی تھی: "ویلٌ لکلِ افاکٍ اثیم۔ یسمع آیات اللہ تتلیٰ علیه ثم یصر مستکبراً کان لم یسمعها۔ فبشره بعذاب الیم"۔ یعنی افسوس ہے ہر اس گنہگار جھوٹے پر جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جب اسے سنائی جاتی ہیں اور پھر اس طرح سے اکڑتا ہے گویا اس نے سنی ہی نہیں۔ پس تم اسے ایک تکلیف دہ عذاب کی خبر سنا دو۔ (سورۂ ۴۵۔ آیات ۷ و ۸)

"رستم و اسفندیار" اور "ملوک فارس" کے قصے جن کا ذکر نضر بن حارث نے کیا تھا یقیناً ان قصص میں شامل ہیں جو کچھ عرصہ بعد ایران کے مشہور رزمیہ شاعر فردوسی نے شاہنامہ میں نظم کئے اور جن کی نسبت وہ بیان کرتا ہے کہ ایک ایرانی

[1] سیرۃ الرسول

دہقان سے سنے گئے تھے۔ یقیناً یہ قصے کسی نہ کسی صورت میں بہت قدیم تھے۔ مگر ہم اپنی بحث میں شاہنامہ کے قصوں کا حوالہ نہیں دیں گے کیونکہ وہ محمدؐ سے بہت زمانہ پہلے کی تصنیف ہے اسلئے ہم جو کچھ لکھیں گے وہ اوستا کے حوالہ سے لکھیں گے کیونکہ پارسیوں کی اس کتاب کی قدامت پر کوئی شخص اعتراض نہیں کر سکتا۔

یہ بات صاف ظاہر ہے کہ چونکہ عربوں کو رستم و اسفندیار اور ملوک عجم کے قصوں سے اس قدر دلچسپی تھی تو انھوں نے جمشید کا قصہ بھی ضرور سُنا ہوگا۔ اور یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ انھوں نے ارداویراف اور اس سے بیشتر خود زردشت کے آسمان پر جانے کے ایرانی قصص متعلق بہ فردوس، پل چنوات (Chinvat) اور درخت ہوآپہ (Haurpah) وغیرہ بہت سے عجیب و غریب دلچسپ قصے عربوں کو ضرور معلوم ہوں گے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کے خیالات کا قرآن اور احادیث اور مسلم روایات پر کہاں تک اثر پڑا۔ ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ نہ صرف اس صورت میں بلکہ بعض مثالوں میں یہ ایرانی قصص آریا روایات پر مبنی ہیں۔ سامی الاصل نہیں اور یہ قصص خفیف سے تغیر کے ساتھ ہندوستان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور درحقیقت یہ قصص دونوں قوموں کے مذہبی اور علمی ورثہ کا ایک جزو تھے۔ اور جب آریا قوم کی ایرانی اور ہندوستانی شاخیں اپنے قدیم وطن واقع "ایریانم واجو" (Airyanem vaejo) متصل ہرات سے جدا ہو کر ایران اور ہندوستان میں آباد ہوئے تو یہ تمام قصص ان کو یاد تھے۔ اور ممکن ہے کہ بہت سے خیالات زمانۂ مابعد میں ایران کے اندر پیدا ہوئے ہوں اور کچھ عرصہ بعد ہندوستان آگئے ہوں۔ ہم یہ بات دکھائیں گے کہ واقعی یہ ایرانی قصص ضرور محمدؐ کے گوش گزار ہوئے تھے۔ اور ان کا قرآن اور احادیث پر ضرور بالضرور اثر پڑا۔ یہ احادیث مسلسل راویوں کے ذریعہ سے خود محمدؐ تک پہونچتی ہیں۔

شب معراج پہلی بات جس پر ہم یہاں بحث کریں گے وہ محمدؐ کی شب معراج کا حال ہے اور مسلمانوں میں یہ واقعہ بہت ہی مشہور ہے۔ یہ واقعہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیۃ ا میں بیان ہوا ہے جو حسب ذیل ہے:-

"سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصاء الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا" یعنی تعریف ہے اس اللہ کی جس نے ایک رات میں سفر کرایا اپنے بندہ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصا تک جس کے احاطہ کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانی دکھائیں۔

یہ بھی معلوم ہے کہ مسلمان مفسرین اس آیۃ کی تفسیر میں متفق الخیال نہیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ محمدؐ کو یہ معراج خواب میں ہوئی اور بعض اس کے لفظی معنی لیکر جسمانی معراج کہتے ہیں اور بعض اس کے تمثیلی معنی لیتے ہیں۔ مثلاً ابن اسحاق بحوالہ حضرت عائشہ زوجۂ رسول لکھتا ہے کہ:- "رسول خدا کا جسم غائب نہیں ہوا بلکہ اللہ ان کی روح کو رات کے وقت سفر پر لے گیا"۔ ایک اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ محمدؐ نے خود کہا کہ:- "میری آنکھیں سو رہی تھیں اور

میرا دل بیدار تھا۔[1] مشہور و معروف مفسر محی الدین نے تمام قصہ کو استعارۃً لیا ہے۔ مگر چونکہ ہم کو یہاں اس سے زیادہ بحث نہیں ہے کہ اس شب معراج میں درحقیقت کیا کیا واقعات رونما ہوئے تھے اس لئے ہم اس مسئلہ پر اس نقطۂ نظر سے مزید بحث نہیں کریں گے۔

یہ صحیح ہے کہ مسلمان مفسرین اور محدثین کی غالب اکثریت یہ یقین کرتی ہے کہ محمدؐ واقعی مکہ سے بیت المقدس کو گئے انھوں نے آسمانوں کی بھی سیر کی۔ اور جو کچھ محمدؐ نے وہاں کیا یا دیکھا وہ لوگ اس کے متعلق نہایت طویل اور دلچسپ باتیں بیان کرتے ہیں اور ہم کو انہی احادیث سے بحث کرکے بتانا ہے کہ اس واقعہ کی خاص خاص باتیں قدیم روایات سے یہ کس حد تک لئے گئے ہیں۔

اب ہم سب سے پہلے معراج کے متعلق وہ بیان درج کرتے ہیں جو ابن اسحٰق نے لکھا ہے کیونکہ اس بارہ میں قدیم تر بیان یہی ہے۔ یہ حالات ابن ہشام نے جو ابن اسحٰق کی کتاب کا مدیر اور اس کی تکمیل کرنے والا تھا یوں لکھے ہیں کہ: "معراج کی شب جبرئیل نے دو مرتبہ آکر محمدؐ کو جگایا تاکہ وہ معراج کے سفر پر چلے مگر محمدؐ دونوں مرتبہ سو گئے"۔ اس کے بعد اس قصہ کا سلسلہ مصنف مذکور نے محمدؐ کی زبان سے اس طرح پیش کیا ہے:

"پس وہ (جبرئیل) میرے پاس تیسری مرتبہ آیا۔ اور اس نے مجھے اپنے پاؤں سے چھوا اور میں اُٹھ بیٹھا۔ اسنے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں اس کے پاس اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بعد ازاں وہ مسجد کے دروازہ پر گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید جانور جو (صورت شکل میں ایک خچر اور گدھے کے مابین تھا کھڑا ہوا ہے۔ اس کے دونوں پہلوؤں پر دو بازو تھے جن سے وہ اپنی ٹانگوں کی نقل و حرکت کو بھی قابو میں رکھتا تھا۔ وہ اپنا اگلا پاؤں حد نظر تک رکھتا تھا۔ اسنے مجھے اس جانور پر سوار کرایا۔ اور بعد ازاں وہ مجھے لیکر روانہ ہوا۔ لیکن اس طرح سے کہ نہ وہ مجھ سے آگے بڑھتا تھا نہ میں اس سے آگے چلتا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ جب میں اس کے (جانور) پاس سوار ہونے کے لئے پہونچا تو وہ چراغ پا ہو گیا پس جبرئیل نے اپنا ہاتھ اس کے ایال پر رکھا اور کہا: "اے بُراق! تجھے شرم نہیں آتی کہ تو کیا کر رہا ہے؟ واللہ اے بُراق! تجھ پر محمدؐ سے پہلے کوئی بندۂ خدا ایسا سوار نہیں ہوا جس کی عزت و احترام اللہ کے نزدیک محمدؐ سے زیادہ ہو" یہ سنکر بُراق اس قدر شرمندہ ہوا کہ مارے شرم کے عرق عرق ہو گیا۔ پس وہ ساکت و ساکن کھڑا ہو گیا حتیٰ کہ میں اس پر سوار ہوا۔" الحسن سے حدیث مروی ہے کہ: "رسول اللہ تشریف لے گئے اور جبرئیل بھی ان کے ساتھ گیا حتیٰ کہ وہ ان کے ساتھ بیت المقدس (یروشلم) پہونچا۔ وہاں انھوں نے انبیاء کے ایک گروہ میں ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیکھا۔ پس رسول اللہ نے ان کے ساتھ نماز پڑھی اور جماعت کی امامت کی۔ اس پر جبرئیل دو ظرف لایا۔ ایک برتن میں شراب اور دوسرے برتن میں دودھ تھا۔ پس رسول اللہ نے دودھ کا برتن لیکر اس میں سے پیا اور شراب کا برتن چھوڑ دیا

---

[1] سیرۃ الرسول

پس جبرئیل نے رسول اللہ سے کہا کہ " اے محمدؐ تیری رہنمائی فطرت کی طرف سے ہوئی اور تیری اُمت کی رہنمائی بھی فطرت کی طرف سے ہوئی - اور شراب تمھارے لئے ممنوع قرار دی گئی"۔ پس رسول اللہ رخصت ہوئے، اور جب صبح ہوئی تو وہ قریش کے پاس گئے اور ان کو جاکر یہ تمام حال سُنایا - یہ سُنکر بہت سے آدمیوں نے کہا کہ :- " واللہ مکہ سے ملک شام تک پہونچنے میں کارواں کو ایک مہینہ لگتا ہے اور ایک مہینہ واپس ہونے میں لگتا ہے - کیا یہ شخص محمدؐ ایک ہی رات میں وہاں پہونچکر مکہ کو واپس آسکتا ہے ؟"

مندرجۂ بالا بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محمدؐ مکہ سے یروشلم گئے اور وہاں سے پھر مکہ کو ایک ہی رات میں واپس آگئے اس کے بعد کی روایات میں اس واقعہ کی تفصیلات بہت طویل دی گئی ہیں - مگر سب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعات خود محمدؐ نے اپنی زبان سے بیان کئے تھے - کتاب " مشکوٰۃ المصابیح " میں مسلسل راویوں کے حوالہ سے حسب ذیل حدیث بیان کی گئی ہے :-

" رسول اللہ نے فرمایا - - - - - کہ جس وقت میں سو رہا تھا - - - - ایک آنے والا میرے پاس آیا - پھر اسنے کھولا جو کچھ اس کے اور اس کے درمیان تھا - - - - اور اس نے میرا دل باہر نکال لیا - تب میرے پاس ایمان سے لبریز ایک پیالہ لایا گیا - میرا دل دھویا گیا - اور اسے پھر اس کی جگہ رکھدیا گیا - پھر میں ہوش میں آگیا - - - پھر میرے پاس ایک جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا اور رنگ اس کا سفید تھا - اس کو بُراق کہتے ہیں اور وہ اپنا اگلا پاؤں حدنظر سے بھی آگے رکھتا ہے - پھر مجھے اس جانور پر بٹھایا گیا اور جبرئیل مجھے لے گیا حتی کہ میں سب سے نیچے والے آسمان تک پہونچا یہاں پہونچکر اس نے آسمان پر داخل ہونا چاہا - تو دریافت کیا گیا کہ تو کون ؟ اس نے کہا کہ میں جبرئیل ہوں - پھر پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ کون ہے ؟ اس نے جواب دیا کہ محمدؐ ہے - پھر پوچھا گیا کہ اسے طلب کیا گیا تھا ؟ اس نے کہا کہ ہاں - اس پر کہا گیا کہ " اہلاً سہلاً مرحبا، خوش آمدید " تب ایک نے دروازہ کھولا - پس جب میں اندر داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں حضرت آدمؑ موجود ہیں - جبرئیل نے کہا کہ یہ تیرے باپ آدمؑ ہیں پس تم انھیں سلام کرو - پس میں نے اس کو سلام کیا - تب اس نے کہا کہ " خوش آمدید اے میرے اچھے بیٹے اور اچھے نبی " الغرض یہ قصہ یونہی بہت کچھ تکلیف دہ تواتر کے ساتھ چلا جاتا ہے جس میں بیان کیا گیا کہ کس طرح جبرئیل محمدؐ کو ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر لے گیا اور ہر جگہ وہی سوال و جواب ہوئے جو پہلے آسمان میں داخل ہونے کے وقت ہوئے تھے - دوسرے آسمان پر محمدؐ کی ملاقات یحیٰی اور عیسیٰ سے کرائی گئی تیسرے آسمان پر یوسف سے، چوتھے آسمان پر ادریس سے، پانچویں آسمان پر ہارون سے اور چھٹے پر موسیٰ سے - موسیٰ، محمدؐ کو دیکھ کر رونے اور جب اس رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ میری اُمت کے مقابلہ میں محمدؐ کی اُمت کے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے - ساتویں آسمان پر محمدؐ کی ملاقات ابراہیم سے ہوئی اور وہاں بھی حسب سابق صاحب سلامت ہوئی - اس کے بعد مجھے اُٹھاکر " سدرۃ المنتہیٰ " تک پہونچایا گیا - کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پھل اس قدر بڑے

تھے جیسے کہ کسی کمہار کی ہانڈیاں۔ اور اس کے پتے اس قدر چوڑے تھے جیسے کہ ہاتھی کے کان۔ اس نے کہا کہ :۔ "یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے"۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ چار دریا بہ رہے ہیں جن میں دو اندرونی اور دو بیرونی ہیں۔ میں نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ یہ دو دریا کون سے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ: کہ دو اندرونی دریا جنت کے ہیں اور دو بیرونی دریا دنیل اور نہر فرات ہیں"۔ اسی طرح اس حدیث میں بہت سے حالات سفر بیان کئے گئے ہیں۔ منجملہ ان کے آدم کا ہنسنا اور رونا بھی جس کا ذکر ہم اس سے قبل کر چکے ہیں۔

جب جبرئیل سدرۃ المنتہیٰ تک پہونچا۔ جس سے آگے بڑھنے کی وہ جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ تو اسرافیل فرشتہ نے آکر محمدؐ کو اپنے ساتھ لے لیا اور انھیں اپنے حدود اختیار کے اندر سیر کرائی۔ جہاں سے رسول اللہ آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے عرش تک پہونچے۔ پھر چند تفصیلات کے بعد بیان کیا جاتا ہے کہ محمدؐ پردہ کے اندر داخل ہوگئے اور خدا نے ان سے کہا؛ "یا نبی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" وغیرہ وغیرہ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ معراج کے حالات کہاں سے لئے گئے ہیں۔ ممکن ہے کہ سب سے پہلے جو حالات خود محمدؐ نے معراج کے بیان کئے ہوں گے ان کی بنیاد خواب پر ہوگی۔ اور غالباً اس میں آسمانوں پر جانے کا کوئی ذکر نہ ہوگا۔ بشرطیکہ سورۃ النجم کی آیات ۲ لغایتہ ۱۷ کو بعد کی وحی سمجھا جائے۔ مگر ہمیں تو اس بیان سے بحث ہے جو احادیث میں درج ہے اور جن میں معراج کا حال نہایت تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے۔ ہم یہ دکھائیں گے کہ دوسری باتوں کی طرح یہ روایت بھی صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے ایجاد کی گئی تھی کہ محمدؐ کو بمقابلہ دیگر انبیاء کے خدا کے دربار میں بہت زیادہ رسائی حاصل تھی اور وہ دیگر انبیاء کے مقابلہ میں اللہ کے زیادہ محبوب تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مختلف روایات سے کاٹ چھانٹ کر کے اسلامی روایت گڑھ لی گئی ہو۔ مگر اس کا ماخذ زیادہ تر ارداویراف پارسی کی معراج کے حالات معلوم ہوتے ہیں جو پہلوی زبان کی ایک کتاب "ارداویراف نامک" (Ardaviraf Namak) میں درج ہیں۔ یہ کتاب محمدؐ سے تقریباً چار سو برس قبل زبان پہلوی میں بعہد اردشیر بابکان شاہ ایران لکھی گئی تھی۔

کتاب "ارداویراف نامک" میں لکھا ہے کہ جب مقتدایان دین زردشت نے یہ دیکھا کہ سلطنت ایران کے لوگوں کے دلوں سے دین زردشت کا اثر بہت کچھ زائل ہوگیا ہے تو مجوسی علمائے دین نے یہ فیصلہ کیا کہ جس مذہب کو اردشیر بابکان کے جوش مذہبی نے از سر نو پھیلانا چاہا تھا اس میں تازہ شہادتوں کے ذریعہ پھر جان ڈالنا چاہئے۔ لہٰذا انھوں نے ایک نہایت متقی و پرہیزگار اور جوان عالم مذہب کو منتخب کیا جس کی تمام زندگی نہایت پاک بازانہ اور زاہدان مرتاض کی طرح گزری تھی۔ اور پاکیزگی و طہارت کے متعلق بہت سی رسمیں ادا کرنے کے بعد انھوں نے اس نوجوان کو آسمان پر جانے کے لئے طیار کیا تاکہ وہ وہاں جاکر دیکھے کہ وہاں کیا ہے اور واپس آکر اطلاع دے کہ جو کچھ اس نے وہاں دیکھا وہ مجوسیوں کی مذہبی کتب کے مطابق ہے یا نہیں ــ بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس نوجوان مسمیٰ ارداویراف پر عالم بیخودی طاری ہوا تو اس کی روح ایک

مقرب فرشتے سروش کی رہنمائی میں آسمانوں پر پہونچی۔ ایک منزل سے دوسری منزل تک گزرتی چلی گئی۔ اور رفتہ رفتہ اسی طرح اسے معراج حاصل ہوتی رہی حتیٰ کہ وہ خود ہرمزد کی جناب میں پہونچی۔ جب ارداویراف آسمانوں کی تمام چیزیں دیکھ چکا اور یہ بھی دیکھ چکا کہ ساکنان افلاک کی زندگی نہایت عیش و مسرت کے ساتھ گزرتی ہے تو ہرمزد نے اس کو حکم دیا کہ اب وہ اس کے رسول کی حیثیت سے زمین پر جائے اور جو کچھ اس نے دیکھا ہے وہ سب حال پیروان زردشت سے بیان کرے۔ الغرض جو کچھ اس نے دیکھا تھا وہ تمام حالات "ارداویراف نامک" میں درج ہیں۔ تمام باتیں لکھنا تو غیر ضروری معلوم ہوتا ہے مگر بعض اقتباسات کے دیکھنے سے یہ بخوبی روشن ہو جائے گا کہ معراج کی روایت گڑھنے میں اس سے کتنا کام لیا گیا۔

کتاب "ارداویراف نامک" باب ۷۔ پیرا ۱ لغایتہ ۹ میں لکھا ہے کہ: "میں "ہُمت" (Humat) منزل کواکب میں پہلا قدم بڑھاتا ہوں ...... اور میں ان مقدس لوگوں کی روحیں دیکھتا ہوں جن سے نور اس طرح نکلکر پھیلتا ہے جیسے کسی درخشاں ستارہ سے۔ اور وہاں ایک تخت ہے، ایک نشستگاہ بہت درخشاں، اور بلند اور رفیع المنزلت۔ تب میں نے پاک سروش اور آذر فرشتہ سے دریافت کیا کہ "یہ کون سا مقام ہے اور یہ کون لوگ ہیں ؟"

عبارت مندرجہ بالا کی تصریح کرتے ہوئے یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ "منزل کواکب" یہی مقام ہے جو دین زردشت میں زیریں یا اولین طبقۂ بہشت کہلاتا ہے۔ آذر فرشتہ "موکل آتش" ہے۔ سروش "اطاعت کا فرشتہ" ہے اور وہ "مقدسین ازلی" یعنی "Eternal Holy Ones" (امیشا سپنتا یا امشاسپند) دین زردشت کے ملائکۂ مقربین میں داخل ہے۔ جس طرح جبرئیل نے محمدؐ کو سیر کرائی اسی طرح سروش نے بھی ارداویراف کو مختلف آسمانوں کی سیر کرائی۔

اس کے بعد قصہ کا سلسلہ اس طرح جاری ہوتا ہے کہ کس طرح ارداویراف پہلے منزل قمر یعنی دوسرے آسمان پر اور بعد ازاں منزل شمس میں پہونچا جو قصور آسمانی میں تیسرا قصر ہے۔ اسی طرح وہ بتدریج ہر آسمان پر لیجایا گیا حتیٰ کہ وہ ہرمزد کے حضور میں پہونچا دیا گیا۔ جہاں اس کی ہرمزد سے اس طرح گفتگو ہوئی جو کتاب "ارداویراف نامک" کے باب ۱۱ میں بایں الفاظ درج ہے:

"اور آخر میں اپنے تخت پر سے جس پر سونا چڑھا ہوا تھا سردار فرشتہ بہمن اُٹھا اور اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ہُمت (Humat) اور ہُخت (Hukht) اور ہوراَست (Hvarsht) میں لے گیا جہاں ہرمزد اور ملائکۂ مقربین اور دیگر مقدسین اور زردشت پاکباطن کی روح ..... اور دیگر ایمانداران و سرداران دین زردشت موجود تھے جن سے بہتر اور نورانی ترین میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔ اور بہمن نے کہا: "یہ ہرمزد ہے" اور میں نے اس کو سلام کرنا چاہا۔ اور اس نے مجھ سے فرمایا: "سلام تجھ پر اے ارداویراف! خوش آمدی و صفا آوردی! تو اس دُنیائے

فانی سے اس پاک اور نورانی مقام میں آیا ہے" پھر اس نے پاک سروش اور فرشتہ آذر کو حکم دیا: "ارداویراف کو لیجاؤ اور اسے عرش دکھاؤ۔ اور دکھاؤ کہ پاکبازوں کو کیا جزا اور بدکاروں کو کیا سزا ملتی ہے" بالآخر پاک سروش اور فرشتہ آذر نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور وہ مجھے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے گئے اور میں نے ان ملائکہ مقربین اور دیگر فرشتوں کو دیکھا۔"

اس کے بعد طویل تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ارداویراف نے بہشت و دوزخ کی کس طرح سیر کی اور وہاں اس نے کیا کیا ۔ دوزخ کا حال بیان کرنے کے بعد قصہ کا سلسلہ اس طرح شروع ہوتا ہے:

"بالآخر پاک سروش اور فرشتۂ آذر نے میرا ہاتھ پکڑا اور وہ مجھے اس ظلمتکدہ، خوفناک اور دہشت انگیز مقام سے نکال لائے۔ اور مجھے مقام نورانی اور ہرمزد و ملائکۂ مقربین کی مجلس میں لے گئے۔ تب میں نے ہرمزد کی خدمت میں سلام عرض کرنا چاہا۔ اور وہ بہت مہربان ہوا۔ اور اس نے کہا کہ: "اے وفادار بندے مقدس ارداویراف پرستاران ہرمزد کے پیغمبر، اب تو مادی دنیا میں جا، اور وہاں کی مخلوق سے سچ سچ بیان کر جو کچھ تو نے یہاں دیکھا ہے اور جو کچھ معلوم کیا ہے کیونکہ میں جو ہرمزد ہوں، یہاں موجود ہوں۔ جو شخص سچ سچ اور صحیح بولتا ہے وہ میں سنتا ہوں اور جانتا ہوں۔ بس تو بھی دانشمندوں کے سامنے تمام حال بیان کر" اور جب ہرمزد نے اس طرح سے کہا تو میں حیران و ششدر رہ گیا کیونکہ میں نے صرف ایک نور دیکھا اور کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ اور میں نے ایک آواز سنی اور میں جانتا تھا کہ وہ ہرمزد ہے۔"

اس بیان سننے کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ارداویراف کے بیان اور معراج محمدی کے حالات میں کس قدر مطابقت موجود ہے۔

کتاب "زرتشت نامہ" میں جو غالباً تیرھویں صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی، ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ ارداویراف سے بھی صدیوں پیشتر خود زردشت آسمان پر گیا اور بعد میں اسے دوزخ کی سیر کرنے کی بھی اجازت مل گئی۔ وہاں اس نے اہرمن کو دیکھا جو قرآن کے ابلیس سے بہت زیادہ مطابق ہے۔

اس قسم کی روایات آریا دنیا میں صرف ایران تک ہی محدود نہیں ہیں۔ سنسکرت زبان میں بھی اسی قسم کے قصص موجود ہیں جن میں ایک قصہ "اندرلوک گمانم" (Indralok gamanum) یعنی "اندر کی دنیا کا سفر" ہے اندر فضا یا عالم بالا کا دیوتا ہے۔ اس قصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مشہور و معروف سورما ارجن آسمانوں پر گیا جہاں اس نے راجہ اندر کا بہشتی محل "وائونتی" (Vaivanti) دیکھا جو "نندم باغ" (Nandam) میں بنا ہوا ہے۔ ہندو کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اس خوبصورت مقام میں جس قدر ہرے بھرے پودے پیدا ہوتے ہیں انھیں ہمیشہ جاری رہنے والے آب رواں کے چشمے سیراب کرتے ہیں۔ اور اس مقام کے درمیان میں ایک درخت لگا ہوا ہے جس کو "پکشجتی" (Pakshjati) کہتے ہیں۔ اس درخت پر "امرت پھل" یا "ثمرۃ الحیاۃ" لگتا ہے۔ اسی کو شعرائے یونان قدیم نے اپنے یہاں "ambrosia" لکھا ہے۔ خواص اس پھل کے یہ ہیں کہ جو کوئی اسے

کھالیتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا۔ اس درخت پر گوناگوں خوبصورت پھول لگے ہوئے ہیں اور جو شخص اس درخت کے زیر سایہ آرام کرتا ہے اس کے دل کی ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے۔

پارسیوں کے یہاں بھی ایک عجیب و غریب درخت کا وجود پایا جاتا ہے۔ جس کا نام اوستا میں "ہواپہ" پہلوی میں ہماپاہے۔ دونوں صورتوں میں اس کے معنی "اچھے پانی والا" اور "شاداب" ہیں۔ وندیداد (Vendidad) میں اس کا حال بالفاظ ذیل لکھا ہے:

"پاکیزگی اور صفائی کے ساتھ "پوئی ٹیکا" (Puiticea) کے سمندر سے "واؤرکشا" (Vaurukasha) کے سمندر میں اور وہاں سے درخت "ہواپہ" تک پانی بہتے ہیں۔ تمام پودے اور ہر قسم کے پودے وہاں پیدا ہوتے ہیں" ہواپہ اور "بگش حتی" دونوں مسلمانوں کی بہشت کے درخت طوبیٰ ہیں۔ جس کا حال بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لفظ طوبیٰ کے معنی "نیکی کا درخت" ہیں۔

یہاں یہ واضح کر دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ اسی قسم کی روایات بعض مشکوک الصحۃ عیسائی کتب میں بھی پائی جاتی ہیں خصوصاً "ویزیو پالی" (Visio Pauli) اور "صحیفۂ ابراہیمی" ہیں۔ موخرالذکر کتاب کا حوالہ ہم کئی جگہ دے چکے ہیں۔ "ویزیو پالی" میں لکھا ہے کہ پولوس آسمانوں پر گیا اور اس نے بہشت کے چار دریا دیکھے اور "صحیفۂ ابراہیمی" میں لکھا ہے کہ ابراہیم نے بھی آسمانوں کے عجائبات دیکھے۔ اور جس طرح ارداویراف اور محمدؐ نے دنیا میں آکر وہاں کے حالات بیان کئے اسی طرح ان دونوں نے بھی وہاں کے حالات بیان کئے تھے۔ ابراہیم کی نسبت لکھا ہے کہ: "میکائیل فرشتہ آسمان سے اترا اور ابراہیم کو ایک کروبی مرکب (Cherubic Chariot) میں سوار کر کے آسمان پر لے گیا۔ اور اس نے اسے آسمان کے اثیر (Ether) میں اٹھا لیا اور اسے اور ساٹھ فرشتوں کو ابر پر لایا اور ابراہیم ایک سواری میں بیٹھا ہوا تمام آباد زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔"

جس سواری کو یہاں "مرکب کروبی" لکھا ہے اس کی مسلم روایت میں دوسری صورت ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے یہاں لکھا ہے کہ محمدؐ نے بُراق نامی جانور پر سواری کی تھی۔ یہ بھی یاد رہے کہ شہسواری عربوں کے نزدیک زیادہ مرغوب چیز تھی۔ لفظ بُراق غالباً عبرانی لفظ "باراق" (Baraq) سے مشتق ہے جس کے معنی "بجلی" ہیں اور عربی زبان میں "بجلی" کو "برق" کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ براق پہلوی زبان سے مشتق ہو۔

یہ بھی واضح ہو کہ کتاب "صحیفۂ ادریس" میں بھی زمین آسمان اور دوزخ کے بہت سے عجیب و غریب حالات درج ہیں۔ جو اس نے اپنے رویا میں دیکھے تھے۔ اور غالباً "رویائے پولوس" (Visio Pauli) اور صحیفۂ ابراہیمی پر اسی کتاب کا اثر پڑا تھا۔ اور گویا اس طرح بالواسطہ اسلامی روایت پر اثر پڑا۔ لیکن یہ خیال ہمارے دل میں ہرگز نہیں آسکتا کہ اس کا اثر "ارداویراف نامک" پر بھی پڑا تھا۔

جنت عدن میں شجرۃ الحیواۃ کے متعلق بھی یہودیوں کے یہاں بہت سی عجیب و غریب روایات موجود ہیں۔ جو غالباً (Accadian) روایات درباره "مقدس درخت اریطو" سے لی گئی ہوں گی۔ یہ قدیم روایات مقام "نپور" (Nippour) کے قدیم ترین کتبوں میں درج ہیں۔ جن کا انکشاف ڈاکٹر ہلپرکیت (Hilprecht) نے کیا تھا۔ آسمانی بہشت کے متعلق مسلمانوں کے یہاں جو روایات ہیں ان پر یہودی روایات کا ضرور اثر پڑا تھا کیونکہ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت عدن آسمان پر ہے۔ لہذا جو کچھ یہودیوں نے ارضی جنت کے متعلق بیان کیا تھا اس کو مسلمانوں نے بہت کچھ آسمانی جنت کی طرف منتقل کر دیا۔ اس بارہ میں مسلمانوں کو غالباً نصاریٰ کی مشکوک الصحۃ مذہبی کتب سے دھوکا ہوا۔ کیونکہ چار دریاؤں کا ذکر ضرور "رویائے پولوس" سے لیا گیا ہے۔ اور یہ بیان کرنے کی کچھ ضرورت نہیں کہ ان مشکوک کتب کو نصاریٰ کے کسی فرقہ نے کبھی قابل اعتماد نہیں سمجھا اگرچہ کسی زمانہ میں وہ جہلا کے درمیان بہت زیادہ رائج تھیں بہرحال مسلمانوں نے شجر طوبیٰ کا بیان خواہ زردشتیوں سے لیا ہو یا یہودیوں یا دونوں سے، مگر جو چار دریا آسمان پر محمدؐ نے دیکھے تھے وہ ضرور "رویائے پولوس" سے لئے گئے ہیں اور اس میں یہ بیان کتاب پیدائش کے باغ عدن سے لیا گیا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ادریس، الیاس اور عیسیٰ کے آسمان پر چڑھ جانے کا حال جو بائبل میں دیا گیا ہے یا اس شخص کو پکڑ کر تیسرے آسمان پر اٹھا لینے کا جو حال درج ہے جس کو بعض لوگ پولوس خیال کرتے ہیں، کیا انہی حالات سے مندرجہ بالا روایات ماخوذ نہیں ہیں؟۔ اسلامی اور یہودی روایات کی نسبت تو یہ خیال ضرور پیدا ہو سکتا ہے مگر ایرانی اور ہندوستانی روایات کی نسبت ایسا خیال کرنا بالکل فضول ہے۔ بہرحال اگر ایسا ہے تو دیگر اسلامی روایات کی طرح معراج محمدی کی روایت بھی ارداویراف کی معراج کے نمونہ پر مسلمانوں نے اس غرض سے ایجاد کی کہ اگرچہ محمدؐ بعض صورتوں میں عیسیٰ اور دیگر انبیاء بنی اسرائیل کے مانند تھے مگر بعض صورتوں میں وہ انبیاء سابق پر بہت کچھ فوقیت رکھتے تھے۔

جنت اور حوریں

جنت اور حوروں کے ساتھ جنات، ملک الموت اور ذرات الکائنات کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کی جن آیات میں جنت کے حالات بیان کئے گئے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے:۔

"یعنی اس کے لئے جو اپنے رب کے سامنے (عدالت میں) کھڑا ہونا ڈرتا ہے، دو باغ ہیں، جن میں مختلف قسمیں ہیں ان میں سے ہر ایک میں دو چشمے جاری ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک پھل کی دو دو قسمیں ہیں۔ لیٹے ہوئے ہیں پلنگوں پر جن کی چادریں ریشمی کشیدہ کاری کی ہیں اور دونوں باغوں کے میوے دسترس کے اندر ہوں گے۔ ان کے اندر وہ ہوں گی جو کنکھیوں سے دیکھتی ہیں جن کو ان سے قبل نہ انسان نے نہ جنوں نے چھوا ہوگا۔ گویا وہ یاقوت اور موتی ہیں۔ کیا احسان کا بدلہ احسان کے سوائے اور کچھ ہے؟ اور ان کے علاوہ دو باغ اور ہیں، گہرے سبز۔ ان میں سے ہر ایک میں دو چشمے ہیں جن کا پانی زور سے ابل کر بہتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں میوے ہیں اور کھجوریں اور انار۔ ہر ایک میں اچھی اچھی حسین و جمیل حوریں ہیں جو خیموں کے اندر ہیں جنہیں ان سے قبل کسی انسان یا جن نے نہیں چھوا۔ وہ لیٹے ہیں سبز تکیوں اور خوبصورت

غالیچوں پر۔" (سورۂ رحمان)

علاوہ ازیں قرآن کی سورۂ واقعہ آیۃ الغایۃ ۸-۳۸ میں اصحاب المیمنۃ کے لئے جنّت کی نعمتوں اور مسرتوں کی تصویر بھی اسی طرح کھینچی گئی ہے (اصحاب المیمنۃ (داہنے ہاتھ کے اصحاب) سے مراد وہ لوگ ہیں جو حشر کے روز جنتی قرار پائیں گے) قرآن میں لکھا ہے کہ:

"یہ وہ لوگ ہیں جو قریب لائے گئے ہیں (اللہ کے) پر از مسرت جنتوں میں . . . . جواہر نگار تختوں پر۔ لیٹے ہوئے ہیں ان پر ایک دوسرے کی طرف منہ کئے ہوئے۔ ان کے گرد گھومتے ہیں نوخیز لڑکے (غلمان) جن کی عمریں نہیں بدلتیں۔ ان کے ہاتھوں میں پیالے اور جام اور ایک پیالہ چشمۂ شراب کا ہوگا۔ ان کے پینے سے ان کے نہ سر میں درد ہوگا نہ ان پر بدمستی غالب ہوگی۔ اور میوے جیسے وہ پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت جیسا وہ چاہیں گے۔ اور پاک خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جو چھپے ہوئے موتی کی طرح ہوں گی۔ یہ ان کے اعمال کی جزا ہوگی اور وہ اس میں کسی قسم کی بیہودہ باتیں نہ سنیں گے اور نہ گنہگاروں کی باتیں سنیں گے سوائے الفاظ "سلام۔ سلام" کے۔ اور اصحاب الیمین! تم جانتے ہو کہ یہ کون ہیں؟ سدرہ کے بے خار درختوں میں۔ اور پھولوں سے لدے ہوئے ببولوں میں اور پھیلے ہوئے سایہ میں اور آب رواں میں۔ اور کثرت میوہ جات میں جو نہ روکے گئے ہیں نہ ممنوع ہیں، اور رفیع و بلند پلنگوں پر۔ یقیناً ہم نے ان کو (حوروں کو) ایک خاص طور پر مخلوق کیا ہے۔ پس ہم نے ان کو باکرہ بنایا۔ جو اپنے ہمعمروں سے محبت کرتی ہیں۔ اصحاب الیمین کی خاطر۔"

آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی جنّت کا یہ دلچسپ حال بہت کچھ ایرانی اور ہندو خیالات سے ماخوذ ہے۔

حوروں کا خیال قدیم ایرانی روایات در بارہ (Pairakas) سے لیا گیا ہے جنھیں فی زماننا اہلِ ایران "پریاں" کہتے ہیں۔ پیروان زردشت کے نزدیک یہ مونث ارواح یا دیویاں ہیں جو ہوا میں رہتی ہیں اور نور اور ستاروں سے ان کا بہت گہرا تعلق ہے۔ وہ اس قدر حسین و جمیل ہیں کہ ان کو دیکھتے ہی انسان کا دل فریفتہ ہو جاتا ہے۔ لفظ حور جو قرآن میں ان حسین و جمیل دوشیزگان جنّت کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس کی نسبت عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ عربی مصدر سے مشتق ہے اور "سیاہ چشم" معنی رکھتا ہے۔ ممکن ہے ایسا ہو۔ مگر ہمارے خیال میں یہ لفظ غالباً فارسی مصدر سے مشتق ہے۔ اور اس لفظ سے نکلا ہے جسے اوستا میں "ہوئرا" (Hvar) لکھا ہے، اسی کو پہلوی زبان میں "ہور" اور موجودہ فارسی میں "حور" لکھتے ہیں۔ جس کے معنی دراصل نور یا روشنی یا دھوپ اور مجازاً آفتاب کے ہیں۔ جب عربوں نے اہل ایران سے ان درخشاں اور نورانی باکرہ عورتوں کا خیال لیا تو غالباً انھوں نے اپنی زبان میں وہ فارسی لفظ بھی لے لیا جس سے ان نازنینوں کا صحیح مفہوم ظاہر ہوتا تھا۔ خود لفظ فردوس (Paradise) فارسی لفظ ہے، اور اسی طرح قرآن میں بہت سے الفاظ فارسی اور غیر زبانوں کے

آئے ہیں۔ لفظ "حور" سے جس قسم کی مخلوق کا خیال ظاہر کیا جاتا ہے وہ دراصل آریا ماخذ سے لیا گیا ہے اور یہی حال "غلمان" کا ہے۔ ہندوؤں میں دونوں قسم کی مخلوق کا عقیدہ موجود ہے۔ حوریں سنسکرت زبان میں "اسپرائین" اور "غلمان" سنسکرت زبان میں "گندھرب" کہلاتے ہیں۔ ان کی نسبت یہ خیال ہے کہ وہ آسمان میں رہتے ہیں اگرچہ اکثر زمین کی سیر کرنے بھی آجاتے ہیں۔

مسلمان مورخین نے بہت سے قصے بیان کئے ہیں جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جنت میں حوروں سے ہم آغوش ہونے کے شوق میں بہت سے نوجوان مسلم مجاہدین میدان جنگ میں دلیرانہ کود پڑے اور شہید ہوگئے۔ یہ خیال قدیم آریا خیال سے ملتا جلتا ہے جو یہ تھا کہ جو شخص میدان جنگ میں اس طرح مرتا ہے کہ تمام زخم اس کے جسم پر سامنے کی طرف ہوں تو وہ دیوتاؤں کے ہاتھوں انعام پاتا ہے۔ منوجی مہاراج نے دھرم شاستر میں تحریر فرمایا ہے کہ: "جب دُنیا کے راجہ میدان جنگ میں لڑتے ہیں، اس شوق میں کہ ایک دوسرے کو قتل کریں، اور ہرگز سامنے سے منہ نہیں ہٹاتے وہ اپنی شجاعت کی وجہ سے بہشت میں جاتے ہیں"۔ اسی طرح "نلوپکھیانم" (Nalopakhyanam) انڈر بہادر نل سے کہتا ہے: "زمین کے عادل محافظ (راجہ) وہ جنگ آزما جنھوں نے جان (کی امید) چھوڑ دی ہے۔ جو منہ موڑے بغیر ہاتھ میں ہتھیار لیکر فنا ہو جاتے ہیں، ان کے لئے لافانی دنیا موجود ہے" یعنی اندر کی سورگ۔ اس قسم کے خیالات صرف ہندوستان ہی تک محدود نہ تھے بلکہ بت پرستی کے زمانہ میں شمالی یوروپ کے باشندے بھی اس قسم کا عقیدہ رکھتے تھے کہ آسمان کے "فالکائری" (Valkyries) یعنی "مُردوں کے منتخب کرنے والے" میدان جنگ میں آتے ہیں اور وہاں سے "اودھن" (Odhin) کی بہشت (Valhalla) یا "ایوان شہدا" میں ان بہادر جنگ آزماؤں کی روحوں کو لیجاتے ہیں جو جنگ میں کام آئے ـــــ جن کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ ایک قسم کی خبیث اور موذی روحانی مخلوق ہے جس کو بہت بڑی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ دنیائے اسلام کے بہت سے علاقوں میں لوگ ان سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس سے قبل ہم یہ دکھا چکے ہیں کہ وہ سلیمان کے تابع تھے۔ اور قرآن میں ان کا ذکر بہت آتا ہے۔ جہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فرشتوں اور شیاطین کی طرح جن بھی ایک آتشی مخلوق ہے۔ لفظ جن بھی فارسی کا لفظ معلوم ہوتا ہے اوستا میں "جینی" (Jaini) کے معنی شریر مونث روح کے ہیں۔

مسلم روایت دربارہ "میزان" پر بحث کرتے ہوئے ہم نے یہ دکھایا تھا کہ معراج محمدی کے متعلق جو روایت ہے اس میں بیان کیا گیا ہے کہ محمدؐ نے آسمان پر آدم کو دیکھا کہ وہ روتا ہے جبکہ وہ ان سیاہ صورتوں کو دیکھتا ہے جو اسکے بائیں ہاتھ کی طرف ہیں۔ اور ہنستا ہے جب وہ ان صورتوں کی طرف دیکھتا ہے جو اس کے داہنے ہاتھ کی طرف ہیں۔

یہ سیاہ صورتیں (الاسودہ) آدم کے وہ اخلاف ہیں جو ہنوز پیدا نہیں ہوئے۔ ان کو عام طور پر "ذرات الکائنات" کہا جاتا ہے۔ صحیفۂ ابراہیمی میں جس مخلوق کا ذکر کیا گیا ہے ان سے یہ "ذرات الکائنات" اس بات میں مختلف ہیں کہ

صحیفۂ ابراہیمی میں ابراہیم نے اپنے ان اخلاف کی ارواح کو دیکھا تھا جو مر چکے تھے۔ مگر مسلمانوں کی روایت میں آدم ان لوگوں کی ارواح کو دیکھتا ہے جو ہنوز پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں۔ یعنی بصورت "ذرات کائنات"۔ اسلامی روایت میں اس مخلوق کا جو نام ہے وہ یقیناً خالص عربی ہے۔ مگر یہ خیال پارسیوں کی روایات سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے جن کے یہاں اس مخلوق کو "فروشی" (Fravashi) بیان کیا گیا ہے۔ یہ اوستا کا لفظ ہے پہلوی زبان میں ان کو "فروہر" (Feruhar) کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایرانیوں نے یہ خیال قدیم مصریوں سے لیا تھا۔ مگر یہ قرین قیاس نہیں ہے۔ بہر حال ایسا ہو یا نہ ہو مگر مسلمان اس عقیدہ میں کہ لوگوں کی روحیں پہلے سے پیدا شدہ موجود رہتی ہیں، مجوسیوں کے رہین منت ہیں۔

مسلمان بھی ملک الموت کا حال قریب قریب اسی طرح بیان کرتے ہیں جیسے یہود۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ یہودیوں میں اس فرشتہ کا نام "سمائیل" (Sammael) ہے اور مسلمانوں میں "عزرائیل" (Azrail) مگر اسلامی نام اس فرشتہ کا عربی نہیں بلکہ عبرانی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائے اسلام پر یہودیوں کا کس قدر غالب اثر تھا۔ چونکہ اس فرشتہ کا نام بائبل میں کہیں نہیں لکھا ہے، اس لئے صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی یہودی اور مسلمان اس فرشتہ کے بارہ میں کہتے ہیں وہ ضرور بالضرور کسی دیگر ذرائع سے ماخوذ ہے۔ یہ ذریعہ ایرانی ہے کیونکہ اوستا میں ایک فرشتہ بیان کیا گیا ہے جس کا نام "استو ویدھوتش" یا "ویدھاتش" (Astovidhotus or Vidhatus) ہے۔ جس کے معنی ہیں "تقسیم کرنے والا" یعنی جسم و روح کو جدا کرنے والا۔ اگر کوئی شخص آگ میں جلکر یا پانی میں ڈوب کر مر جاتا تھا تو زردشتیوں کے نزدیک اس کی موت کا باعث آگ یا پانی نہیں سمجھا جاتا تھا کیونکہ ان کے نزدیک یہ عناصر اچھے ہیں، انسان کو نقصان پہونچانے والے نہیں ہیں۔ یہ کام دراصل ملک الموت "ویدھاتش" کا ہے۔

عزازیل کا دوزخ سے آسمان پر جانا

مسلمانوں کی روایت کے رو سے شیطان یا ابلیس کا اصلی نام عزازیل تھا۔ یہ نام عبرانی زبان کا ہے اور کتاب اخبار باب ۱۶- آیات ۸- ۱۰- ۲۶ میں آیا ہے۔ مگر اس کی اصلیت یہودی نہیں بلکہ ایک حد تک زردشتی معلوم ہوتی ہے۔

قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے عزازیل کو پیدا کیا۔ عزازیل نے ایک ہزار برس تک سجین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ اس کے بعد وہ زمین پر آیا۔ یہاں بھی اس نے ہر طبقہ پر ایک ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی حتیٰ کہ وہ سطح پر آگیا۔ (یعنی سب سے اوپر کا طبقہ جہاں آدمی رہتے ہیں)۔ تب اللہ نے اسے زمرد کے دو بازو دئے جن کے ذریعہ سے اُڑکر وہ آسمان اول پر پہونچا۔ یہاں اس نے ایک ہزار سال تک عبادت کی۔ اور اس طرح آسمان دوم تک پہونچا۔ اور اسی طرح ہر منزل پر ایک ہزار سال تک عبادت کرتا ہوا چڑھتا چلا گیا۔ اور ہر طبقہ کے ملائکہ نے اسکو علحدہ علحدہ نام دیا۔ پانچویں آسمان پر وہ سب سے پہلے عزازیل کہلایا۔ اسی طرح وہ چھٹے اور ساتویں آسمان پہ پہونچا۔ اور اسنے

اس قدر عبادت کی تھی کہ تمام آسمانوں اور زمین میں ہتھیلی بھر زمین بھی ایسی نہ بچی تھی جہاں اس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ اسکے بعد روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابلیس آدم کو سجدہ نہ کرنے کے گناہ میں بہشت سے نکال دیا گیا۔"

کتاب "عرایس المجالس" میں لکھا ہے کہ اس وقت اس کا نام ابلیس ہوا اور وہ در جنت پر ایک ہزار برس تک اس امید میں پڑا رہا کہ کسی طرح آدم و حوا کو کوئی نقصان پہونچائے۔ کیونکہ ان دونوں کی طرف سے اس کا دل بغض و حسد سے بھرا ہوا تھا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ مجوسیوں کی کتاب "بندہ ہشنیہ" (Bundahishnih) جو بزبان پہلوی لکھی ہوئی ہے، اور جس کے نام کے معنی "آفرینش" ہیں، اسی بارہ میں کیا کہتی ہے۔ واضح ہو کہ پہلوی زبان میں "روح خبیث" یا شیطان کو اہرمن کہتے ہیں۔ جو لفظ "آنرو مینوش" (Anro Mainyus) سے مشتق ہے۔ اوستا میں شیطان کے لئے یہی لفظ استعمال ہوا ہے اور اس کے معنی "تباہ کرنے والا دل" ہیں۔

کتاب "بندہ ہشنیہ" کے باب اول و دوم میں لکھا ہے کہ:

"اہرمن تھا اور ہے ظلمت میں اور علم ماضی، خواہش ضرر رسانی اور ہاویہ (Abyss) میں ---- اور وہ ضرر رسانی اور وہ تاریکی بھی ایک مقام ہیں جسے وہ طبقۂ ظلمات کہتے ہیں۔ ہرمزد چونکہ عالم بکل شئی ہے اس لئے وہ جانتا تھا کہ اہرمن کا وجود ہے کیونکہ وہ (اہرمن) خود کو ہیجان میں لاتا ہے اور دم آخر تک خود کو جذبۂ بغض و حسد میں شامل کر دیتا ہے ------ وہ (ہرمزد و اہرمن) تین ہزار برس تک روح میں رہے یعنی ان میں کوئی نقل و حرکت نہیں تھی ---- موذی روح، بوجہ اپنے علم ماضی کے، ہرمزد کے وجود سے آگاہ نہ تھی۔ بالآخر وہ اس غار تاریک یا ہاویہ سے اٹھتا ہے اور عالم نور میں آتا ہے اور جب اس نے ہرمزد کے درخشاں نور کو دیکھا تو ------ اپنے جذبۂ ضرر رسانی کی وجہ سے اور اپنی حاسدانہ طبیعت کے باعث وہ تخریب و تباہکاری میں مصروف ہو گیا۔"

ثنویت پرست مجوسیوں اور توحید پرست مسلمانوں کی روایات میں کچھ نہ کچھ فرق ہونا لازمی تھا۔ یہی باعث ہے کہ مجوسیوں کی روایت میں "مبداء شر" (Evil principle) ہرمزد کی مخلوق نہیں ہے اور وہ پہلے ہرمزد کے وجود سے آگاہ نہیں ہے۔ مگر اسلامی روایت میں وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اسلامی روایت میں وہ اپنے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کے ذریعہ سے بتدریج عروج حاصل کرتا ہے۔ اور مجوسی روایت میں ریاضت و عبادت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر دونوں روایتیں اس بارہ میں متفق ہیں کہ وہ "روح شریر" تاریکی اور جہالت میں رہتی تھی اور پھر عالم نور میں آئی اور دونوں صورتوں میں وہ بوجہ بغض و حسد مخلوق خدا کی تباہی و ہلاکت میں مصروف ہو گئی۔ مجوسیوں کی روایت کے بموجب اس "روحِ شریر" کے جو بارہ ہزار سال مسلسل جنگ مابین خیر و شر میں گزرے اُن کو تین تین ہزار سال کے چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اسلامی روایت میں بھی عزازیل (یا ابلیس) نے تین ہزار سال کا ایک دور

دروازۂ بہشت کے باہر پڑے پڑے گزارا تاکہ آدم کی تخریب و تباہی کا کوئی موقعہ ملے۔

قبل ازیں کہ ہم اس مضمون کو ختم کریں یہ ظاہر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی اور مجوسی دونوں روایات میں طاؤس کا روحِ شریر سے کچھ تعلق ضرور ہے۔ قصص الانبیاء میں بیان کیا گیا ہے کہ جب ابلیس بہشت کے دروازہ پر تاک لگائے بیٹھا تھا کہ اندر داخل ہو کر آدم و حوا کو کسی طرح ورغلا کر ان سے گناہ کرانے کا موقعہ ملے، تو اس زمانہ میں طاؤس فصیل پر بیٹھا ہوا تھا۔ جس نے ابلیس کو نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ اسم اعظم پڑھتے دیکھا۔ اس قدر زہد و اتقا ابلیس کا دیکھ کر طاؤس کا دل بہت متاثر ہوا اور اس نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ یہ زاہدِ مرتاض کون ہے۔ ابلیس نے جواب دیا کہ: "میں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے ایک ہوں"۔ طاؤس نے دریافت کیا کہ: "تم یہاں کیوں بیٹھے ہو" ابلیس نے کہا کہ میں بہشت کی طرف دیکھ رہا ہوں اور اندر داخل ہونا چاہتا ہوں" چونکہ طاؤس فصیل جنت پر بطور پاسبان تعینات تھا، اس لئے اس نے جواب دیا: "مجھے حکم نہیں ہے کہ جب تک آدمی بہشت کے اندر ہے اسوقت تک کسی کو اندر داخل نہ ہونے دوں" مگر ابلیس نے اسے ورغلایا اور کہا کہ اگر اس نے اسے بہشت میں داخل ہونے دیا تو وہ اسکو ایک ایسی دعا سکھا دے گا جس کے پڑھنے سے وہ کبھی بوڑھا نہ ہوگا نہ کبھی خدا کی نافرمانی کرے گا اور نہ کبھی بہشت سے نکالا جائے گا۔ یہ سنکر طاؤس فصیل پر سے اُڑ کر نیچے پہونچا اور جو کچھ اس نے سُنا تھا وہ سب حال سانپ سے بیان کیا۔ اس طرح گویا حوا کو اور بعد ازاں آدم کو ورغلایا گیا۔ جو ان کے ہبوط کا باعث ہوا۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے آدم، حوا۔ ابلیس اور سانپ کو بہشت سے مردود کیا تو ان کے ساتھ طاؤس کو بھی زمین پر پھینکدیا گیا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ مجوسیوں کے عقیدہ میں بھی اہرمن اور سانپ کے درمیان کچھ تعلق تھا۔ ارمنی مصنف، ازنیق (Eznik) لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں مجوسی لوگ یہ کہتے تھے کہ اہرمن نے کہا: "یہ نہیں کہ میں کوئی عمدہ چیز نہیں بنا سکتا مگر میں بنانا نہیں چاہتا۔ اور اپنے قول کا ثبوت دینے کے لئے اس نے طاؤس کو بنایا"

اگر مجوسی روایت میں طاؤس، اہرمن کی پیدا کردہ مخلوق ہے تو پھر کیا تعجب ہے کہ اس نے اسلامی روایت میں ابلیس کی مدد کی اور اس کے ساتھ خود بھی جنت سے نکالا گیا۔

نورِ محمدی اگرچہ قرآن میں نورِ محمدی کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے مگر روایات و احادیث میں اس نور کا بہت کچھ ذکر ہے جو محمدؐ کی پیشانی پر چمکتا تھا اور جو ان کے وجود سے قبل پیدا کر دیا گیا تھا "روضۃ الاحباب" جیسی کتب میں نورِ محمدی کی روایات پر صفحے کے صفحے بھرے پڑے ہیں۔ چنانچہ کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ: "جب آدم کو پیدا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے وہ نور اس کی پیشانی میں رکھا اور فرمایا: "اے آدم یہ نور جو میں نے تیری پیشانی میں رکھا ہے، یہ تیرے شرف اور افضل بیٹے کا نور ہے۔ اور یہ ان تمام انبیاء کے جو زمین پر مبعوث کئے جائیں گے، سردار کا نور ہے" اس کے بعد اس روایت کا سلسلہ اس طرح جاری ہوتا ہے کہ وہ نورِ محمدی آدم سے شیث کو اور شیث سے ان کے شریف ترین

بیٹے کو نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ وہ عبداللہ بن عبدالمطلب تک پہونچا۔ عبداللہ سے وہ نور آمنہ کو منتقل ہوا جب وہ حاملہ ہوئیں۔ ممکن ہے کہ نور محمدی کی روایت بنانے سے مسلمانوں کا یہ منشا ہو کہ جو کچھ عیسیٰ کی انجیل یوحنا باب ۱۔ آیات ۴ و ۵ میں بیان کیا گیا ہے اس سے بھی زیادہ وہ اپنے نبی کی شان میں بیان کریں اور ممکن ہے انھوں نے اپنی روایت کی بنیاد کتاب پیدائش باب ۱۔ آیتہ ۳۔ پر رکھی ہو۔ اسی کے ساتھ ناظرین کو یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ مجوسی کتب سے جو اقتباسات ہم ذیل میں درج کرتے ہیں انھیں سے اسلامی روایات کی تفصیلات لی گئی ہیں۔

پہلوی زبان کی کتاب "مینو خرد" میں، جو ایران میں ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں کے زمانہ میں لکھی گئی تھی، یہ لکھا ہے کہ ہرمزد نے اس دنیا، ملائکہ مقربین، عقل آسمانی، کو "زروانِ اقران" ([illegible]) کی تعریف کے ساتھ خاص اپنے نور سے پیدا کیا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ ایک قدیم کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کی حکایت یا روایت ایران میں موجود تھی۔ یعنی پارسیوں کی مذہبی کتاب اَوِستا میں بھی بسلسلہ حالات "یم کھشیت" (Jima Khshaet) یا "یم نورانی" جسے بعد کے زمانہ میں "جمشید" کہا گیا، اسی قسم کی روایت لکھی ہے۔ ایران کا "جمشید" یا "جم" وہی ہے جو سنسکرت زبان کا "یم" یا "جم" ہے۔ رگوید میں اس کو سب سے پہلا آدمی بیان کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی بہن "یمی" نے اس کو گناہ کرنے کی بے نتیجہ ترغیب دی۔ اب یم کی حکومت "پاتال" یا "عالم رفتگان" پر ہے۔ مگر ایرانی روایات میں "یم" یا "جم" تمدن ایران کا بانی ہے۔ اس کے باپ کا نام "وائونہوت" (Viran h val) تھا۔ اور یہ وہی ہے جو ہندوستانی روایت میں "ویوسوت" (Vivasval) یعنی سورج ہے۔ اور یہ "یم" کا باپ ہے۔ یم کی پیشانی پر "کویم ہورینو" (Kavaem Hvarena) یعنی "شاہی نور" چمکتا تھا جو گویا "پرتو یزدانی" تھا۔ مگر جب یم گناہ کا مرتکب ہوا تو وہ نور زائل ہوگیا۔ اوستا میں یہ قصہ اس طرح دیا ہے:

"عرصہ دراز تک ایک زبردست شاہی نور جمشید، اعلیٰ درجہ کے گروہ مواشی کے مالک، کے ساتھ رہا جبکہ وہ دنیا کی ہفت کشور پر سلطنت کرتا تھا یعنی دیووں، انسانوں، ساحروں، پریوں، کاہنوں اور جادوگروں اور ارواح خبیثہ پر حکومت کرتا تھا۔۔۔۔۔۔ مگر جب اس کے دل میں وہ لغو اور باطل لفظ آیا تو وہ نور جو نظر آتا تھا اسکے پاس سے ایک چڑیا بنکر اڑ گیا۔۔۔۔۔۔ وہ جو جمشید ہے، اعلیٰ درجہ کے گروہ مواشی کا مالک، جم، جب اس نور کو درخشاں نہیں دیکھتا تو رنجیدہ ہوتا ہے اور اس نے پریشان ہوکر زمین پر عداوت جنگ کرنا شروع کردی پہلی مرتبہ وہ نور رخصت ہوا۔ وہ نور جمشید سے رخصت ہوا، وہ نور جم پسر وائونہوت ایک پھڑپھڑاتے ہوئے پرندہ کی طرح رخصت ہوا۔۔۔۔ متر انے وہ نور لے لیا۔ جب دوسری مرتبہ وہ نور جمشید سے رخصت ہوا، وہ نور جم پسر وائونہوت سے رخصت ہوا تو وہ ایک پھڑپھڑاتے ہوئے پرند کی طرح اڑ گیا۔ فریدوں نے جو قبیلۂ بہادر قبیلۂ آتھویانی کی نسل سے ہے وہ نور لے لیا کیونکہ وہ تمام فتحمند آدمیوں میں سب سے زبردست فاتح تھا۔۔۔۔۔ جب تیسری مرتبہ وہ نور جمشید سے

رخصت ہوا، وہ نور جم پسر وائونہوت سے رخصت ہوا، مانند ایک چڑیا کے تو کریسا سپ نے وہ نور لے لیا کیونکہ وہ زبردست آدمیوں میں سب سے زبردست آدمی تھا"

روایت مندرجۂ بالا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی روایت میں جس طرح وہ نور نسلاً بعد نسلٍ سب سے زیادہ قابل اور شاندار آدمی کی طرف منتقل ہوتا چلا گیا تھا اسی طرح مجوسی روایت میں منتقل ہوتا چلا گیا۔ چونکہ مجوسی روایت میں وہ لوگ سورج کی اولاد یا بقول سنسکرت "سورج بنسی" تھے اسلئے قدرتی بات تھی کہ وہ نور نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا چلا جاتا۔ علاوہ وہ نور علامت بادشاہی تھا۔ مگر اسلامی روایت میں آدم سے لیکر محمدؐ تک نور کا نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا چلا آنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ سوائے اس کے کہ جس طرح قدیم ایرانی روایت میں پرانے ایرانی بہادروں کی شان بڑھائی گئی تھی۔ اسی طرح مسلمانوں نے اپنے نبی کی شان کو چار چاند لگائے۔

علاوہ بریں مجوسی روایت میں ہم دیکھتے ہیں کہ "جمشید" دیووں، انسانوں، ساحروں، پریوں، ارواح خبیثہ، کاہنوں اور جادوگروں پر حکومت کیا کرتا تھا" بالکل اسی طرح سے جیسے کہ قدیم یہودی اور اسلامی روایات میں سلیمانؑ کے متعلق مذکور ہے۔ یقیناً یہودیوں نے یہ روایت مجوسیوں سے لی تھی اور یہودیوں سے چلکر وہ مسلمانوں میں آگئی۔

اسلامی روایت میں جو یہ بات بیان کی گئی ہے کہ نور محمدی کو چار حصّوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، جن سے دنیا کی تمام مختلف چیزیں پیدا ہوئیں، اسی قسم کا ایک قصہ مجوسیوں کی ایک کتاب موسوم بہ" وساتیر آسمانی" میں زردشت کی نسبت بیان کیا گیا ہے اور غالباً مسلمانوں ہیں، یہ خیال اسی روایت سے لیا گیا ہے۔ خصوصاً جبکہ وہی خیال اور زیادہ قدیم کتاب "مینو خرد" میں موجود ہے۔

صراط

"الصراط" راستہ کو کہتے ہیں۔ اس عجیب و غریب راستہ کے بارہ میں بہت سی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ یہ راستہ براہ راست قعر جہنم پر قایم ہے اور ہر شخص کو زمین سے آسمان پر جاتے ہوئے، بروز قیامت اسی پر سے گزرنا پڑے گا۔ سب کو حکم ہوگا کہ وہ اس کو عبور کریں۔ نیک مسلمان بلا دقت فرشتوں کی رہنمائی میں گزر جائیں گے، لیکن کفار عبور نہیں کر سکیں گے اور آتش جہنم میں گر پڑیں گے۔

اگرچہ قرآن میں لفظ صراط بمعنی راہ استعارتاً استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ "صراط المستقیم" (رہ راست) میں مگر گمان غالب یہ ہے کہ یہ لفظ قطعی عربی نہیں ہے۔ اس لفظ کے اشتقاق سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اصلی ماخذ کیا ہے۔ لفظ "صراط" کسی عربی یا دیگر سامی زبان کے مادہ سے مشتق نہیں ہے بلکہ یہ دراصل عربی حروف میں فارسی لفظ "چنوت" (Chinvat) ہے۔ چونکہ عربی میں حرف "چ" نہیں ہے اس لئے اہل عرب کسی "چ" والے حرف کو معرب

کرتے ہوئے حرف "چ" کو "ص" سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے "صراط" — فارسی زبان میں لفظ "چنوت" کے معنی "جمع کرنے والا" یا "حساب لینے والا" ہیں۔ پس عربی لفظ "صراط" مخفف ہے فارسی لفظ "چنوت" کا اور "چنوت" مخفف ہے اوستا کی اصطلاح "چنوتو پرتیش" (Chinvatu peretu) کا جس کے معنی ہیں "اعمال نیک و بد شمار کرنے والے کا پل"۔ ایرانیوں کے عقیدہ میں یہ پل کوہ البرز سے چلکر دوزخ پر سے گزرتا ہوا مقام "چکات دائی تیہہ" (Chakat-e Daitih) تک پہونچتا ہے۔ جب مُردہ کی رسوم تجہیز و تکفین ختم ہو چکتی ہیں تو اس کی روح پُل پر پہونچتی ہے۔ اور بہشت میں داخل ہونے کے لئے اسے پُل عبور کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ روح پُل عبور کر چکتی ہے تو اس کے نیک و بد اعمال کا حساب مترا، رشنو اور سروش کرتے ہیں۔ اگر اس شخص کے نیک اعمال زیادہ ہیں تو اس کے لئے بہشت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔ اگر اس کے بداعمال زیادہ ہوتے ہیں تو اسے دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے نیک و بد اعمال بدرجہ مساوی ہیں تو اسے آخری فیصلہ "ویدائتی" (Vidaiti) تک ٹھہرنا پڑے گا۔ جو ہرمزد و اہرمن کے درمیان آخری فیصلہ جنگ کے بعد شروع ہوگا۔

نہ صرف عربی لفظ "صراط" بلکہ اس بارہ میں تمام اسلامی عقیدہ کا ماخذ دکھانے کے لئے اس قدر کافی ہوگا کہ ذیل میں پہلوی زبان کی کتاب الموسوم بہ "دینکارت" (Dinkard) کی ایک مختصر عبارت کا ترجمہ درج کر دیا جائے:— "میں زیادہ گناہ سے بھاگتا ہوں۔ اور میں اپنے شش قوائے حیات یعنی فعل، قول، فکر، فہم، ذہن اور عقل کو، تیری مشیئت سے اور نیک اعمال کی توفیق دینے والے، پاک رکھ کر اپنے چال چلن کو پاک رکھتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں تیری عبادت نیک خیال، نیک قول اور نیک عمل کے ساتھ کرتا ہوں تاکہ میں روشنی کے راستہ میں رہوں تاکہ میں دوزخ کے عذاب شدید میں مبتلا نہ ہو جاؤں، تاکہ پُل چنوت کو پار کرکے اس مُبارک مقام میں جا کر رہوں جو نکہتوں سے معطر، مسرتوں سے قطعی معمور اور ہمیشہ پُر نور رہتا ہے۔" اوستا میں بھی اسی قسم کے خیالات موجود ہیں منجملہ دیگر مقامات کے مندرجہ عبارت ملاحظہ ہو جس میں نیک عورتوں اور مردوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ: "انھیں بھی میں تم جیسے آدمیوں کی دعاؤں کے ذریعہ سے لیجاؤں گا اور تمام برکتوں کے ساتھ پل چنوت تک ان کی رہنمائی کروں گا۔"

اگر اس امر کا مزید ثبوت درکار ہو کہ مسلمانوں کے اس عقیدہ کا ماخذ اصلی آریا ذرائع ہیں تو یہ عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ ممالک ناروے اور سویڈن کی قدیم خرافیات میں ایک چیز "بفروست" کا ذکر آتا ہے جسے عام طور پر "دیوتاؤں کا پُل" کہتے ہیں۔ جب دیوتا لوگ اپنے آسمانی مقام "آسگردھ" (Asgardh) سے زمین پر نازل ہوتے ہیں تو وہ اسی پُل پر سے گزر کر آتے ہیں۔ یہ قوس و قزح ہے۔ اس سے اس اصلیت کا پتہ چل سکتا ہے جس پر پُل کی روایت قایم ہے — روایت بہت قدیم ہے، کیونکہ ان ممالک کے باشندے آریا نسل سے ہیں اور وہ ان عقائد کو اپنے ساتھ یوروپ میں لائے تھے۔ اس طرح گویا کسی زمانہ قدیم میں یہ خیال ناروے، سویڈن اور

ایران میں تبرک رہا ہوگا۔ یونان میں آکر قوس قزح دیوتاؤں کا قاصد بن گئی اور پُل کا خیال جاتا رہا۔

دیگر ایرانی خیالات

مندرجۂ بالا اُمور کے علاوہ بہت سی دیگر مجوسی باتیں بھی ایسی ہیں جن کا اثر اسلام پر پڑا ہے اور جو کچھ ہم نے اب تک لکھا ہے وہ ہمارے مقصد کے لئے کافی ہے۔ تاہم دو باتیں اور سُن لیجئے۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہر نبی نے قبل از وفات اپنے بعد آنے والے نبی کی نسبت پیشگوئی کر دی تھی۔ بائبل سے تو اس عقیدہ کی تائید کہیں نہیں ہوتی۔ بائبل میں آیندہ آنے والے مسیحا کی نسبت پیشگوئیاں ضرور ہیں مگر ان میں ایسی کوئی بات نہیں جن سے یہ اسلامی عقیدہ ماخوذ ہو سکے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ غالباً زردشتیوں کی کتاب "دساتیر آسمانی" سے لیا گیا ہے۔ یہ کتاب بہت ہی قدیم بتائی جاتی ہے اور زمانۂ حال کے بہت سے پارسیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ کتاب "اہلِ بہشت کی زبان میں لکھی گئی تھی"۔ کتاب کے اصلی متن کے بین السطور قدیم فارسی زبان دری میں ترجمہ دیا گیا ہے اور یہ کتاب ملّا فیروز ساکن بمبئی کے زیر ادارت شایع ہوئی ہے۔ کتاب مذکور پندرہ رسالوں کا مجموعہ ہے۔ جن کی نسبت یہ خیال ہے کہ وہ بذریعہ الہام پندرہ رسولوں پر یکے بعد دیگرے نازل ہوئے تھے۔ سب سے پہلے رسول کا نام "مہ آباد" (Mahabad) اور سب سے آخری رسول کا نام "ساسان" (Sasan) لکھا ہے۔ یہ غالباً وہی ساسان ہے جس سے ایران کے ساسانی بادشاہوں کے خاندان کا سلسلہ جاری ہوا تھا۔ دری زبان کا جو ترجمہ کتاب مذکور میں بین السطور دیا گیا ہے وہ خسرو پرویز شاہ ایران (سنہ ۵۹۰ء لغایۃ سنہ ۵۹۵ء) کے وقت کا بتایا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اصل کتاب بہت زیادہ پُرانی ہے۔ کتاب کے اول چودہ رسالوں میں خاتمہ کے قریب ایسی عبارت درج ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیندہ آنے والے رسول کی نسبت پیشگوئی ہے۔ اس کا مقصد صاف ظاہر ہے۔ بہت سے پارسیوں کے نزدیک یہ کتاب معتبر نہیں ہے مگر مسلمان اس "آیندہ آنے والے نبی" کے خیال سے اس قدر خوش ہوئے کہ انھوں نے اسے اپنے معمولی عقاید میں داخل کر لیا۔

دوسری بات قابلِ غور اس کتاب میں یہ ہے کہ ہر صحیفہ کی دوسری آیتہ حسب ذیل ہے: "بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان، دادگر"۔ ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا قرآن کے الفاظ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے کس قدر گہرا تعلق ہے۔ انہی الفاظ یعنی "بسم اللہ" سے قرآن کی ہر سورۃ سوائے سورۃ ۹ کے شروع ہوتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ قرآن میں پارسیوں کی کتاب سے داخل ہوئے پارسیوں کی کتاب میں قرآن سے نہیں لئے گئے۔ پارسیوں کی کتاب "بندہ ہش نیہ" میں اسی قسم کی عبارت ہے یعنی "بنام یزداں آفریدگار"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کے مندرجہ بالا الفاظ یعنی "بسم اللہ الرحمن الرحیم" یہودیوں سے لئے گئے ہیں چنانچہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حنیف (جس کا ذکر ہم آیندہ باب میں کریں گے) مسمی اُمیّہ نے جو شہر طائف کا

ایک شاعر تھا، یہ کلمہ یعنی "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" اہل قریش کو سکھایا تھا۔ اور اس نے خود اسے اپنے سفرہائے شام و دیگر ممالک میں یہودیوں اور نصاریٰ سے میل جول کرکے سیکھا تھا۔ اگر محمدؐ نے یہ کلمہ اس طرح سُنا اور اسے قبول کرلیا تو یقیناً انھوں نے اس میں کسی قدر تغیر و تبدل کر دیا ہوگا۔ لیکن اغلب خیال یہ ہے کہ اس کلمہ کا ماخذ یہودی نہیں بلکہ مجوسی ہے اور اُمیّہ نے یہ کلمہ ایرآن میں پارسیوں سے اسوقت سیکھا ہوگا جبکہ وہ بغرض تجارت بلاد ایرآن میں گیا تھا۔

ہم صفحات بالا میں دیکھ چکے ہیں کہ محمدؐ کے زمانہ میں ملک عرب پر ایرآن کا کس قدر وسیع اثر تھا۔ لہذا جو باتیں ہم نے درج کی ہیں ان کی بنا پر ہم بلا دقت اس نتیجہ تک پہونچ سکتے ہیں کہ منجملہ دیگر ذرایع کے مجوسی خیالات اور روایات سے اسلامی لٹریچر بہت متاثر ہوا ہے اور خود اسلامی روایات سے اس کا امکان ثابت ہوتا ہے کیونکہ مسلمانوں کی کتاب "روضۃ الاحباب" میں لکھا ہے کہ محمدؐ کے پاس مختلف اقوام کے جو لوگ آیا کرتے تھے وہ انھی کی زبان میں ان سے چند الفاظ بولا کرتے تھے۔ اور چونکہ محمدؐ نے ایک دو مرتبہ اپنے پاس آنے والوں سے فارسی زبان میں بھی گفتگو کی تھی، اس طرح عربی زبان میں فارسی کے بھی چند الفاظ داخل ہوگئے۔ اگرچہ اس بیان میں روایات کو بہت کچھ دخل ہے مگر اس لحاظ سے یہ بہت اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے اس واقعہ کا ثبوت ملتا ہے کہ محمدؐ کو فارسی زبان کا کسی قدر علم ضرور حاصل تھا خواہ دیگر زبانوں کا نہ ہو۔ علاوہ ازیں کتاب "سیرۃ الرسول"، مصنفہ ابن اسحٰق و ابن ہشام سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ کے صحابیوں میں ایک شخص سلمآن نامی تھا، جو ضرور تعلیمیافتہ اور قابل آدمی ہوگا کیونکہ جب ماہ فروری ۶۲۷ء میں اہل قریش اور انکے حلفاء نے شہر مدینہ کا محاصرہ کیا تو اسی سلمآن کے مشورہ اور جنگی تجربات کی بنا پر شہر کی حفاظت کے لئے مشہور و معروف خندق کھودی گئی جس سے "غزوۂ خندق" مشہور چلا آتا ہے۔ اس وقت سے بیشتر مدافعت کا یہ طریقہ عربوں نے کبھی استعمال نہیں کیا تھا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اسی سلمآن کے مشورہ سے محمدؐ نے سنہ ۶۳۰ء میں اہل طائف کے خلاف منجنیق سے کام لیا تھا۔ بعض کہتے ہیں اگرچہ سلمآن ہمیشہ "فارسی" کہلاتا تھا اور لوگ اسے عموماً "سلمان فارسی" کہتے تھے مگر وہ دراصل عیسائی تھا جسے عراق سے گرفتار کرکے لے گئے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ بات غلط ہو۔ اور اگر غلط ہے تو گمان غالب ہے کہ یہ سلمان فارسی ہی وہ شخص تھا جس کی نسبت محمدؐ کے مخالفین کہا کرتے تھے کہ وہ قرآن کے بنانے میں محمدؐ کا معاون ہے۔

قرآن کی سورۂ النحل میں اسی واقعہ کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:۔

"ولقد نعلم انّہم یقولون انّما یعلّمہ بشرٌ۔ لسان الّذی یلحدون الیہ اعجمیٌّ و ہذا لسانٌ عربیٌّ مبینٌ۔ یعنی تحقیق ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ: "اسے ایک بشر سکھاتا ہے"، جس شخص کی طرف یہ لوگ اشارہ کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان میں ہے۔

اگر سلمآن، فارس کا رہنے والا نہیں تھا تو آیۂ مندرجۂ بالا کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محمدؐ کے صحابیوں میں کوئی فارسی ضرور تھا جس کی نسبت لوگوں کو گمان تھا کہ وہ محمدؐ کو بعض باتیں "سکھاتا ہے" جسے قرآن میں شامل

کر دیا جاتا ہے اور یہ حکایات و روایات اس زمانہ میں عربوں کو اس قدر کافی طور پر معلوم تھیں کہ جب انھیں قرآن میں داخل کیا گیا تو عربوں نے فوراً شناخت کر لیا۔ علاوہ ازیں آیتہ مندرجہ بالا میں محمدؐ نے اپنے الزام لگانے والوں کو کوئی قابل اطمینان جواب نہیں دیا کیونکہ ان لوگوں کا الزام یہ تھا کہ وہ شخص آیات کا مضمون سکھاتا ہے، یہ الزام ہرگز نہیں تھا کہ وہ محمدؐ کو عربی زبان سکھاتا ہے۔ الزام قرآن کے مضامین پر تھا قرآن کی زبان پر نہیں تھا۔ علاوہ ازیں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ محمدؐ نے یہودیوں اور مشرکین عرب کی روایات سے بہت کچھ لیا پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ مجوسی ذرائع سے بھی کچھ اخذ نہ کرتے۔

(نگار) اس باب میں ڈاکٹر ٹسڈل نے ظاہر کیا ہے کہ بعض اسلامی عقاید و روایات میں "زردشتی عنصر" کا شمول بھی پایا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں اس نے روایت معراج پر کافی طویل بحث کی ہے۔

ہمارے یہاں واقعۂ معراج پر اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ واقعہ خواب کا ہے اور بعض اسے جسمانی معراج سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اس کو عقل سے قریب تر ثابت کرنے کے لئے متفقہ طور پر خواب ہی کا واقعہ تسلیم کر لیں تو بھی یہ مسئلہ اپنی جگہ بحث طلب رہ جاتا ہے کہ جو روایات ہمارے یہاں معتبر کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں، وہ قابل استناد ہیں یا نہیں اور اگر ہیں تو کیا وہ زردشتی یا آرین روایات سے مماثلت نہیں رکھتیں۔

اسی طرح فردوس، حور و غلمان، جنات و عزازیل وغیرہ کے متعلق جو کچھ ڈاکٹر ٹسڈل نے لکھا ہے، وہ بھی کم اہم نہیں اور کافی غور و فکر چاہتا ہے۔

ضرورت ہے کہ ان تمام مسایل کے متعلق پہلے نہایت صحیح و منقح عقیدہ کو پیش کیا جائے خواہ اسکی بنیاد محض قرآن پر قایم ہو یا قرآن و حدیث دونوں پر، اور پھر غور کیا جائے کہ معترض جو کچھ کہتا ہے وہ کس حد تک ان پر منطبق ہو سکتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہ جو کچھ ہم کہتے یا سمجھتے ہیں وہ علم و عقل کے منافی تو نہیں؟

بعض حضرات جواب دینے کی آسان صورت یہ اختیار کرتے ہیں کہ اس قسم کی مماثل روایات کو جو دوسرے مذاہب میں پائی جاتی ہیں صحیح مان لیتے ہیں اور صرف یہ کہکر دامن چھڑانا چاہتے ہیں کہ اسلام ان کا منکر نہیں، یعنی ہو سکتا ہے کہ جو واقعات رسول اللہ کو پیش آئے ہوں یا جو عقاید ان کو بتائے گئے ہوں، وہی دوسرے متقدم انبیاء یا اکابر کو پیش آئے ہوں اور بتائے گئے ہوں اور اس طرح محض روایات کی مماثلت سے ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام نے یہ باتیں دوسرے مذاہب سے استعارہ کی ہیں، لیکن دراصل یہ کوئی جواب نہیں، کیونکہ دیگر مذاہب کی یہ روایات تو یقیناً خرافیات میں شامل ہیں اور اسلام انھیں "خرافیات" کے محو کرنے کا مدعی ہے۔

چھٹا باب

فرقۂ حنیف اور اس کا اثر ابتدائی اسلام پر

محمدؐ ہی پہلے وہ شخص نہ تھے جنھوں نے اپنے زمانہ کے عربوں کا عام مذہب دیکھ کر اس کی حماقتوں اور لغویتوں کا احساس کیا اور اپنی قوم کے مذہب کی اصلاح کرنا چاہی - قدیم زمانہ کے مصنفین جنھوں نے محمدؐ کی سوانحعمریاں لکھی ہیں یہ بیان کرتے ہیں کہ محمدؐ کے دعوائے نبوت سے بیشتر بہت سے آدمی مدینہ، طائف، مکہ اور غالباً دیگر مقامات عرب میں ایسے نمودار ہو چکے تھے جنھوں نے عام شرک اور بُت پرستی سے اظہار بیزاری کیا اور مذہب حق تلاش کرنے کی کوشش کی - خواہ یہ تحریک یہودیوں کی طرف سے پیدا ہوئی ہو، جیسا کہ گمان غالب ہے یا کسی اور طرف سے، مگر جن لوگوں کا ہم ذکر کر رہے ہیں انھوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت قایم کی جائے اور اس کی جگہ جو چھوٹے چھوٹے بتوں کی پرستش نے لے لی ہے اسے موقوف کیا جائے - علاوہ ازیں بہت سی ایسی مخرب اخلاق رسموں کو بھی موقوف کیا جائے جو نہ صرف ضمیر انسانی بلکہ خود انسانیت کے بھی خلاف تھیں -

خواہ یہ لوگ اس قدیم روایت سے متاثر ہوئے ہوں کہ ان کے مورث اعلیٰ ابراہیمؑ صرف ایک سچے خدا کی عبادت کیا کرتے تھے، یا اس بارہ میں یہودیوں کے خیالات نے اثر کیا ہو، بہرحال ان مصلحین مذہب کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ "دین ابراہیم" کے جویا ہیں - چونکہ یہودی ہمیشہ دیگر فرقوں سے الگ تھلگ رہتے تھے اس لئے ممکن ہے کہ غیور عربوں کو ان کی یہ نخوت ناگوار گزری ہو اور اس وجہ سے انھوں نے دین موسوی قبول کرنا گوارا نہ کیا ہو - اور یہ بھی ممکن ہے کہ قومی غیرت اور خاندانی افتخار ان کو اغیار و اجانب کا دین قبول کرنے سے مانع آیا ہو - کیونکہ یہودی مذہب میں حد درجہ کی لغویتیں اور توہمات بھرے ہوئے ہیں - دوسری طرف نصاریٰ کا الزام یہود پر یہ تھا کہ انھوں نے ان کے مسیحؑ کو قبول نہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا، علاوہ ازیں نصاریٰ یہ بھی کہتے تھے کہ مصلوبیت مسیحؑ کا ہی عذاب یہود پر نازل ہوا ہے کہ وہ اس قدر ذلیل حالت میں مبتلا ہو گئے ہیں - ممکن ہے کہ ان باتوں نے بھی ان مصلحین کو تالمودی یہودیت قبول کرنے سے روکا ہو - بہرحال خواہ کوئی بھی سبب ہو یہ مصلحین محض جویائے حق تھے، یہودی یا عیسائی مبلغین کی حیثیت سے نہیں اُٹھے تھے - ان مصلحین میں جو زیادہ مشہور تھے ان کے نام بھی ہم کو معلوم ہیں - یعنی مدینہ میں ابوعامر، طائف میں اُمیہ بن الصلت، اور مکہ میں ورقہ، عبیداللہ، عثمان، اور زید ابن عمر - ان کے علاوہ اور بھی لوگ تھے جو مندرجہ بالا لوگوں سے ہمدردی رکھتے تھے - اگرچہ ان لوگوں کے پیرو یا مرید

بہت زیادہ نہ تھے۔

چونکہ ان مصلحین نے ہمارے لئے اپنے عقائد کے متعلق کوئی تحریر نہیں چھوڑی سوائے ایک نظم کے ....

.... اس لئے مناسب ہوگا کہ جو کچھ بھی ہم ان لوگوں کے بارہ میں لکھیں کسی سند کا حوالہ دیدیں۔ اس بارہ میں ہمارے لئے خاص سند ابن ہشام کی کتاب ہے، یہی شخص سب سے پہلا مصنف ہے جس نے "سیرت الرسول" لکھی وہ پہلا مصنف جس نے محمدؐ کی سوانحعمری قلمبند کی تھی اس کا نام زہری (Zuhri) ہے جس نے سنہ ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔ اس کی تمام معلومات ان لوگوں کی روایات پر مبنی تھی جنھوں نے خود محمدؐ کی زبان سے باتیں سنی تھیں۔ یا جنھوں نے محمدؐ کو دیکھا تھا۔ ان میں خاص راوی عروہ ہے جو ام المومنین عائشہ کا رشتہ دار تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس قدر عرصہ کے بعد روایات میں غلطیاں اور مبالغہ ضرور داخل ہوگیا ہوگا، بایںہمہ اگر زہری کی کتاب فی زمانا مل سکتی تو وہ بہت مفید ثابت ہوتی۔ مگر ہاں یہ بات ضرور ہے کہ زہری کے شاگرد ابن اسحاق نے جس کی وفات سنہ ۱۵۱ھ میں واقع ہوئی، اپنی سیرت الرسول مرتب کرنے میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہو۔ بہرحال ابن اسحٰق نے اپنی کتاب میں اور بھی بہت سی باتیں غلط ہوں یا صحیح، دیگر ذرایع سے حاصل کرکے اپنی کتاب میں داخل کی ہوں گی۔ مگر افسوس ہے کہ ہم تک ابن اسحاق کی کتاب بھی مکمل اور علحدہ طور پر نہیں پہونچی۔ اگر اس کا بہت بڑا حصہ ان اقتباسات کی صورت میں محفوظ ہے جو ابن ہشام (المتوفی سنہ ۲۱۳ھ) نے اپنی کتاب "سیرت الرسول" میں بکثرت دئے ہیں۔ اگرچہ اسی نام کی بیشمار کتابیں موجود ہیں مگر ابن ہشام کی کتاب سب سے زیادہ پرانی ہے۔ محمدؐ اور اس کے زمانہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے یہ کتاب نہایت اہم ہے۔ کیونکہ یہ اپنی قسم کی دیگر کتابوں کے مقابلہ میں روایات اور حکایات سے بہت کم معمور ہے۔

ابن اسحاق اور ابن ہشام نے جو کچھ ان پرانے عرب مصلحین کے بارہ میں لکھا ہے وہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ قابل قدر ہے کہ ان مصنفین کو اپنے نبی کے مقابلہ میں ان عرب مصلحین کی تعریف کرنے یا ان کے حالات میں مبالغہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ نیز ان مصنفین کو یہ بھی خیال کبھی نہ آیا ہوگا کہ جو کچھ وہ لکھ رہے ہیں اس سے کبھی مخالفین محمدؐ بھی کام لیں گے پس جہاں تک ان کو معلوم ہوا انھوں نے سچ سچ باتیں لکھ دیں۔ یہ بہت ممکن ہے کہ ان مصلحین سابق اور محمدؐ کی تعلیمات میں بہت زیادہ مطابقت ہو مگر یہ تو یقینی بات ہے کہ ان کی تعلیم محمدؐ کی تعلیم سے ہرگز کم نہ ہوگی۔ پس ہم پورے اعتماد کے ساتھ ابن ہشام کی تحریر کو قبول کرتے ہیں۔ اور جو کچھ اس نے ان سابق مصلحین عرب کی تعلیمات کے بارہ میں لکھا ہے اس کا قرآن سے مقابلہ کرتے ہیں۔

اس خیال سے کہ ہمارے ناظرین نتیجہ کا خود فیصلہ کرلیں ہم ذیل میں ابن ہشام کی عبارت کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ اور ابن ہشام کی یہ عبارت زیادہ تر ابن اسحاق کے بیانات پر مبنی ہے:

ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ: "قریش ایک روز ایک میلہ میں جمع ہوئے جو وہ اپنے ایک بت کا کیا کرتے تھے، وہ اس

بُت کی بہت ستایش کرتے تھے، اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے، اس کے پاس رہتے تھے اور اس کے گرد طواف کیا کرتے تھے اور یہ میلہ سال بھر میں ایک دن ہوا کرتا تھا۔ پس چار آدمی خفیہ طور سے ان سے علٰحدہ رہے۔ اور انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: "ایک دوسرے کے سچے وفادار رہو، اور آپس کا راز مخفی رکھو۔" انھوں نے کہا: "بہت اچھا"۔ یہ لوگ ورقہ ابن اسد اور عبید اللہ ابن جحش ---- جس کی والدہ کا نام اُمیمہ بنت عبد المطلب تھا، اور عثمان ابن الحوایرث ---- اور زید ابن عمر تھے پس انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: "خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ تمھاری قوم کی بنیاد کسی چیز پر مبنی نہیں۔ یقیناً ان لوگوں نے اپنے باپ ابراہیم کے دین سے گمراہی اختیار کی۔ ایک پتھر میں کیا دھرا ہے جو ہم اس کے گرد طواف کریں؟ نہ یہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ کسی کو کچھ نقصان پہونچاتا ہے نہ کسی کو کچھ فایدہ۔ اے لوگو! تم اپنے لئے (دین) کی تلاش کرو۔ کیونکہ تحقیق، خدا کی قسم تمھاری بنیاد کسی چیز پر بھی نہیں۔" پس وہ لوگ مختلف علاقوں میں گئے۔ تاکہ وہ وہاں "دینِ حنیف" کی تلاش کریں۔ جو ابراہیم کا مذہب تھا۔ پس ورقہ ابن نوفل تو نصرانیت میں جذب ہو گیا۔ اور اس نے عیسائیوں کی کتب میں "دینِ حنیف" کی تحقیق کرنا شروع کی حتٰی کہ اسے اہل کتاب سے کچھ علم حاصل ہوا۔ مگر عبید اللہ کی حالت مذبذب رہی، حتٰی کہ وہ آخر میں اسلام لے آیا۔ اسکے بعد وہ مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کی بیوی ام حبیبہ بنت ابو سفیان بھی گئی جو مسلمان ہو گئی تھی۔ مگر جب وہ حبشہ میں پہونچا تو مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اور وہیں بحالت نصرانیت ہلاک ہوا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ:

پس محمد ابن جعفر ابن زبیر نے مجھ سے یہ کہہ کر بیان کیا کہ: "عبید اللہ ابن جحش، جب وہ عیسائی ہو گیا، تو رسول اللہ کے ان صحابیوں سے جھگڑا کیا کرتا تھا جو اسوقت حبش میں تھے اور یہ کہا کرتا تھا کہ: "ہم صاف دیکھتے ہیں اور تم چوندھیا رہے ہو" یعنی ہم صاف بین ہیں مگر تم ہنوز دیکھنے کی کوشش کر رہے ہو اور ابھی تک نہیں دیکھ سکے۔" اور یہ کہ جب شیر کا بچہ دیکھنے کے لئے اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ چوندھیاتا ہے۔ جو لفظ اس نے استعمال کیا تھا اس کے معنی ہیں "اپنی آنکھیں کھلی رکھنا"۔ ابن اسحٰق کہتا ہے کہ عبید اللہ کے مرنے کے بعد رسول اللہ نے اس کی بیوہ ام حبیبہ سے نکاح کیا جو بنت ابو سفیان بن حرب تھی۔ ابن اسحٰق کہتا ہے کہ مجھے محمد ابن علی ابن حسین سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ نے ام حبیبہ کو لانے کے لئے حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس عمر ابن امیۃ الضمری کو بھیجا۔ پس نجاشی نے اسے بحیثیت زوجۂ محمدؐ اس کے ساتھ کر دیا۔ پس اس نے اس کے ساتھ نکاح کر دیا اور اس نے رسول اللہ کی طرف سے اس کا مہر چار سو دینار مقرر کیا۔ ---- ابن اسحاق کہتا ہے کہ: "عثمان ابن حویرث قیصر شہنشاہ بائزنطیم کے پاس گیا۔ جہاں وہ عیسائی ہو گیا اور وہ قیصر کے پاس رہ کر بہت کچھ پھولا پھلا ---- ابن اسحاق لکھتا ہے کہ زید ابن عمر ابن نفیل یوں ہی رہا، نہ اس نے نصرانیت قبول کی نہ یہودیت مگر اس نے اپنی قوم کا مذہب چھوڑ دیا۔ پس وہ بتوں سے علٰحدہ رہنے لگا۔ مردار اور خون اور بتوں پر چڑھائی ہوئی قربانیوں سے پرہیز کرتا تھا، وہ لوگوں کو دخترکشی سے منع کرتا تھا اور وہ کہتا تھا: "میں خدائے ابراہیم کی عبادت کرتا ہوں اور جن غلطیوں میں پڑ کر اس کی قوم ہلاک ہو رہی تھی ان سے وہ ان کو سخت منع کرتا تھا۔ ابن اسحاق کہتا ہے کہ مجھ سے ہشام بن عروہ نے اپنے باپ کی سند سے اور اس کے

باپ نے اپنی والدہ اسمار بنت ابوبکر کی سند سے بیان کیا ہے کہ اسمار نے کہا: میں نے زید ابن عمرو ابن نفیل کو بہت بڑی عمر میں کعبہ سے کمر لگائے جھکا بیٹھے دیکھا یہ کہتے ہوئے: "اے قوم قریش! قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں زید ابن عمرو کی جان ہے کہ تم میں سے میرے سوائے کوئی فرد بشر بھی دین ابراہیم تک نہیں پہونچا" اس کے بعد وہ کہا کرتا کہ: "یا اللہ اگر میں یہ جانتا ہوتا کہ تیرے نزدیک کون سا طریقہ پسندیدہ ہے تو میں تیری عبادت اسی طریقہ سے کیا کرتا مگر مجھے یہ بات معلوم نہیں" پھر جس طرح اسکو سہولت ہوتی وہ اسی طرح عبادت کرتا۔ ابن اسحاق کہتا ہے کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے بیٹے سعید ابن زید ابن عمرو ابن نفیل، اور عمر ابن الخطاب نے جو اس کا برادر عم زاد تھا، رسول خدا سے عرض کیا کہ: "زید ابن عمرو کے لئے دعائے نجات مانگئے" رسول اللہ نے فرمایا: "ہاں! کیونکہ تحقیق وہ اپنی ذات سے ایک مذہبی فرقہ بن کر اُٹھے گا"

ابن ہشام نے نہایت احتیاط کے ساتھ وہی باتیں لکھی ہیں جو اس کے پیشرو ابن اسحاق نے لکھی تھیں، اور تقریباً تمام الفاظ بھی ابن اسحاق ہی کے استعمال کئے ہیں۔ پس ان سابق مصلحین عرب خصوصاً زید کی تاریخ اور عقاید پر غور کرنے کے لئے ایک واضح اور مستقل مسالہ موجود ہے۔ زید کے پُراثر قصہ اور اس کی نظم کی رفیع الخیالی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے محمدؐ پر کس قدر اچھا اثر ڈالا ہوگا۔

ابن ہشام بسند ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ الخطاب نے جو زید کا چچا تھا زید کو اس بات پر بُرا بھلا کہا کہ اس نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا تھا اور اسے اس قدر ستایا کہ وہ بیچارہ مکہ میں نہ رہ سکا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عرب کے دیگر علاقوں میں بھی پھرتا رہا مگر بالآخر کوہ حرا کے ایک غار میں آکر مقیم ہو گیا۔ وہاں وہ بہت بڑی عمر تک زندہ رہا اور جب وہ فوت ہوا تو وہیں پہاڑ کی تلی میں دفن کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب محمدؐ نے ۶۱۲ء میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اس سے صرف پانچ سال قبل زید کی وفات ہوئی تھی۔ ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں قریش کی رسم تھی کہ وہ شہر سے نکلکر ایک مہینہ تک کوہ حرا پر رہتے تھے، (یعنی ماہ رمضان میں) اور وہ اس طرح ہر سال وہاں توبہ و استغفار و عبادت و ریاضت کیا کرتے تھے۔ اسے "تحنث" کہتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قریش کی اسی رسم کی وجہ سے محمدؐ نے بعد میں تمام ماہ رمضان کو مسلمانوں کے لئے خاص طور پر بغرض زہد و عبادت منتخب کیا۔ اور چونکہ محمدؐ کے زمانہ میں ماہ رمضان موسم گرما میں واقع ہوا تھا اس لئے متمول لوگوں نے شہر کی تنگ اور گھٹی ہوئی گرم گلیوں سے نکل کر کھلے علاقہ کی تازہ اور صاف ہوا میں جا کر رہنا زیادہ پسند کیا ہوگا۔ یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ان ایام میں ان لوگوں کی زندگی بہت زیادہ متقیانہ اور پرہیزگارانہ ہوتی تھی۔ بہر حال جیسا کہ صاف طور سے بیان کیا جاتا ہے محمدؐ ہر سال ماہ رمضان کے دن رسم کے موافق کوہ حرا پر جا کر بسر کیا کرتے تھے اور وہ دراصل اسی غار میں مقیم تھے جس میں زید رہا کرتا تھا جبکہ ان پر پہلی وحی بذریعہ جبرئیل فرشتہ نازل ہوئی۔ محمدؐ کا اس طرح کوہ حرا پر جا کر غار میں رہنے کا مطلب "ترک دُنیا" سمجھنا غلطی ہے کیونکہ قریش کی رسم کے بموجب محمدؐ کی بیوی خدیجہ بھی اس وقت ان کے پاس اسی غار میں موجود رہتی تھیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب اپنی قوم کی رسم کے مطابق محمدؐ ہر سال جا کر ایک ماہ کے لئے کوہ حرا پر رہتے تھے تو انھیں وہاں زید سے گفتگو کرنے کا بہت کافی موقعہ ملتا ہوگا اور روایت سے صاف ظاہر ہے کہ محمدؐ اس زید کی کس قدر عزت و تکریم کرتے تھے۔ اور یہ ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ محمدؐ نے زید کے لئے دعا کرنا منظور کر لیا تھا۔ اور یہ واقعہ بہت زیادہ قابل غور ہے کیونکہ بیضاوی نے سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۴ کی تفسیر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ محمدؐ کو اپنی ماں آمنہ کے لئے دعا مانگنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ حالانکہ وہ اپنی والدہ سے جو اس کے بچپن ہی میں وفات پا چکی تھیں بہت محبت کیا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں الواقدی نے بیان کیا ہے کہ محمدؐ نے زید کو سلام کیا، حالانکہ یہ اعزاز صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے، محمدؐ نے زید کے لئے خدا سے دعائے آمرزش کی اور بیان کیا کہ: "میں نے اسے جنت میں دیکھا ہے اس کے پیچھے لوگوں کی قطار ہے" بقول اسپرنیجر "محمدؐ نے کھلم کھلا زید کو اپنا پیشرو تسلیم کر لیا تھا۔ اور زید کا ہر لفظ جس کا ہم کو علم حاصل ہے وہ قرآن میں موجود ہے" مثلاً سورۂ آل عمران میں محمدؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ عوام سے کہے: "کیا تم مسلمان ہو گئے ہو؟" ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ یہی الفاظ زید نے لوگوں سے قبل از محمدؐ کہے تھے۔ خاص خاص اُصول جو زید نے قایم کئے تھے وہ سب قرآن میں موجود ہیں۔ مثلاً (۱) دختر کشی سے ممانعت۔ اس زمانہ کے عربوں میں یہ ظالمانہ رسم رائج تھی کہ وہ اپنی شیر خوار بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ (۲) توحید باری تعالیٰ کا تسلیم کرنا۔ (۳) بت پرستی، لات و عزیٰ اور دیگر بتوں کی پرستش سے منع کرنا۔ (۴) جنت یا فردوس میں آیندہ عیش و مسرت کا وعدہ۔ (۵) گنہگاروں کے لئے جو عذاب دوزخ میں مخصوص ہے اس سے انتباہ۔ (۶) کافروں کو خدا کے قہر و غضب سے ڈرانا۔ (۷) خدا کے لئے الرحمٰن، الرّب اور الغفور کے خطابات استعمال کرنا۔ علاوہ ازیں زید اور جملہ دیگر مصلحین عرب دین ابراہیم کے لئے قرآن میں بھی "حنیف" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یہ خطاب زید اور اسکے دوستوں نے پسند کیا تھا۔

جس لفظ سے "حنیف" مشتق ہے اس کے معنی عبرانی زبان میں "چھپانا، دھوکا دینا، جھوٹ بولنا، مکر کرنا" ہیں اور ایسے ہی معنی اس لفظ کے سریانی زبان میں ہیں۔ عربی میں پہلے اس معنی "لنگڑا کر چلنا" یا "ناہمواری کے ساتھ چلنا" تھے۔ مگر چونکہ حنیف لوگوں نے عوام کے بتوں کی پرستش چھوڑ دی تھی اس لئے بعد میں اسکے معنی "الحاد و کفر" ہو گئے۔ اسی معنی میں سابق مصلحین عرب کے لئے یہ لفظ طنزاً استعمال کیا جاتا تھا۔ مگر چونکہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ قریش کے لب و لہجہ میں وہ لفظ جس کے معنی "توبہ و استغفار" اور "تقویٰ" کے ہیں اسے "حنیفیت" سے خلط ملط کر دیا گیا۔ اسلئے اپنے بت پرستی سے تائب ہونے کے باعث حنیف لوگ اس خطاب کو بخوشی قبول کرتے ہوں گے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ محمدؐ نے لفظ حنیف "ابراہیم کے لئے استعمال کیا اور لوگوں کو دعوت دی کہ وہ "دین ابراہیم" یعنی اسلام قبول کر کے حنیف بنجائیں۔ بہر حال محمدؐ نے لفظ "حنیف" استعمال کر کے یہ بات صاف طور پر ظاہر کر دی کہ وہ سابق مصلحین عرب کے اُصول پر چل رہے تھے۔ اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے حنیف لوگوں کی تعلیمات قبول کر کے قرآن میں بھی داخل کر لیا تو ہم بلا

پس و پیش کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کے ماخذ میں حنیف لوگوں کے اصول بھی شامل ہیں۔

حنیف لوگوں کا ابتدائی اسلام پر اس قدر اثر پڑنا بعض خاندانی امور کی بنا پر بھی قدرتی امر تھا۔ کیونکہ مکہ کے جو مصلحین تھے وہ سب محمدؐ کے رشتہ دار تھے کیونکہ وہ سب ایک ہی مورث اعلیٰ یعنی لوآ کی اولاد میں سے تھے۔ علاوہ ازیں عبید اللہ محمدؐ کا رشتہ دار ماں کی طرف سے تھا۔ پھر محمدؐ نے عبید اللہ کی بیوہ سے نکاح بھی کر لیا تھا۔ دو دیگر مصلحین یعنی ورقہ اور نوفل محمدؐ کی بیوی خدیجہ کے برادر عم زاد تھے۔

(نگار) اس باب میں ڈاکٹر ٹسڈل نے کوئی ایسی بات نہیں لکھی جو زیادہ قابل توجہ ہو۔ کیونکہ اگر "فرقۂ حنیف" کے عقاید و مراسم سے اسلام کا متاثر ہونا تسلیم کر لیا جائے تو بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں، کیونکہ اس کا تعلق زیادہ تر اصلاح اخلاق سے ہے اور اس باب میں مماثلت کی بحث کوئی معنی نہیں رکھتی۔

ملاحظات

ڈاکٹر لسڈل کے اعتراضات پر اک عمومی تبصرہ

موضوع کے لحاظ سے اگر قرآن مجید کی تقسیم کی جائے تو ہم کو اس کے پانچ حصے نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جس میں محض عبادات سے بحث کی گئی ہے، دوسرا وہ جو اخلاقیات سے متعلق ہے، تیسرا وہ جو معاملات سے بحث کرتا ہے، چوتھا وہ جس میں معتقدات کی تعلیم دی گئی ہے اور پانچواں وہ جس میں قصص و روایات یا حوادث و واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

کسی مذہب کے حصۂ عبادات پر اگر کوئی گفتگو ہو سکتی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ اُس کا بتایا ہوا طریق عبادت فلاں مذہب اور فلاں قوم سے لیا گیا ہے یا یہ کہ وہ معقول و بہتر نہیں ہے اور یہ دونوں پہلو اعتراض کے بہت کمزور ہیں، کیونکہ عبادت کی اصل روح جو دنیا کے مذاہب نے بتائی ہے، عام طور پر ایک ہی ہے۔ یعنی خدا یا دیوتا کے حضور میں اظہار عجز اور اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس سے رحم و کرم کی التجا کرنا۔ اور اس جذبہ کے اظہار کے لئے جوارح ظاہری میں جو انفعالی تغیر پیدا ہو سکتا ہے اس کا تعلق نفسیات انسانی سے ہے اور وہ تمام انسانوں میں تقریباً ایک ہی سا ہوتا ہے۔

پھر قطع نظر اس سے کہ خدا کے سامنے جھک جانا، سر بسجود ہونا، رونا گڑگڑانا، واقعی خدا یا دیوتا کو متاثر کرتا ہے یا نہیں خود انسان کے اندر ایک کیفیت ضرور ایسی پیدا کرتا ہے، جس سے اخلاق کی درستی کا کام لیا جا سکتا ہے اور یہی ہے فلسفۂ عبادت کا جسے انسان قدیم نے تو نہ سمجھا تھا لیکن اب ذی شعور اہل مذہب یہی کہہ کر عبادت کی معقولیت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

بہرحال عبادت خواہ وہ کسی طریقہ سے کی جائے، اگر اس کا مقصود واقعی عبادت ہے، تو نہ جمالیاتی نقطۂ نظر سے دیکھے جانے کی چیز ہے اور نہ خالص علمی زاویۂ نگاہ سے ــــ اس لئے اگر اس پر اس حیثیت سے نکتہ چینی کا حق حاصل ہو سکتا ہے تو بلا تفریق تمام مذاہب کی طریق عبادت کو مہمل قرار دیا جائے گا، ورنہ کسی کو نہیں۔ کیونکہ جب عبادت کا مقصود تمام مذاہب میں ایک ہی ہے تو پھر دیر و حرم کی تفریق اور مندر و مسجد کا امتیاز کوئی معنی نہیں رکھتا۔ سجدہ کرنا، جھک جانا، طواف کرنا، الحاح و زاری اگر انسانیت کی توہین ہے تو مسجد میں بھی ہے اور مندر میں بھی اور اگر نہیں ہے تو کہیں بھی نہیں۔

اس لئے ڈاکٹر لسڈل نے مسلمانوں کے طریق عبادت پر یہ اعتراض تو کیا نہیں کہ وہ روح عبادت کے منافی ہے یا یہ کہ وہ ناشائستہ و غیر مہذب ہے، کیونکہ عیسائی ہونے کے حیثیت سے وہ خود بھی اپنے مذہب کے طریق عبادت میں کوئی بلند چیز نہیں پاتے بلکہ نکتہ چینی یہ کی کہ وہ دوسرے مذاہب سے لیا گیا ہے، اور اس لئے قرآن جس نے یہ طریقہ بتایا ہے، غیر الہامی چیز ہے میری رائے میں یہ اعتراض بالکل ساقط الاعتبار ہے، کیونکہ عبادت کوئی ایسی چیز نہیں جس کے طریقے غیر محدود ہوں۔

تاثرات کی یکسانیت ہر انسان پر ایک ہی کیفیت پیدا کرتی ہے اور اس کیفیت کے منافی اگر کوئی نئی بات پیش کی جائے گی تو اسکا کوئی اثر نہ ہوگا ـــــــ اگر نماز روزہ وغیرہ مراسمِ عبودیت، مسلمانوں سے پہلے دوسرے مذاہب میں پائے جاتے تھے، تو انکے اختیار کر لینے سے اسلام پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کہ وہ جھوٹا اور غیر الہامی مذہب ہے۔ خاصکر ایسی صورت میں جبکہ بانیٔ اسلام نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ کوئی نئی چیز لیکر آئے ہیں۔ بلکہ سچ پوچھئے تو یہ ان کی صداقت کی دلیل ہے، کہ انھوں نے پچھلے مذاہب کی اصولاً تصدیق کی اور عملاً ان کو زندہ کرنا چاہا۔

اگر ہم اس مسئلہ کو خالص الہامی و مذہبی نقطۂ نظر سے نہ دیکھیں تو بھی بانیٔ اسلام کی یہ انتہائی دانشمندی و نفسیاتی سمجھی جائے گی کہ انھوں نے کوئی نئی چیز نہ پیش کر کے تالیف و اشاعت کی راہ کو زیادہ آسان بنا دیا اور حصولِ مقصود کے لئے وہی ذرایع اختیار کئے، جن سے دوسروں کو بھی انکار نہ تھا۔

اس میں شک نہیں کہ عبادت کی ارتقائی صورت وہی ہوسکتی ہے جو انسان کے تصور کو مادی ذرایع سے بے نیاز کر کے مرموزیت (Symbolism) کو محو کر دے اور جہاں تک میں نے غور کیا ہے، اسلام کا طریقِ عبادت بڑی حد تک اس مقصد کو پورا کرتا ہے۔

بُت پرستی طریقِ عبادت کے لحاظ سے بُری ہو یا اچھی اس سے بحث نہیں، لیکن چونکہ اس میں مادیت و مرموزیت کا لگاؤ زیادہ ہے، اس لئے وہ انسان کو خدا کے غیر مادی تصور سے ہٹا کر مادیات کی طرف مایل کرنے کی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور رفتہ رفتہ انسان کی ذہنی و عملی آزادی سلب کر کے اس میں انسان پرستی یا اولیا پرستی کے جذبہ کو زیادہ قوی کر دیتی ہے۔

جسوقت رسول اللہ نے اعلانِ نبوت کیا، عرب میں بُت پرستی نے یہی کیفیت عام طور پر پیدا کر دی تھی اور لوگ اوہام پرستی میں بکثرت مبتلا نظر آتے تھے۔ آپ نے اسی چیز کو دور کرنے کے لئے توحید کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا جو یوں تو واقعی کوئی نئی چیز نہ تھی، لیکن چونکہ عملی حیثیت سے اسے بالکل بھلایا جا چکا تھا، اس لئے بت پرستی کے خلاف اسلام کا یہ جہاد کہ اس نے اپنی عبادت میں اس کا شائبہ تک گوارا نہ کیا، یقیناً نئی چیز تھی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ توحید کا خیال کوئی نیا خیال تھا، لیکن اسلام سے پہلے وہ خیال ہی خیال تھا اور عملی یا ذہنی حیثیت سے اس کی اہمیت بالکل بھلائی جا چکی تھی۔ صدہا سال کی اس ذہنی تاریکی کو سب سے پہلے اسلام ہی نے دور کیا اور توحید کے خیال کو مذہبی حقیقت میں تبدیل کرنے کا سہرا اسلام ہی کے سر ہے۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں بھی جہاں کی بُت پرست قومیں آج اپنی بُت پرستی کو ثانوی درجہ کی چیز بتا کر اپنا عقیدۂ اصلی توحید ہی کو ظاہر کرنے لگی ہیں، مسلمانوں ہی کی بدولت یہ جذبہ پیدا ہوا اور انھیں کے عقیدۂ توحید سے متاثر ہوکر ہندوؤں نے توحید و بت پرستی کے امتزاج سے ایک نیا فلسفۂ مذہب پیش کیا۔

یہ تو تھا عبادت کا نفسیاتی یا ذہنی پہلو، لیکن اگر اس کی ظاہری حیثیت کو دیکھا جائے تو بھی مسلمانوں کا طریقِ عبادت خاص ندرت و اہمیت رکھتا ہے۔

اسلام کی عبادتوں میں نماز خاص چیز ہے، کیونکہ روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ اس فرض کو ادا کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر جسے اب یقیناً ہمارے یہاں کے علماء نے بھی پس پشت ڈال دیا ہے، یہ تھا کہ مسلمانوں میں اجتماعی احساس پیدا ہو اور اسی لئے جماعت کے ساتھ نماز کی ادائی پر رسول اللہ نے اتنا زور دیا کہ اگر کوئی خاص مانع موجود نہ ہو تو اس کی حیثیت تقریباً فرض ہی کی سی ہو جاتی ہے۔ عبادت کا یہ طریقہ جس میں روحانیت و تزکیہ اخلاق کے ساتھ ساتھ اجتماعیت، قومی شیرازہ بندی اخوت و یگانگت، سب کا اتنی سادگی و سنجیدگی کے ساتھ لحاظ رکھا گیا ہو، دُنیا میں بالکل نئی چیز تھی۔ اسلام سے قبل اس نوع کے مذہبی اجتماعات سارے عالم میں عبادت کے صرف مابعد الطبیعاتی پہلو سے متعلق ہوتے تھے جن کا مقصود ایک روحانی قسم کے کفارۂ گناہ کے علاوہ کچھ نہ تھا، لیکن اسلام نے ان اجتماعات کو قومی زندگی کی اساسی حیثیت دیدی اور ان مقامات کو جہاں یہ اجتماعات ہوا کرتے تھے سیاسی مشورہ گاہوں میں تبدیل کر دیا۔

روز کی نمازیں محلہ کے اجتماعات تھے، جمعہ کی نماز کئی کئی محلّوں کا اجتماع تھا، عیدین کی نمازیں سارے شہر اور حج مختلف شہروں کی آبادی کا اجتماع تھا جہاں ہم اپنی ہیئت اجتماعی کے مسایل پر بھی گفتگو کرتے تھے اور خدا کی کارسازی کا خیال اس وقت دل میں لاتے تھے جب پہلے خود اپنی تنظیم قومی کی تدبیریں سوچ لیتے تھے۔ بہرحال جس حد تک عبادات کا تعلق ہے، یقیناً اسلام نے ان کو اک نئی روح کے ساتھ پیش کیا اور ڈاکٹر ٹسڈل کا یہ کہدینا کہ فلاں فلاں طریقے فلاں فلاں مذاہب سے لئے گئے ہیں اور اس لئے قرآن غیر الہامی ہے، بالکل بے معنی سی بات ہے۔

دوسرا حصہ قرآن مجید کا جو اخلاقیات سے متعلق ہے، اس پر بھی بحث کرنے کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ اخلاق کے اُصول تمام مہذب و ترقی یافتہ قوموں میں ایک ہی ہوا کرتے ہیں اور یہ کہنا کہ فلاں اُصول فلاں جگہ سے لیا گیا ہے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہی صورت اس حصۂ قرآن کی بھی ہے جو معاملات سے متعلق ہے، کیونکہ اخلاق و معاملات تقریباً ایک ہی چیز ہے۔ البتہ وہ حصہ جسے شریعت و قانون کہتے ہیں اور جو اخلاق و معاملات کے اُصول کو قایم رکھنے اور ان پر لوگوں کو پابند رکھنے کے لئے ضروری ہے، بیشک بحث میں آسکتا ہے، لیکن ڈاکٹر ٹسڈل نے اس سے بحث نہیں کی اور نہ اس پر گفتگو کا موقعہ تھا، کیونکہ قانون کی تشکیل کا انحصار وقت، ماحول، ملکی حالات اور قومی خصوصیات پر ہوا کرتا ہے اور شریعت اسلامی جس زمانہ میں قایم ہوئی وہ عرب کے حالات اور اس وقت کی خصوصیات کے لحاظ سے اپنی جگہ مکمل چیز تھی اور اس پر موجودہ زمانہ کو سامنے رکھ کر گفتگو نہیں ہو سکتی۔

اب رہ گئے قرآن مجید کے وہ حصے جو معتقدات و قصص و روایات سے متعلق ہیں، ان پر البتہ بحث ہو سکتی ہے اور ڈاکٹر ٹسڈل نے انھیں پر زیادہ جرح کی ہے۔

ہر مذہب میں معتقدات کے دو حصے ہوا کرتے ہیں، ایک وہ جن کا اُصولی حیثیت سے تسلیم کرنا ضروری ہوتا ہے اور دوسرے وہ جن کے تسلیم کرنے پر ہر شخص مجبور نہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کے معتقدات بھی ایسے ہی دو حصوں پر مشتمل ہیں، اُصولی حصہ جو تمام جماعت اسلامی کے لئے ضروری وجہ اشتراک ہے، صرف توحید و رسالت کا اقرار ہے اور اس کا منکر یقیناً بہ لحاظ

عقیدہ مسلمان نہیں کہلایا جا سکتا۔ دوسرا حصہ جس کی معنویت پر اختلاف ہو سکتا ہے وہ مابعد الطبیعیاتی حصہ ہے جو حشر و نشر، عذاب و ثواب، بہشت و دوزخ وغیرہ کے عقاید سے تعلق رکھتا ہے، اور یہی حصہ عقاید کا ہمیشہ مابہ النزاع رہا ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ اس اختلاف کو خالص علمی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا اور اسے مذہبی افتراق کا سبب نہ قرار دیا جاتا، لیکن افسوس ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ وہ لوگ جو اس باب میں علم و عقل کی رہنمائی کو گوارا نہیں کرتے، تمام مذہبی لٹریچر کو بغیر کسی تنقیح و انتقاد کے تسلیم کرانا چاہتے ہیں اور جو ان کا ہمنوا نہیں ہوتا، اسے اسلام سے خارج کر دیتے ہیں، دوسری جماعت جو ان عقاید کو غیر اصولی قرار دیکر علم و عقل کی روشنی میں دیکھنا چاہتی ہے، وہ پہلی جماعت کو اسلام کا نادان دوست قرار دیتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک دونوں کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اور دونوں فریق کے نزدیک اسی کا فیصلہ ناطق ہے، لیکن جب کسی مسئلہ میں قرآن سے استدلال کیا جاتا ہے تو پھر اس کے سمجھنے کی بحث سامنے آجاتی ہے یعنی دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک اپنے آپ کو قرآن کا زیادہ سمجھنے والا کہتی ہے اور یہ نزاع دور نہیں ہوتی۔

میری رائے میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآن کے الفاظ کا جو ظاہری مفہوم ہے اس سے ہٹ کر ان الفاظ کا کوئی اور مفہوم قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں، اگر ایسا ہے تو پھر تاویلات کو برداشت کرنا چاہئے اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ دعویٰ ترک کر دینا چاہئے کہ اسلام کے تمام معتقدات عقل کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔ اس گفتگو میں سب سے بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ اس کو اصل مذہب سے متعلق کر کے ان عقاید کے ماننے یا نہ ماننے کو کفر و اسلام کا معیار قرار دیا جاتا ہے حالانکہ قرآن کا منکر ہونا دوسری چیز ہے اور اس کے مفہوم میں اختلاف رائے دوسری چیز۔

بہرحال معتقدات کا حصہ جس پر ڈاکٹر ٹسڈل نے کافی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، نہایت غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ اور اگر ہم یہ ثابت بھی کر دیں کہ ہمارے معتقدات کہیں سے ماخوذ و مستعار نہیں ہیں، تو بھی ان کی حقیقت و نوعیت اپنی جگہ ضرور بحث طلب رہ جاتی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ پہلے حشو و زواید کو دور کر کے خالص اسلامی نقطۂ نظر سے تمام عقاید کی صراحت کر دی جائے اور اس کے بعد معترض کے اعتراضات سے گفتگو ہو اور اس سلسلہ میں اگر کسی مقام پر الفاظ قرآنی کے ظاہری مفہوم سے ہٹنا ضروری ہو تو پھر یہ بھی بتایا جائے کہ کیا تاویل کا اصول کلام مجید کے ہر حصہ پر حاوی ہو سکتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو کسی مخصوص حصہ یا آیت کی تاویل کیوں کی جاتی ہے اور قرآن میں ان باتوں کو کیوں ایسے مبہم الفاظ میں ظاہر کیا گیا کہ ظاہری مفہوم سے ہٹ کر تاویل کی ضرورت محسوس ہوئی۔

بالکل یہی اصول قصص و روایات کی بحث میں سامنے رہنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ قرآن میں جو قصص پائے جاتے ہیں، وہ آیا حقیقی واقعات کی حیثیت سے بیان کئے گئے ہیں، یا حقیقت سے قطع نظر روایتی حیثیت سے محض اعتبار و بصیرت کے لئے ان کو بیان کیا گیا ہے۔

سلسلۂ معتقدات و روایات میں ان احادیث کے متعلق بھی گفتگو کرنا ہوگی جو اسلام میں "خرافیات" کے اضافہ کا

باعث ہوئی ہیں۔ لیکن اس تمام بحث میں ایک امر کا لحاظ ضروری ہے اور وہ یہ کہ معترض کے کسی اعتراض کا رد اس نوع کے دلائل سے نہ کیا جائے کہ "چونکہ قرآن میں ایسا لکھا ہے اس لئے صحیح ہے یا یہ کہ خدا کی قدرت سب کچھ کر سکتی ہے" کیونکہ اس سے زیادہ کمزور جواب اور کوئی نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی غیر مسلم اسے تسلیم کر سکتا ہے۔

میرا اصل مقصود اس بحث کے چھیڑنے سے صرف یہ ہے کہ اسلام کی نہایت منقح صورت دنیا کے سامنے آجائے اور مستقبل میں وہ مسلم و غیر مسلم دونوں کے لئے ایک معیار کا کام دے۔

"نگار" کا یہ نمبر زیادہ سے زیادہ ۱۵ر جنوری تک ان حضرات کی خدمت میں پہونچ جائے گا جن سے میں پہلے استمزاج کر چکا ہوں اور اگر ان کا جواب ۱۵ر فروری تک میرے پاس آگیا تو مارچ کے نگار سے جوابات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، لیکن اسی کے ساتھ یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ جواب میں برہمی و خشونت سے کام نہ لیا جائے اور اس کو خالص علمی بحث سمجھ کر عالمانہ لب و لہجہ میں گفتگو کی جائے، دوسری بات یہ کہ جواب میں اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ خطاب "غیر مسلم" سے ہے اس لئے استدلال کسی ایسی چیز سے کرنا جس کو فریق ثانی صحیح نہ سمجھتا ہو تضیع اوقات ہوگی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ الزامی جواب کبھی تشفی بخش نہیں ہوتا، اس لئے ماخذ القرآن کے جواب میں کچھ ایسی بحث چھیڑنا جس سے "نصرانیت" کے اصول بھی دوسرے مذاہب یا اقوام سے ماخوذ ثابت کئے جائیں بے سود کوشش ہوگی۔

میں خود اپنی رائے اس وقت ظاہر کروں گا جب تمام جوابات سامنے آجائیں گے اور اگر جوابات معقول ہوئے تو میں یہ تمام بحث کتابی صورت میں شایع کر دوں گا۔

نیاز